عنایت اللہ

پاک فضائیہ کی داستان شجاعت

ستمبر 1965ء اور دسمبر 1971ء کی پاک بھارت جنگوں میں پاک فضائیہ کے جنگی کارنامے



مکتبہ داستان

پاک فضائیہ کی داستانِ شجاعت

ستمبر 1965 اور دسمبر 1971 کی پاک بھارت جنگوں میں پاک فضائیہ کے جنگی کارنامے

عنایت اللہ

واحد تقسیم کار

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔

فون 37352332، 37232336 فیکس 37223584

www.ilmoirfanpublishers.com

E-mail: ilmoirfanpublishers@hotmail.com

نام کتاب	....	پاک فضائیہ کی داستانِ شجاعت
مصنف	....	عنایت اللہ
ناشر	....	وقاص شاہد
		مکتبہ داستان، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
سن اشاعت	....	جولائی 2010ء
قیمت	....	-/300روپے

☆ ملنے کے پتے ☆

علم و عرفان پبلشرز
الحمد مارکیٹ، 40- اُردو بازار، لاہور۔

خزینہ علم و ادب
الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔

اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک، راولپنڈی۔

کتاب گھر
کمیٹی چوک، راولپنڈی۔

فہرست

جنگِ دسمبر ۱۹۷۱ء

☆☆☆

پیش لفظ

"پاک فضائیہ کی داستانِ شجاعت" —— ہمارے لڑاکا بمبار شاہبازوں کے چند ایک فضائی معرکوں کی ولولہ انگیز اور ایمان افروز روئیداد ہے۔

بھارت نے پاکستان کو نیست و نابُود کرنے کے لئے اٹھارہ برسوں کی تیاریوں کے بعد جب ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح اپنی پُوری جنگی قوّت سے حملہ کیا تو پاکستان کے دفاع میں پاک فضائیہ سے بہت کم توقعات وابستہ کی گئی تھیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ہمارے لڑاکا پائلٹ لڑنے کی اہلیّت اور جرأت نہیں رکھتے تھے بلکہ اِس لئے کہ پاک فضائیہ کے پاس انڈین ائیر فورس کے مقابلے میں طیّاروں کی تعداد بہت کم تھی۔ پاک فضائیہ کے پاس ۱۳۴ لڑاکا بمبار طیّارے تھے جن میں ۹۸ قدیم قسم کے سیبر، ۲۴ بمبار (بی-۵۷) اور ۱۲ اسٹار فائٹر (ایف-۱۰۴) تھے۔

انڈین ائیر فورس کے لڑاکا بمبار طیّاروں کی تعداد کم و بیش چھ سو تھی۔ یہ سب اُس وقت کے جدید اور تیز رفتار طیّارے تھے۔ اِن میں رُوسی ساخت کے بیس مِگ-۲۱ طیّارے بھی تھے جنہیں اُس دَور میں فضا کی دہشت کہا جاتا تھا۔ انڈین ائیر فورس میں آواز کی رفتار سے تیز اُڑنے والے طیّارے بھی تھے۔

دشمن کی اتنی بڑی، اتنی طاقتور اور ایسی جدید ائیر فورس کے مقابلے میں

پاک فضائیہ فلائنگ کلب لگتی تھی لیکن فضائیہ مسلح افواج کا ایک بازو ہوتی ہے۔ اسے ملک کے دفاع میں اپنا رول ادا کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ پاک فضائیہ للکار کر فضا میں اُٹھی۔ پاک فضائیہ کے دو شاہبازوں نے یکم ستمبر ۱۹۶۵ء کے روز چھمب کی فضا میں ایک معرکے میں انڈین ایئر فورس کے چار بزنز طیارے گرا کر ثابت کر دیا کہ پاک فضائیہ جنگ میں اپنا کردار خوش اسلوبی سے ادا کرے گی — چھمب کا یہ فضائی معرکہ بعنوان "وہسکی کی بوتل" آپ اس کتاب میں پڑھیں گے۔

پاک فضائیہ کے مُٹھی بھر لڑاکا پائلٹ جنہیں میں نے شاہباز کہا ہے، جنگِ ستمبر کے پہلے دو دنوں میں ہی بھارت کی دیوہیکل ایئر فورس پر چھا گئے اور اگلے دو دنوں میں شاہبازوں نے بھارت کے جدید طیاروں کو (دُنیا بھر کے اخباری نمائندوں کی چشم دید رپورٹوں کے مطابق) فضا سے بے دخل کر دیا۔

یہ جذبہ حُب الوطنی اور فرض کی لگن کا کرشمہ تھا اور یہ عقیدے اور یقین کا معجزہ تھا۔ بھارت کا حملہ ہوتے ہی سورۃ الانفال کی آیات ۶۵/۶۶ پاک فضائیہ کے شاہبازوں کو لکھ کر دے دی گئی تھیں جو جنگ کا تمام عرصہ ہر شاہباز کے پاس رہیں:

اے نبیؐ! مومنین کو جہاد کی ترغیب دو۔ اگر تم میں سے بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے،

اور اگر تم میں سے سَو آدمی ہوں گے تو ایک ہزار کفّار پر غالب آئیں گے، اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (دین کو) کچھ نہیں سمجھتے۔"

"اب اللہ تعالیٰ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں ہمّت کی کمی ہے۔ سو اگر تم میں سے سَو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب آئیں گے اور اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔"

اس کتاب میں چند ایک فضائی معرکے شامل کیے گئے ہیں۔ کچھ معرکے ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے بھی سُنا رہا ہوں۔ قارئین ایک سوال ضرور پوچھیں گے — ۱۹۷۱ء میں بھی ہمارے شاہباز ستمبر ۱۹۶۵ء والے جوش اور جذبے سے لڑے تھے

لیکن نتائج ۱۹۶۵ء والے کیوں نہ رہے؟

اس سوال کا بڑا واضح اور تفصیلی جواب میجر جنرل (ریٹائرڈ) فضل مقیم خان اپنی کتاب "پاکستان کا المیہ — ۱۹۷۱ء" میں دے چکے ہیں۔ میں اُن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اُن کا جواب کتاب میں دیباچے کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔

پاک فضائیہ کی داستانِ شجاعت اپنے اُن شاہبازوں کو جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے اور اُنہیں بھی جن کے نام اور معرکے اس کتاب میں شامل نہیں، خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے سُنائی جا رہی ہے — اور یہ ولولہ انگیز داستان اپنی قوم کے نوجوانوں اور نونہالوں کو سُنانا مقصود ہے کہ یہ ہیں ہماری درخشندہ روایات جنہیں زندہ رکھنا ہے۔ ایک آزاد اور پُر وقار قوم کی حیثیت سے زندہ رہنے کا انحصار اس پر ہے کہ قوم کے نوجوان اپنی روایات کو زندہ رکھتے ہیں یا نہیں۔

عنایت اللہ
مدیر "حکایت" لاہور

دیباچہ

از:۔ میجر جنرل (ریٹائرڈ) فضل مقیم خان

۱۹۶۵ء میں ہماری فضائیہ کی کارکردگی اعلیٰ ترین رہی تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ اس جنگ میں ہندوستان کی ہم سے کہیں بڑی اور بہتر ائیر فورس کے مقابلے میں ہماری چھوٹی سی ائیر فورس نے اپنے بہتر منصوبوں اور زیادہ دلیرانہ تدبیروں سے اعلیٰ ترین کارنامے سرانجام دیئے تھے لیکن جب ہم ۱۹۷۱ء کی جنگ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس بار پاک فضائیہ کی ہائی کمان کی منصوبہ بندی اُس معیار کی نہیں تھی جو چھ سال پہلے کے کارہائے نمایاں کو ظہور میں لائی۔ یہ قوم کی توقعات پر پُوری نہ اُتری۔ اس کی بہت سی وجوہ ہیں۔

۱۹۷۱ء کی جنگ جس ماحول اور جن حالات میں لڑی گئی، وہ ۱۹۶۵ء کی جنگ سے قطعی مختلف تھے۔ ہندوستان نے ۱۹۶۵ء کی جنگ سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنی فضائیہ کی نئے سرے سے تنظیم کی اور اسے نئے سازوسامان سے آراستہ کرنا شروع کر دیا۔ مثلاً ۱۹۶۵ء میں ہندوستان کے پاس آواز سے تیز رفتار طیّاروں کا تقریباً آدھا سکواڈرن تھا لیکن ۱۹۷۱ء میں اُن کی تعداد بارہ سکواڈرن کے لگ بھگ پہنچ چکی تھی۔ ۱۹۶۵ء میں ہندوستان کے پاس قبل از وقت خبردار کرنے اور زمین سے فضا پر نگاہ رکھنے کا جو بندوبست تھا وہ محض کام چلاؤ قسم کا تھا

لیکن ۱۹۷۱ء میں مغربی پاکستان کی ساری سرحد کے ساتھ ساتھ اُس نے فضائی دفاع کے لیے نہ صرف بالائی اور زیریں سطح پر دیکھنے والے جدید ترین ریڈار لگا لیے تھے بلکہ ایسا انتظام بھی کر لیا تھا کہ وہ پاکستان کے اندر دُور تک جھانک سکتا تھا۔ اُس نے اپنے حملوں کے فضائی کنٹرول اور مواصلات کا بندوبست بھی کر لیا تھا۔

۱۹۷۱ء تک اُس نے پاکستان کی ساری سرحد کے ساتھ ساتھ جدید ترین طرز کے ہوائی اڈے بنا لیے تھے جن میں طیاروں کو حفاظت سے رکھنے کے لیے کنکریٹ کے گھر PENS بنا لیے تھے۔ ۱۹۶۵ء میں ہندوستان کے پاس جو طیارہ شکن توپیں تھیں وہ زیادہ تر دوسری جنگِ عظیم کی بچی ہوئی تھیں لیکن ۱۹۷۱ء میں اس کا طیارہ شکن نظام اتنا جامع اور مکمل تھا کہ وہ زمین سے فضا میں گائیڈڈ اسلحہ سے مار کر سکتا تھا۔ اس کے پاس ایسی طیارہ شکن توپیں تھیں جن کی شست ریڈار متعین کرتا تھا۔ ہندوستان نے اس ساز و سامان کی فراہمی برقرار رکھنے کے لیے ملک کے اندر بھی ان کی تیاری شروع کر دی تھی اور دوسرے ملکوں، خاص کر رُوس سے بھی انہیں حاصل کرنے کا بندوبست کر لیا تھا۔

رُوس نے ہندوستان کو کثیر تعداد میں مِگ ۲۱، اور ایس یُو سیون SU-7 طیاروں کے علاوہ جدید ترین طرز کا ایک ٹوپولیف ٹی یُو ۱۱۴ TUPOLEV-117 مہیا کیا تھا جسے رُوسی ہی چلاتے تھے۔ یہ فضا سے خبردار کرنے کا ایک آلہ ہے۔ رُوس نے ہوائی اڈوں کے رن ویز RUNWAYS پر گڑھے ڈالنے کے لیے دو نئی قسم کے بم بھی ہندوستان کو دئیے تھے۔

انڈین ایئر فورس کو ۱۹۷۱ء تک وسیع اور جدید بنایا جا چکا تھا اور اس کی حملہ کرنے کی قوت بھی بڑھ چکی تھی۔ اب یہ امریکہ، روس، چین اور فرانس کے بعد پانچویں بڑی فضائیہ بن چکی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق انڈین ایئر فورس

کے پاس طیاروں کی کُل تعداد دو ہزار کے قریب ہو گئی تھی۔ ان میں سے کوئی چھ سو تو ریزرو تھے۔ باقی ایک ہزار چار سو طیاروں میں باربردار بھی تھے، امدادی بھی اور تربیتی بھی۔ ضرورت کے وقت انڈین ایئر فورس ان سب کو جنگ میں جھونک سکتی تھی۔ اُس نے اڑتیس سکواڈرن بنا لیے تھے۔ اٹھائیس مغربی پاکستان کے بالمقابل اور دس مشرقی پاکستان کے ساتھ ساتھ متعین تھے۔

اس کے برعکس پاک فضائیہ کی حالت یہ تھی کہ اس کے پاس صفِ اوّل کے صرف اڑھائی سَو کے لگ بھگ ہوائی جہاز تھے۔ ان میں کچھ سَیبر تھے اور چند ایف ۱۰۴، چینی مِگ ۱۹، فرانسیسی میراج، امریکی بی ۵۷ بمبار اور ٹی ۳۳ جیٹ تربیتی طیارے تھے۔ ان سے ساڑھے گیارہ سکواڈرن بنائے گئے تھے۔ ساڑھے دس سکواڈرن تو مغربی پاکستان میں اور ایک مشرقی پاکستان میں تھا۔

پاکستان ایئر فورس کی ترقی انڈین ایئر فورس کی ترقی سے بہت پیچھے رہ گئی تھی۔ ہماری فضائیہ کے لیے اسلحہ اور اُن کے فالتو پرزے امریکہ ہی فراہم کرتا تھا۔ ۱۹۶۵ء سے یہ ذریعہ بالکل بند ہو گیا تھا۔ وہاں سے نہ تو نئے طیارے آتے تھے اور نہ ہی اسلحہ، بلکہ پاکستان کے پاس جو طیارے موجود تھے وہ خراب ہو جانے کی صورت میں امریکہ نہ تو بدل کر دیتا تھا اور نہ اُن کی مرمت کے لیے فالتو پُرزے ہی دیتا تھا۔ پاکستان ایئر فورس کو جہاں سے جو اسلحہ ملا وہ اُس نے لے لیا اور اس طرح یہاں اسلحہ کے مختلف نظاموں کا ملغوبہ سا بن گیا۔ چنانچہ اب ہماری فضائیہ کے پاس جو کچھ تھا وہ محض کام چلاؤ قسم کا تھا۔ اس کی ترقی اور توسیع میں بھی ایسی منصوبہ بندی کا فقدان تھا جو اُسے کسی مطلوبہ معیار کی عسکری قوت بنا سکتی۔

امریکہ نے پاکستان کو نہ صرف نئے ساز و سامان کی فراہمی روک دی تھی بلکہ فوجی امداد کے پروگرام کے تحت وہ ہمیں جو اسلحہ دے چکا تھا اس کے لیے بھی فالتو پُرزے ہمارے ہاتھ بیچنے کی بالکل مناہی کر دی تھی۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد دوسرے مغربی ملکوں نے بھی پاکستان کو اسلحہ کی فراہمی سے انکار کر دیا تھا۔ اس طرح ہم

بالکل تن تنہا رہ گئے۔ امریکی سازوسامان سے آراستہ ہماری فضائیہ کو قوتِ پرواز سے محروم ہو جانے سے بچنے کے لیے دوسرے ذرائع ڈھونڈنے پڑے۔ اِس موقع پر جمہوریہ چین کی حکومت نے پاکستان کو لڑاکا طیارے فراہم کرنے کی پیش کش کی جو ہم نے شکریے کے ساتھ قبول کر لی۔ اس چینی طیارے ایف۔۶ کو اپنے ہاں رائج کرنے میں ہمیں شروع میں کچھ مشکل پیش آئی کیونکہ اس کی تکنیک مغربی طیاروں سے جدا تھی اور ہم مغربی طیاروں کے عادی تھے۔ اس مشکل پر جلد ہی قابو پا لیا گیا اور پاکستان ائیر فورس ایک سال کے اندر اندر مگ۔۱۹ طیاروں کے دو سکواڈرن بالکل جنگی انداز پر لے آئی۔

ہم نے فرانس سے میراج MIRAGE-III STRIKE INTERCEPTER (دشمن کے طیاروں کو راستے میں روک کر حملہ کرنے والے) طیارے خریدے جو ۱۹۶۸ء میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ ۱۹۷۱ء میں پاکستان ائیر فورس کے پاس جدا جدا طرز کے صفِ اوّل کے لڑاکا طیارے تھے۔ ان میں بعض کمیونسٹ ممالک کی تکنیک کے تھے اور بعض غیر کمیونسٹ ممالک کی تکنیک کے۔ پاکستان نے اِن طیاروں اور ان کے اسلحہ کے فالتو پُرزے خود بھی بنانے شروع کر دیئے تاکہ اس میدان میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہو سکے۔ اس میں ہمیں خاصی کامیابی ہوئی لیکن طرح طرح کے اسلحہ اور سازوسامان نے کئی انتظامی مسائل بھی پیدا کر دیئے۔

اپریل ۱۹۷۱ء کے بعد پاکستان ائیر فورس کے کچھ مشرقی پاکستانی افراد باغیوں سے جا ملے اور جو باقی رہے اُن کو بعد میں طیاروں سے ہٹا دیا گیا۔ اس سے آرمی اور نیوی کی طرح ائیر فورس کی بھی جنگی صلاحیت پر اثر پڑا۔ ان مشرقی پاکستانیوں میں پینتیس ہوا باز تھے جو ہماری مختصر سی ائیر فورس کے لیے خاصی بڑی تعداد تھی اور طیاروں کی نگہداشت کرنے والے دگراؤنڈ کریو، عملے کے پچیس فیصد افراد شامل

تھے۔ ان کاریگروں کی کمی سے طیاروں کی اہلیت بہت گھٹ گئی۔ ان غداروں نے پاکستان کے دفاعی نظام، کہاں کہاں ریڈار نصب ہیں اور ہمارے جنگی منصوبے کیا ہیں؟ ان سب امور کے بارے میں ہندوستان کو تمام معلومات مہیا کر دیں لیکن تمام مشکلات، ناسازگار حالات اور انڈین ائیر فورس کی تعداد اور سازوسامان میں برتری کے باوجود ہماری فضائیہ کے نوجوان افسروں کو یہ یقین تھا کہ وہ انڈین ائیر فورس پر حاوی ہو کر کاری ضرب لگا سکتے ہیں۔

اپنے اوپر یہ اعتماد دو اسباب پر مبنی تھا۔ ایک تو وہ یہ دلیل دیتے تھے کہ انہیں پتہ ہے کہ ہندوستان کون کون سے طیارے اور سازوسامان استعمال کر رہا ہے اور ان کی خصوصیات کیا ہیں اس لیے ان کی کوئی کارروائی ہمارے لیے عجوبہ نہیں ہو گی۔

دوسرے یہ کہ پاکستان ائیر فورس کے طیارے اگرچہ مختلف طرز کے تھے اور اُن کی خصوصیات بھی جدا جدا تھیں، تاہم اُنہیں اکٹھا کر کے انڈین ائیر فورس کے زیادہ جدید اور اعلیٰ قسم کے طیاروں کا بہتر مقابلہ کیا جا سکتا تھا۔ اُن کا یہ خیال تھا کہ بہترین نتائج حاصل کرنے کی ایک ہی تدبیر ہے کہ آگے بڑھ کر دشمن پر وار کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ امرتسر اور پٹھان کوٹ کے ہوائی اڈے تباہ کر دیئے جائیں اور شمالی ہندوستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ تیس سے چالیس میل تک کی فضا پر اپنا عمومی تسلط قائم کر لیا جائے مگر ہندوستان کے فضائی چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے پاکستان ائیر فورس کی ہائی کمان نے بالکل مختلف حکمتِ عملی اختیار کی۔

ہمارے ہاں مشترکہ منصوبہ بندی کا کوئی انتظام نہ تھا جیسا کہ کمانڈر انچیف پاکستان ائیر فورس نے اپنے کئی افسروں کو بتایا کہ پاکستان ائیر فورس کے منصوبے کی بنیاد یہ تھی کہ جنگ چھ ماہ تک جاری رہے گی۔ کمانڈر انچیف کا اصل خیال یہ تھا کہ اپنی

فضائی قوت کو جہاں تک ہو سکے محفوظ رکھا جائے۔ سپریم کمانڈر یا آرمی کے چیف آف سٹاف نے پاک فضائیہ کا منصوبہ دیکھنے کی کبھی خواہش ظاہر نہ کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمانڈر انچیف پاکستان ایئر فورسز انہیں جو کچھ گول مول الفاظ میں بتاتے رہے وہ اسے مان لیتے رہے۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ میں پاک فضائیہ کی تزویرات تو دفاعی تھیں لیکن تدبیرات بے حد جارحانہ تھیں لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں اس نے تدبیرات اور تزویرات، دونوں ہی میں دفاعی کردار اختیار کیا۔ اس نے اپنے ذمے اپنے صرف خاص خاص اڈوں کا دفاع کرنا ہی لیا تھا اور وہ اب اس انتظار میں تھی کہ دشمن آئے اور ان اڈوں پر حملہ کرے۔ چنانچہ اس کے ہوائی جہاز انہی اڈوں کے اُوپر مستقل طور پر گشت کرتے رہے۔ ہمارے منصوبہ سازوں نے یہ سوچا ہی نہیں تھا کہ کوئی اور صورت بھی پیش آ سکتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے کسی دوسری صورت کے لیے کوئی منصوبہ بنایا ہی نہیں، اس لیے انہوں نے کسی دوسرے اڈے پر بالخصوص مغربی پاکستان کی سرحدوں کے قریب ہوائی اڈوں پر زمینی دفاع کا کوئی بندوبست کیا ہی نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاک فضائیہ کو زیادہ چلنا پھرتا اور لچکدار نہ رکھا گیا بلکہ شمال میں سرحد سے دُور گنے چُنے ہوائی اڈوں ہی تک اس کی نقل و حرکت محدود رہی۔ چنانچہ سرحد کے ساتھ ساتھ مواصلات کے جو اہم سلسلے جا رہے تھے ان کا معقول دفاع نہ ہو سکا۔

پاکستان ایئر فورس کے طیاروں کو سرحد سے بہت پیچھے کے ہوائی اڈوں پر متعین کرنے کا ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ دشمن کے علاقے میں یہ بہت تھوڑی دور تک مار کر سکے۔ دوسرا یہ کہ جب دشمن ہمارے اگلے مورچوں اور کسی اہم سلسلۂ مواصلات پر حملہ کرتا تو ہمارے طیاروں کو جوابی کارروائی کے لیے وہاں تک پہنچتے پہنچتے بہت وقت گزر جاتا اور اس دوران دشمن اپنا وار کر کے واپس جا چکا ہوتا۔ جہاں تک آرمی کو امداد مہیا کرنے کا تعلق تھا، ایئر فورس نے صرف یہ وعدہ کیا تھا کہ ابتدائی مراحل

میں محدود پیمانے پر دیکھ بھال میں مدد ملے گی۔ البتہ حالات نے اگر اجازت دی تو ضرورت پڑنے پر فیصلہ کن لڑائیوں میں مجتمع ہو کر زیادہ سے زیادہ امداد فراہم کرے گی۔ مشرقی پاکستان میں فضائیہ کا صرف ایک ایف۔۸۶ (سیبر) سکواڈرن اور جنگی مقاصد کے لیے صرف ڈھاکہ کا ہوائی اڈہ تھا جو سول اڈے کا کام کرتا تھا۔ وہاں کوئی اور ہوائی اڈہ فوجی کارروائیوں کے لیے تیار نہیں کیا گیا تھا۔ اُدھر ہندوستان کی یہ حالت تھی کہ مشرقی محاذ پر اُس کے دس فضائی سکواڈرن اور اتنے ہی ہوائی اڈے تھے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک طیارہ بردار سمندری جہاز "وکرانت" بھی یہاں متعین تھا۔ اس طرح مشرقی پاکستان میں پاک فضائیہ کا ایک سکواڈرن ہر طرف سے خطرے میں گھرا ہوا تھا۔ خطرے سے قبل از وقت خبردار کرنے کا بھی کوئی بندوبست نہیں تھا۔ چنانچہ ہندوستان کے طیارے نیچے آ کر حملہ کرتے تو ہم اس کا جواب نہ دے سکتے تھے۔ ڈھاکہ میں جو نیچے نظر رکھنے والا ریڈار تھا وہ ناقابلِ فہم وجوہ کی بنا پر مغربی پاکستان پہنچایا جا چکا تھا۔ متحرک دیدبان تو پہلے ہی بگڑتے ہوئے سیاسی حالات کی بنا پر ہٹائے جا چکے تھے۔

بہرحال مشرقی پاکستان میں پاک فضائیہ کے اس واحد سکواڈرن نے اپریل ۱۹۷۱ء میں آرمی کو اس کی کارروائیوں میں مدد دی۔ ہندوستان کے حملے کے بعد صرف ایک فضائی جھڑپ ہوئی جب ۲۲ نومبر کے روز ہمارے تین سیبر طیارے جیسور میں زمینی فوج کی مدد کر رہے تھے کہ ہندوستان کے آٹھ طیارے اُن پر اچانک ٹوٹ پڑے۔ اس جھڑپ میں ہمارے دو سیبر طیارے ضائع ہو گئے اور ہندوستان کا ایک طیارہ تباہ ہوا۔

ہندوستان نے اپنا اصل ہوائی حملہ تو ۴ دسمبر کے روز کیا۔ اُس نے ڈھاکہ کے ہوائی اڈے پر اکیس حملے کیے۔ پاکستان ایئر فورس کے سکواڈرن نے اُن میں سے چھ حملوں کا مقابلہ کیا اور ہندوستان کے نو طیارے مار گرائے۔ ہمارے تین طیارے کام آئے۔ ہندوستان کے سات طیارے زمین سے فائر کر کے گرا لیے گئے۔ لندن

کے اخبار "ڈیلی ٹیلی گراف" نے اپنے ۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کے شمارے میں اس فضائی لڑائی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

"ہفتے کے روز دن کی روشنی میں ڈھاکہ کے ہوائی اڈے اور چھاؤنی پر جو فضائی معرکے ہوئے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتے تھے لیکن اس کی وضاحت آسان نہیں ہے کہ ان میں پاکستان کے دو طیاروں کے بالمقابل ہندوستان کے سولہ طیارے کیسے تباہ ہو گئے۔"

۵ دسمبر کے روز ہندوستان نے پھر اسی انداز سے حملے کیے لیکن کوئی زوردار جھڑپ نہ ہوئی۔ ۶ دسمبر کی صبح جب پاک فضائیہ کے طیارے کومیلا میں آرمی کو مدد دینے کی مہم سے واپس آئے تو ہندوستان نے شدید ترین فضائی حملہ کر دیا۔ ہوائی اڈے کے تمام رن وے پر بمباری کر کے بڑے بڑے گڑھے ڈال دیے۔ تمام تر کوششوں کے باوجود ان کی مرمت نہ ہو سکی۔ چنانچہ اس کے بعد کوئی طیارہ اڑ ہی نہ سکا۔ جب ڈھاکہ ہاتھ سے جاتا نظر آ رہا تھا تو ہمارے سولہ میں سے گیارہ بچے ہوئے طیاروں کو خود پاکستان ایئر فورس نے تباہ کر ڈالا کہ یہ دشمن کے ہاتھ نہ جا سکیں۔

مشرقی پاکستان کے خلاف انڈین ایئر فورس نے اڑھائی ہزار سے زیادہ حملے کیے۔ پاکستان ایئر فورس کے پانچ طیارے کام آئے۔ اس کے برعکس فضائی جھڑپوں میں اور زمینی فائر سے ہندوستان کے اٹھائیس طیارے تباہ ہوئے۔ اس طرح پاکستان ایئر فورس کے اس شجاع سکواڈرن کی کہانی اپنے انجام کو پہنچی۔ اس سکواڈرن نے اپنی تمام کمزوریوں کے ہوتے ہوئے اور حملہ کرنے کی کوئی صلاحیت نہ رکھنے اور فضائی دفاع کے لیے ناموافق حالات کے باوجود حسنِ کارکردگی کا اعلیٰ ثبوت دیا۔

مغربی پاکستان میں جنگ ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کو چھڑی۔ شام کے دھندلکے سے ذرا پہلے پاکستان آرمی حرکت میں آ گئی۔ اس سے ذرا پہلے پاک فضائیہ نے مغربی محاذ

پر پٹھان کوٹ، امرتسر، آدم پور اور سرینگر پر حملے کیے۔ رات کو اس نے دشمن کے دوسرے ہوائی اڈوں کو نشانہ بنایا۔ ان تمام حملوں میں پاک فضائیہ نے کل جتنے طیارے استعمال کیے، ان کی تعداد اٹھارہ سے چھبیس تک بنتی ہے۔ ان حملوں کا مقصد انڈین ایئر فورس کو اتنا نقصان پہنچانا تھا کہ وہ اپنی سرحد کے قریب کے منتخب اڈوں سے مغربی پاکستان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ یہ حملے اتنے چھوٹے پیمانے پر کیوں کیے گئے اور ان کے لیے یہ وقت کیوں منتخب کیا گیا کیونکہ شام کے وقت کے پہنچائے ہوئے نقصان کی رات کے اندھیرے میں آسانی سے مرمت کی جا سکتی ہے۔

ہندوستان کے دیگر اگلے ہوائی اڈوں میں سے اکثر پر ساری جنگ کے دوران پاکستان ایئر فورس نے دباؤ جاری رکھا اور دعویٰ کیا کہ ان میں سے کم از کم چھ ہوائی اڈوں میں انڈین ایئر فورس کو کوئی اقدام کرنے کے قابل نہیں چھوڑا گیا۔ بہرحال پاک فضائیہ نے جو کامیابی حاصل کی وہ معمولی اور عارضی نوعیت کی تھی۔ یہ پتہ نہیں چلا کہ ان حملوں سے ہندوستانی فضائیہ کا کوئی طیارہ زمین پر تباہ ہوا یا نہیں۔ اس ضمن میں پاکستان ایئر فورس نے کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ ہندوستان کا تو یہ کہنا ہے کہ زمین پر اس کا کوئی طیارہ تباہ نہیں ہوا۔ بہرحال مغربی محاذ پر پاک فضائیہ کا یہ اقدام محض دفاعی نوعیت کا تھا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ انڈین ایئر فورس اپنے اگلے اڈوں سے کوئی کام نہ لے سکے۔

۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کی شام کو ہندوستان کے سات ہوائی اڈوں پر جو حملہ کیا گیا تھا وہ انڈین ایئر فورس کے حرکت میں آنے سے پہلے ہی اس پر جھپٹ پڑنے کے مترادف تھا۔۔۔۔ انڈین ایئر فورس کسی ایک یا چند اڈوں میں سمٹی ہوئی نہیں تھی بلکہ ہوائی اڈوں میں قاعدے قرینے سے بکھری ہوئی تھی جہاں طیاروں کی حفاظت کے لیے کنکریٹ کے بہت مضبوط گھر بنے ہوئے تھے۔ ان کا فضائی دفاع بھی خوب منظم تھا۔۔۔۔ ریڈار لگے ہوئے تھے۔ طیارہ شکن توپوں کی

شست ریڈار متعین کرتا تھا اور زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائیل بھی تھے۔

پاک فضائیہ کے حملے کے کوئی اڑھائی گھنٹے کے اندر انڈین ائیر فورس کے کینبرا بمباروں نے سرگودھا، میانوالی، رفیقی، چندر، مرید اور رسالے والا کے ہوائی اڈوں پر حملہ کر دیا لیکن وہ ہمارا کوئی نقصان نہ کر سکے۔ چنانچہ ان ہوائی اڈوں میں پاک فضائیہ کی سرگرمیوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ ہندوستان کے بارہ کینبرا بمبار حملہ کرنے آئے تھے ان میں سے تین تباہ ہو گئے۔ دو کو زمین سے فائر کر کے اور ایک کو میراج نے مار گرایا۔

۴ دسمبر کے روز ہندوستان نے ایس۔ یو۔ سیون اور ہنٹر طیاروں کے ساتھ ۶۹ حملے کیے۔ اُن کا نشانہ ہمارے ہوائی اڈے ہی تھے۔ دن کے وقت دشمن کے دس طیارے تو فضائی جھڑپوں کی بھینٹ چڑھ گئے اور سات کو ہماری طیارہ شکن توپوں نے مار گرایا۔ بعد کے تین دنوں میں بھی ہمارے ہوائی اڈوں پر دشمن کا دباؤ پڑا رہا لیکن حملوں کی تعداد کم رہی۔ جنگ کے شروع کے چند ایام میں ہمارے فرض شناس ہوا بازوں کی مختصر سی جمعیت نے اپنی پیشہ وارانہ صلاحیتوں اور جرأت و شجاعت کا انتہائی اعلیٰ مظاہرہ کیا اور فضائی معرکوں میں انڈین ائیر فورس پر اپنی برتری ثابت کر دی۔ انہوں نے اپنی یہ نیک نامی جنگ کے باقی ایام میں بھی برقرار رکھی۔

ہندوستانیوں کو جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ انہوں نے اپنے مخصوص مدِمقابل کے چنے ہوئے اکھاڑے میں یعنی اُس فضا میں جہاں پاکستانی فضائیہ چاہتی تھی لڑائی چھیڑی تھی۔ اس غلطی کا احساس کر لینے کے بعد انہوں نے پاکستان کے مخصوص ہوائی اڈوں کے خلاف اپنی کارروائیاں بند کر دیں۔ یہاں منہ کی کھانے کے بعد انہوں نے اپنا پینترا بدلا اور اُن مقامات کو نشانہ بنانا شروع کیا جن کے دفاع کا کوئی انتظام نہ تھا۔ انہوں نے مواصلات کے مرکزوں، اہم صنعتوں اور بین الاقوامی سرحد

کے قریب واقع قصبوں کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا جو پاکستان ائیر فورس کی کارگر جوابی زد سے باہر تھے۔ ہماری فضائیہ نے جو دفاعی حکمتِ عملی اختیار کی تھی دراصل اس نے انڈین ائیر فورس کو کھلی چھٹی دے دی کہ وہ پاکستان کے سلسلۂ مواصلات میں مزاحم ہو، فوجی اہمیت کے مقامات کو نشانہ بنائے اور اگلے علاقوں میں پاکستانی فوجوں پر برابر دباؤ ڈالتی رہے۔ اس سے جو صورتِ حال پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ پاک فضائیہ کو اپنے مخصوص اڈوں کے اُوپر تو مکمل فضائی برتری حاصل تھی لیکن انڈین ائیر فورس بلا کسی روک ٹوک کے پاکستان کے اگلے علاقوں اور سرحد کے ساتھ ساتھ مواصلات کے اہم سلسلوں پر حملے کر سکتی تھی۔

حالات انڈین ائیر فورس کے لیے سازگار تھے اور اُس نے خاصی کامیابی حاصل کر لی۔ پاکستان کے پاس اتنے ریڈار نہیں تھے کہ ساری سرحد کے ساتھ ساتھ لگائے جا سکتے۔ پاک فضائیہ کے جو مشرقی پاکستانی افراد غداری کر کے ہندوستان سے مل گئے تھے، انہوں نے ہندوستان کو بتا دیا کہ پاکستان میں کہاں کہاں ریڈار نہیں لگے ہوئے۔ پاکستان کے مواصلات کے سلسلے بھی اتنے کمزور تھے کہ وہ ہندوستان کے خطرے کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ حقیقت غالباً یہ ہے کہ پاکستان کے وسائل محدود تھے۔ چنانچہ وہ اپنے سلسلۂ مواصلات کے لیے کچھ زیادہ نہ کر سکتا تھا سوائے اس کے کہ اس نے ایک مختلف تدبیر کے ذریعے بالواسطہ طور پر کچھ کیا۔ کہا جاتا ہے کہ روسیوں نے انڈین ائیر فورس کا مورال بحال کرنے کے لیے ہندوستان کو اپنی حکمتِ عملی بدلنے کا مشورہ دیا تھا کہ وہ پاکستان ائیر فورس کی بجائے پاکستان کے نظامِ مواصلات اور اہم صنعتوں کو تباہ کرے۔

آخری بات یہ ہے کہ پاکستان ائیر فورس کو ملک کے اندر دُور دُور تک دفاع پر مامور کیا ہوا تھا اور وہ آگے بڑھ کر مزاحم ہونے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔ کمانڈر انچیف پاکستان ائیر فورس نے کمان کی مرکزیت پر زیادہ ہی زور دیا تھا اور اپنے ماتحتوں کو اپنی صوابدید پر کارروائی کرنے کا بہت کم اختیار دیا تھا۔ بعض اسلحہ کے

استعمال کی ممانعت کر دی گئی تھی جس سے اس ضمن میں ہوابازوں کو صوابدید کا کوئی اختیار نہ رہا تھا۔ کمانڈر انچیف کی پیشگی منظوری کے بغیر مشکل ہی سے کوئی کارروائی کی جاسکتی تھی۔ جہاں مواقع بڑی تیزی سے گزر جاتے ہیں، اس قسم کی پابندیاں امداد کی بجائے رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ اگر کبھی اتنا وقت ہوتا تھا کہ کسی اقدام کے لیے کمانڈر انچیف پاکستان ایئر فورس سے منظوری حاصل کی جاسکتی اور پھر وہ اقدام کیا بھی جاسکتا تو کمانڈر انچیف ہمیشہ کہیں اور مصروف ہوتے۔

منجملہ دیگر وجوہ کے یہ بھی ایک وجہ تھی کہ ہمارے عوام بالخصوص لاہور اور کراچی کے عوام جو ۱۹۶۵ء کی جنگ میں اپنی چھتوں پر چڑھ کر فضائی معرکے دیکھنے اور شاباشش کے نعرے لگانے کے عادی ہو چکے تھے، اب نہایت بے بسی کے عالم میں انڈین ایئر فورس کو بلاخوف و خطر ہمارے شہروں پر آگ برساتے دیکھتے تھے۔ چنانچہ اس صورتِ حال نے ہمارے مصیبت زدہ عوام کی نظروں میں پاکستان ایئر فورس کی قدر گھٹا دی۔

جنگ میں ایسا مرحلہ آگیا تھا کہ پاکستان ایئر فورس ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیکار بیٹھی تھی۔ وہ سمجھ نہیں سکتی تھی کہ کیا کرے۔ اب اس نے زمینی کارروائیوں میں خود اپنے اصل منصوبے سے زیادہ وسیع پیمانے پر مدد دینی شروع کر دی لیکن یہاں بھی ایک خامی حائل ہوگئی۔ وہ یہ کہ پاکستان ایئر فورس لڑائی کے میدانوں سے بہت دور ہوائی اڈوں پر متعین تھی۔ راجستھان میں پاکستان آرمی کے نمبر ۱۸ ڈویژن کو اور کراچی کے علاقے میں پاکستان نیوی کو جو نقصان اٹھانا پڑا اس کی زیادہ تر وجہ یہی تھی کہ ان اڈوں میں متعین ہونے کی وجہ سے پاکستان ایئر فورس مغربی پاکستان کے اس جنوبی خطے میں زمینی اور سمندری لڑائیوں میں کوئی مؤثر قسم کی مدد نہ دے سکی۔

مغربی محاذ پر دو ہفتے کی جنگ کے دوران پاکستان آرمی کی براہِ راست مدد اور دشمن کو پاؤں جمانے سے روکنے کے لیے فضائیہ نے تین سو چھ مشن

کیے۔ یہ امدادی مشن دن اور رات دونوں وقت بھیجے گئے۔ ان میں ٹی-۳۳ تربیتی طیاروں سمیت ہر قسم کے ہوائی جہاز استعمال کیے گئے۔ ان مشنوں کا اصل مقصد دشمن کی بکتر بند گاڑیوں، دوسری گاڑیوں، توپخانے کی پوزیشنوں، سپاہیوں کے جھمگٹوں، ریل گاڑیوں، فوجیں اور گولہ بارود لے جاتی ہوئی موٹر گاڑیوں کے قافلوں، گولہ بارود کے گوداموں، تیل پٹرول کے ذخیروں اور جنگی علاقوں میں ریل کی پٹڑیوں کو تباہ کرنا تھا۔

۵ دسمبر کے روز اکھنور اور ۸ دسمبر کے روز فیروزپور میں دشمن کے گولہ بارود کے ذخیروں پر پاکستان ایئر فورس کے ہوائی حملے بہت کامیاب رہے۔ دشمن کا راستہ کاٹنے کے مشنوں میں بھٹنڈہ اور گورداسپور کے ریلوے سٹیشنوں پر جو فضائی حملے کیے گئے وہ بھی بہت کامیاب رہے۔ مکریاں اور بارمیر پر بھی فضائی حملے نتیجہ خیز رہے۔ ۱۵ دسمبر کے روز گورداسپور کے نزدیک مکریاں (ضلع ہوشیارپور) میں گولہ بارود کی ریل گاڑی پر فضائی حملے کے دوران ہمارے دو میراج طیاروں کے بہادر ہواباز دشمن پر کاری ضرب لگانے کے لیے ریل گاڑی کے بالکل قریب چلے گئے۔ گاڑی اتنے زبردست دھماکے سے پھٹی کہ اس کا ملبہ چار سو فٹ تک اور شعلے کوئی ڈیڑھ ہزار فٹ تک چلے گئے۔ اس ریل گاڑی کے جو ٹکڑے اڑے اُن میں سے ایک ہمارے میراج کو لگا اور اُسے خاصا نقصان پہنچا۔ بارمیر ریلوے سٹیشن پر دشمن کی فوج کے جمگھٹے پر کامیاب فضائی حملہ کیا گیا جس سے دشمن کو بہت زیادہ نقصان پہنچا۔

لیکن تینوں افواج (آرمی، نیوی، ایئر فورس) کے درمیان کوئی ارتباط نہیں تھا۔ پاک فضائیہ خود ہی سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کر لیتی کہ اُسے دشمن کی راہ کاٹنی ہے۔ اس کارروائی کے لیے نہ پہلے سے کوئی منصوبہ بندی کی جاتی تھی اور نہ ہی ان کارروائیوں کی کامیابیوں سے کوئی فائدہ اُٹھایا جاتا تھا۔ زمین پر کارروائیوں کی مدد کے لیے ایئر فورس استعمال تو کی گئی لیکن اس سے بہترین نتائج حاصل نہ کیے جاسکے کیونکہ

ایک تو آرمی اور ایئر فورس میں کوئی خاص رابطہ نہ تھا۔ دوسرے ان دونوں عساکر میں مشترکہ تربیت اور مشترکہ منصوبہ بندی کا فقدان تھا۔ جنگ کے ابتدائی چند ایام کے بعد پاک فضائیہ اس قابل ضرور تھی کہ آرمی کو وسیع پیمانے پر مدد دے سکے لیکن اس مدد کو استعمال کرنے کے لیے آرمی کے پاس تربیت یافتہ افراد نہیں تھے۔ ہوائی کنٹرول ٹیمیں نہیں تھیں۔ جو تھوڑا بہت پیش کنٹرول کا انتظام تھا وہ بھی موزوں نہیں تھا۔ آرمی کے افسروں کی ایک اچھی خاصی تعداد نے پیش ہوائی کنٹرول کی تربیت حاصل کر رکھی تھی لیکن انہیں بغیر سوچے سمجھے یونٹوں اور فارمیشنوں میں لگا دیا گیا۔

پاک فضائیہ کو سمندری جنگ میں مدد دینے کے لیے بالکل تیار نہیں کیا گیا تھا۔ چنانچہ جنگ میں سمندر کی فضائی نگرانی مجبوراً پی۔ آئی۔ اے اور سول فضائیہ کے طیاروں سے کرائی گئی۔ جنگ کے دوران پی۔ آئی۔ اے کے طیاروں نے اُنسٹھ اور سول فضائیہ کے طیاروں نے اڑسٹھ پروازیں کیں۔ اس میں ہمارا ایک فوکر طیارہ ضائع ہو گیا۔

پاک فضائیہ نے اوکھا میں ہندوستان کی میزائیل بردار کشتیوں کی بندرگاہ پر بی۔۵۷ بمبار طیاروں سے حملہ کیا جس میں بندرگاہ کی چند ایک تنصیبات جل گئیں۔ یہ کارروائی تاخیر سے کی گئی تھی۔ جب نیوی نے کہا تھا اس سے بہت بعد میں کی گئی۔ ہندوستان کی میزائیل بردار کشتیاں بندرگاہ سے نکل کر سمندر میں جا چکی تھیں۔ ۹ اور ۱۰ دسمبر کے روز یہاں پھر فضائی حملے کیے گئے جن سے کچھ اور تنصیبات اور تیل کے دو بڑے ٹینک جل گئے۔ سمندری جنگ میں مدد کے لیے فضائیہ نے آخری حملہ چند ایف۔۱۰۴ طیاروں سے کیا۔ انہیں انڈین نیوی کا ایک آبدوز شکن طیارہ الائز ALIZE نظر آیا جو انہوں نے مار گرایا۔

کراچی پر ہندوستان کے فضائی حملوں کے بعد لوگ حیران تھے کہ پاکستان

ایئر فورس نے بمبئی کی بندرگاہ پر کیوں حملہ نہیں کیا۔ ہندوستان نے کراچی میں غیر فوجی مقامات پر جو فضائی حملے کیے تھے اُس کے جواب میں ہماری فضائیہ بمبئی پر حملہ نہ کر سکی تھی۔ ایسا ضرور کرنا چاہیے تھا خواہ وہ نفسیاتی اسباب کی بنا پر کیوں نہ ہوتا لیکن ہماری فضائیہ نے موقعہ ہاتھ سے گنوا دیا۔ اس کے لیے پاکستان ایئر فورس نے یہ عذر پیش کیا کہ ہم صرف رات ہی کے وقت بمبئی پر فضائی حملہ کر سکتے تھے لیکن اس سے فوجی نوعیت کا کوئی فائدہ حاصل ہونے کا یقین نہیں تھا۔ اس لیے ان حالات میں ہندوستان کی طرف سے یہ اعلان حیران کن تھا کہ پاکستان ایئر فورس نے بمبئی پر حملہ کیا۔ یہی نہیں بلکہ ہندوستان نے اپنے نقصان کی کہانیاں بھی سنائیں۔

پاکستان ایئر فورس نے مغربی پاکستان کے اڈوں سے ہندوستان پر دن کے وقت ایک سو ستاون اور رات کے وقت ایک سو چونتیس حملے کیے۔ پاکستان آرمی کو مدد دینے کے لیے نو سو بائیس پروازیں کیں جن میں دن اور رات کے وقت دشمن کی تصویریں لینے کی پروازیں بھی شامل ہیں۔ پاکستان نیوی کو مدد دینے کے لیے ہندوستان کے ستائیس پھیرے کیے۔ اس عرصے میں اپنے فضائی اڈوں اور جنگی اہمیت کے مقامات کے فضائی دفاع کے لیے ہماری فضائیہ نے ایک ہزار پانچ سو انچاس پروازیں کیں۔ فضائی باربرداری، پیغام رسانی اور کمان کے لیے ایک سو چھپن پروازیں کیں۔ اس طرح ۳ دسمبر کا سورج ڈوبنے سے لے کر ۱۷ دسمبر کے پانچ بجے شام تک پروازوں کا کل میزان دو ہزار نو سو چودہ (۲۹۱۴) تک پہنچ گیا یا دوسرے لفظوں میں ہماری فضائیہ نے اوسطاً دو سو آٹھ سے زیادہ پروازیں روزانہ کیں۔

جب ہم اس حقیقت پر نظر ڈالتے ہیں کہ ساری جنگ کے دوران تقریباً چار سکواڈرن استعمال ہی نہیں کیے گئے تو ہماری فضائیہ کی مندرجہ بالا کارکردگی یقیناً قابلِ تعریف ہے۔ یہ چار سکواڈرن زمینی متوقع بڑی لڑائیوں کے لیے الگ رکھ

لیے گئے تھے لیکن انہیں محفوظ کر لینا کسی اعتبار سے بھی درست نہیں تھا۔ سازگار فضائی صورتِ حال زمین پر یلغار کرنے سے پہلے حاصل ہونی چاہیئے تھی نہ کہ بعد میں۔

اس جنگ میں ہندوستان کے جو طیارے تباہ ہوئے اُن کی تعداد پاکستان ائیر فورس کے دعوے کے مطابق ایک سو اکتالیس تھی۔ ان میں ہندوستان کے وہ طیارے بھی شامل ہیں جو زمین سے فائر کر کے گرائے گئے۔ بہر حال ایک سو چار کے تباہ ہونے کی تصدیق ہو چکی ہے۔ بائیس کو نقصان پہنچا تھا۔ ہندوستان کے تباہ شدہ طیاروں میں سب سے زیادہ تعداد ایس یُوسیون کی ہے، جو چوالیس ہے۔ ان کے بعد ہنٹر آتے ہیں جن کی تعداد تینتالیس ہے۔ پھر انیس کینبرا، آٹھ مگ ۲۱، پانچ۔ ایچ۔ ایف ۲۴، تین نیٹ، تین مسٹیر، ایک فضائی دیدبان کا طیارہ، ایک آبدوز شکن الائز، ایک ایم۔ آئی۔ ۸ اور تیرہ متفرق جیٹ طیارے۔ اس تعداد میں انڈین ائیر فورس کے وہ دو طیارے شامل نہیں جو اُس کے اڈوں پر رات کے وقت پاک فضائیہ کے حملوں میں تباہ ہوئے۔

پاک فضائیہ کے کُل پندرہ طیارے تباہ ہوئے جن میں سے دس فضائی معرکوں میں کام آئے اور پانچ کو انڈین ائیر فورس کے اڈوں اور لڑائی کے میدانوں سے دشمن نے زمین سے فائر کر کے گرایا۔ ہمارے زیادہ تر سیبر طیارے تباہ ہُوئے۔ کوئی میراج طیارہ ضائع نہیں ہُوا۔ اس تعداد میں وہ چار طیارے شامل نہیں جو حادثوں میں تباہ ہوئے اور نہ ان میں وہ گیارہ طیارے شامل ہیں جو ڈھاکہ میں پاک فضائیہ نے خود تباہ کیے۔

پاک فضائیہ نے جو دفاعی حکمتِ عملی اختیار کی تھی اور اپنی قوت محفوظ رکھنے کے لیے جو انتہائی بے تابی دکھائی تھی اس کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ جب ۱۷ دسمبر کو

جنگ بندی کا اعلان ہُوا تو ہندوستان کو پاک فضائیہ کی طرف سے خطرہ اتنا ہی شدید تھا جتنا جنگ چھڑنے کے وقت تھا۔ ہمارے ہوابازوں کی تعداد بھی بڑھ گئی تھی کیونکہ ریٹائرڈ افراد کو نوکری پر بُلا لیا گیا تھا اور کچھ نئے تربیت یافتہ ہواباز لڑاکا سکواڈرنوں میں آ گئے تھے۔ اگر جنگ کے آغاز میں ہماری فضائیہ کے پاس اڑھائی سو طیارے تیار تھے تو ۱۷ دسمبر کو ان کی تعداد دو سو اکاون ہو گئی تھی۔ ہمارا جو نقصان ہُوا وہ طیاروں کی اُس مختصر سی تعداد سے پورا کر لیا گیا جو محفوظ رکھی گئی تھی۔

ہمارے تمام ہوائی اڈے جنگ کے لیے ہر طرح تیار اور آراستہ تھے۔ اس طرح پاک فضائیہ اپنے دفاع کے علاوہ آرمی کے کسی حملے میں بھی معقول امداد دینے کی قابلیت رکھتی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہماری فضائیہ کے ہوابازوں اور زمینی عملے کے حوصلے انتہائی بلند تھے اس لیے جنگ بندی ہونے پر انہیں جو مایوسی ہوئی وہ بہت ہی تلخ تھی۔ اُن کی ہائی کمان نے جنگ کا جس طرح مقابلہ کیا تھا اُس پر انہیں شدید رنج تھا اور اُن کا احساس یہ تھا کہ اُن کی ہائی کمان نے اُن کا ساتھ نہیں دیا۔

پاک فضائیہ کی تعداد میں کمی، اس کے ریڈار کے نظام کا بہت ہی ناکافی ہونا اور دشمن کو اس امر کی خبر کہ کہاں کہاں ہمارے ریڈار نہیں لگے ہوئے، ان سب پہلوؤں کو دیکھتے ہوئے پاکستان ائیر فورس کے ہوابازوں اور عملے کے انفرادی کارنامے بہت اعلیٰ معیار کے تھے۔ ایسے اعلیٰ معیار کے کہ جن پر دنیا کے کسی بھی ملک کی ائیر فورس بجا طور پر فخر کر سکتی ہے لیکن پاکستان کے عوام کو چونکہ فضائی جنگ کی خصوصیات کی سمجھ نہیں اس لیے وہ اپنی فضائیہ کی کارگزاری پر خوش نہیں ہیں۔ اُن کے ذہنوں میں ۱۹۶۵ء کی جنگ کی یاد تازہ تھی، اس لیے وہ ۱۹۷۱ء کی جنگ میں اس سے بہتر کارکردگی کی توقع رکھتے تھے۔ اگر اس جنگ میں پاکستان ائیر فورس کو نمایاں کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور وہ قوم کی توقعات پر

پوری نہیں اُتری تو اس کی کچھ وجوہ تھیں ۔ سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ ہائی کمان کی طرف سے اُسے کیسی ہدایات ملتی رہیں ۔ کمانڈر انچیف پاکستان ایئر فورس نہ منصوبہ تیار کرنے میں اور نہ فضائی کارروائی میں کوئی پُرتخیل راہنمائی کر سکے ۔ تدبیرات اور تزویرات دونوں ہی کے لحاظ سے پاک فضائیہ کو دفاع پر ہی رکھا گیا ۔ اسے ملک کے اندر دُور دُور تک متعین تو کیا گیا لیکن بہت تھوڑی تعداد میں ۔ چنانچہ یہ اپنا دفاع تو کر سکتی تھی لیکن یہ نہیں کر سکتی تھی کہ دشمن پر خود جھپٹ پڑے ۔

جب مغربی محاذ پر جنگ کے تین روز بعد، دسمبر کو ہندوستان نے اپنی فضائی تدبیر بدلی تو ہماری ایئر فورس اس مختصر جنگ کے دوران دشمن کے نئے خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی تدبیر بدلنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھی، لہٰذا بے بس بیٹھی دیکھتی رہی ۔ اس کے علاوہ اس میں کمان کی بہت زیادہ مرکزیت رکھی گئی تھی ۔ اس لیے سارا عرصہ اس کے ہاتھ پاؤں بندھے رہے ۔

اس نے اپنی جنگی استعداد کا صرف تقریباً آدھا حصہ استعمال کیا ۔ جہاں تک تینوں عساکر کے درمیان تعاون کا تعلق ہے، پاکستان ایئر فورس نے سمندری جنگ میں مدد دینے کی کوئی صلاحیت حاصل نہیں کی تھی ۔ چنانچہ اس نے پاکستان نیوی کو کوئی نتیجہ خیز مدد بہم نہیں پہنچائی ۔ البتہ اُس نے آرمی کو بہت مدد دی مگر یہاں بھی رابطہ، مشترکہ تربیت اور مشترکہ منصوبہ بندی کے فقدان نے اس مدد سے کچھ حاصل نہ ہونے دیا ۔ واقعہ یہ ہے کہ ہماری آرمی کو اس کی کافی تربیت ہی نہیں دی گئی تھی کہ فضائیہ سے کیونکر زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے ۔

○ (بصد شکریہ "پاکستان کا المیہ ۔ ۱۹۷۱ء")

ہلواڑہ کی شفق

چھ ستمبر ۱۹۶۵ء کا سورج غروب ہو رہا تھا ۔ آسمان گرد آلود اور شفق دھندلی دھندلی سی تھی ۔ پاک فضائیہ کے تین سیبر طیارے گونجتے گرجتے دشمن کے علاقے پر اُڑے جا رہے تھے ۔ ان کے لیڈر کے طیارے کے ریڈیو پر کسی کی آواز سنائی دی ۔۔
"رفیقی! یہ تم ہو؟ ..... ذرا ہوشیار ہو کے بھائی! دشمن کے کچھ لڑاکا طیارے فضا میں ہیں ۔"

پاک فضائیہ کے چند ہوا باز دشمن کے کسی ٹھکانے پر حملہ کر کے لوٹ رہے تھے ۔ یہ اُن کے لیڈر کی آواز تھی ۔ وہ رفیقی (تین سیبر طیاروں کے لیڈر) کو خبردار کر رہا تھا کہ دشمن اپنی فضا میں چوکس ہے، ذرا ہوشیار رہنا ۔ لیکن رفیقی اس انتباہ سے ذرا بھر نہ جھجکا ۔ وہ نڈر شاہباز تھا، خوب جانتا تھا کہ وہ دشمن کے ہوائی اڈے پر حملہ کرنے جا رہا ہے اور دشمن کے ہوا باز مقابلے کے لئے یقیناً موجود ہوں گے ۔ دشمن کوئی ایسا مُردہ بھی تو نہیں تھا کہ اپنے اڈے کی تباہی کا چپکے سے تماشا کرتا رہے گا ۔ رفیقی کے ذہن میں صرف تین چیزیں تھیں ۔۔ ٹارگیٹ اور اپنے دو ساتھی جو اُس کے ساتھ پُرجوش انداز میں اُڑے جا رہے تھے ۔۔ ایک طرف فلائٹ لفٹیننٹ یونس حسن اور دوسری طرف سیسل چوہدری کا طیارہ تھا ۔ یہ اُس دن کا آخری مشن تھا اور دشمن کی فضا میں پاک فضائیہ کے یہی تین طیارے تھے ۔ دشمن ان کی موجودگی سے یقیناً باخبر تھا ۔ ان ہوا بازوں کو بھی توقع نہیں تھی کہ وہ دشمن کو بے خبری میں جا لیں گے ۔

ان کا ٹارگیٹ (ہدف) جالندھر سے چالیس میل جنوب میں ہلواڑہ کا ہوائی اڈہ

تھا. لمحہ بہ لمحہ آسمان کی دُھندلاہٹ گہری ہوتی جا رہی تھی. زیادہ دور تک کچھ نظر نہ آتا تھا. وہ ٹارگیٹ کے قریب پہنچے تو فلائٹ لفٹیننٹ سیسل چوہدری کو ذرا پرے دشمن کے ٹرانسپورٹ طیارے اُڑتے نظر آئے. اس نے اپنے لیڈر سکواڈرن لیڈر رفیقی کو بتایا تو رفیقی بولا ۔۔ "رہنے دو انہیں. ایک آدھ منٹ میں ہمیں اس سے بہتر کام کرنا ہے"۔

تینوں ہوا باز آنکھیں سکیڑ سکیڑ کر شام کے دُھندلکے میں آسمان میں دشمن کے طیاروں کو ڈھونڈ رہے تھے. جب وہ ٹارگیٹ پر پہنچے تو سورج کی آخری کرن آسمان کی دُھندلی نیلاہٹ میں تحلیل ہو چکی تھی. پاک فضائیہ کے ان شاہبازوں نے یوں نیچے دیکھا جیسے باز اپنے شکار کو دیکھ رہا ہو. لیکن شام اتنی گہری ہو گئی تھی کہ زمین پر کوئی چیز پہچانی نہیں جاتی تھی. انہیں فضائی اڈے پر حملہ کرنا تھا لیکن رفیقی نے اپنے ہوا بازوں کو وائرلیس پر کہا ۔۔ "چلو بھئی! لوٹ چلیں. اندھیرا کچھ کرنے نہ دے گا."

ان کے دل بوجھل ہو گئے. وہ بددل ہو کر واپس ہونے لگے اور تینوں طیارے بیک وقت گھوم آئے. انہوں نے موڑ سے سیدھے ہو کر واپسی کا کورس سیٹ کیا ہی تھا کہ دشمن کے ہنٹر طیاروں کا ایک گھنا غول ان پر ٹوٹ پڑا. ہنٹر دو دو کی ترتیب میں ایک دوسرے کے پیچھے چلے آ رہے تھے.

رفیقی وائرلیس پر چلایا ۔۔ "ٹینکیاں پھینک دو." ۔۔ تینوں طیاروں کے پَروں تلے لگی ہوئی تیل کی فالتو ٹینکیاں، بیک وقت پَروں سے الگ ہو کر فضا کی دُھند میں غائب ہو گئیں. (طیاروں کی تیل کی ٹینکیاں مستقل طور پر پروں کے اندر ہوتی ہیں جن کے ارد گرد چمڑے اور ربڑ کی تہیں جمی ہوتی ہیں. اگر انہیں گولی لگ جائے تو گولی کا سوراخ از خود بند ہو جاتا ہے. لمبی پرواز کے وقت پروں کے نیچے دو اور ٹینکیاں ۔۔ ایک اِدھر ایک اُدھر ۔۔ لگا دی جاتی ہیں لیکن یہ مستقل ٹینکیوں کی طرح محفوظ نہیں ہوتیں. جب فضا میں دشمن سے مقابلہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے ان فالتو ٹینکیوں کو گرا دیا جاتا ہے. پائلٹ کاک پٹ میں ایک لیور کھینچتا ہے اور دونوں ٹینکیاں گر جاتی ہیں. ان کے الگ ہونے سے ایک تو خطرہ کم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ ٹینکیاں

گولی سے محفوظ نہیں ہوتیں. دوسرے یہ کہ طیارے کا وزن کم ہو جاتا ہے اور تیسرے یہ کہ طیارے کی نقل و حرکت اور رفتار میں تیزی اور پھرتی آ جاتی ہے. ہوا باز لمبی پرواز پر پہلے فالتو ٹینکیوں کا تیل استعمال کرتے ہیں).

رفیقی اور اس کے دونوں ہوا بازوں نے دشمن کو دیکھ کر فالتو ٹینکیاں پھینک دیں اور فضائی معرکے کے لئے تیار ہو گئے. فلائٹ لفٹیننٹ سیسل چوہدری سناتا ہے جب میں نے دشمن کے پہلے دو ہنٹر طیارے دیکھے تو یونس لیڈر سے کہہ رہا تھا ۔۔ 'لیڈر! چلو ان سے دو دو ہاتھ کریں. نمبر ۲ (یعنی میں) دور پیچھے ہے. تم پہلے کو لے لو اور دوسرے کو میں سنبھال لیتا ہوں' ۔۔ میں ان سے دُور تھا. میں لیڈر کی حفاظت کے لئے اُس کے طیارے کے عقب میں چلا گیا اور اُسے کہا ۔۔ 'لیڈر! تمہارا عقب محفوظ ہے'. LEADER, YOUR TAIL IS CLEAR (فضائی جھڑپ میں ہوا باز لڑنے کے علاوہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک دوسرے کے عقب کو دیکھتے رہیں تاکہ دشمن کا کوئی طیارہ کسی ساتھی پر بے خبری میں نہ جھپٹ پڑے. طیارے کو مارنے کے لئے ہمیشہ پیچھے سے حملہ کیا جاتا ہے. یہی وجہ ہے کہ حریف ایک دوسرے کے پیچھے ہونے کی کوشش میں ہلکان ہوتے رہتے ہیں).

سیسل چوہدری بتاتا ہے ۔۔ "یونس تو الگ ہو چکا تھا اور میں جونہی رفیقی کے عقب میں پہنچا وہ کمال پھرتی سے دشمن کے ایک طیارے کے پیچھے ہو کر اُسے شست میں لے چکا تھا. دوسرے ہی لمحہ اُس کی مشین گنوں نے بکتر شکن ARMOUR PIERCING اور آتش گیر INCENDIARY گولیوں کی بوچھاڑ اُگل دی. دشمن کا طیارہ دور نہیں تھا. رفیقی کی گولیاں اُس کی باڈی اور انجن میں جا بیٹھیں اور بھارت کا تاریکی مائل آسمان مہیب قرمزی شعلے سے چمک اُٹھا. ایک دھماکہ ہوا اور دشمن کے ایک طیارے کے لال انگا پرخچے شام کی بڑھتی ہوئی تیرگی میں بکھر کر جالندھر کی دھرتی پر گرنے لگے ....

"اس شعلے اور دھماکے نے چند لمحوں کے لئے ایسا منظر پیش کر دیا کہ میں لمحہ بھر کے لئے سُن ہو گیا. معاً خیال آیا کہ یہ بھارتی ہوا باز جو اپنے طیارے کے ساتھ ہی بھسم

ہوگیا ہے۔ اُسی قوم کا ہوا باز تھا جس نے اُسی دن کی صبح پاکستان پر بے خبری میں یلغار کر دی تھی۔ اس خیال نے میرا خون گرما دیا اور میں نے پُر لطف سا سکون محسوس کیا۔ یہ غالباً پاک فضائیہ کی ضرب کاری کا سکون تھا ۔ ۔ ۔ ۔

"میں چوکس ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ ہم تین تھے اور دشمن کی تعداد ہم سے تین گنا تھی۔ معرکہ عروج پر تھا۔ میں لیڈر کے عقب میں تھا۔ دائیں طرف مجھے یونس نظر آیا۔ کوئی ایک سو گز دُور، وہ دشمن کے ایک طیارے کے پیچھے لگا ہوا تھا — کیا منظر تھا! — کہاں پُرانے زمانے کا سُست رفتار سیبر، اور کہاں جدید قسم کا تیز رفتار ہنٹر۔ ممولا ایک گِدھ کو آگے لگائے ہوئے تھا۔ یہ سیبر کی قوت نہیں یونس کا جذبہ تھا۔ میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ فضائی معرکوں میں طیارے نہیں بلکہ طیاروں کے ہوا باز لڑا کرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔

"میں یونس حسن کا تعاقب۔ دیکھ ہی رہا تھا کہ آسمان کے گہرے دُھندلکے سے، دائیں طرف سے، دو ہنٹر ہم پر جھپٹ پڑے۔ رفیقی نے مجھے 'کانٹیکٹ' CONTACT کہہ کر خبردار کیا اور تیزی سے رول کر گیا۔ میں اُس کی دُم کے ساتھ چپکا رہا۔ رفیقی کا یہ پینترا ایسا کامیاب تھا کہ دشمن کے طیارے جو ہم پر جھپٹے تھے اب ہمارے آگے تھے اور ہم ان کے عقب میں۔ ہم پر جھپٹنے والے اب ہمارے جھپٹے سے بچنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے لیکن یُوں نظر آیا جیسے کسی نے بھِڑوں کے چھتّے کو چھیڑ دیا ہو۔ بے شمار ہنٹر طیارے جانے کدھر کدھر سے آکر ہمارے گرد غرّانے لگے۔ میں نے لیڈر کو خبردار کیا تو اُس نے کہا — "تم ذرا میرے عقب کا خیال رکھنا، ہم انہیں چُن چُن کر ماریں گے" — رفیقی کی آواز میں گھبراہٹ نہیں تھی، عزم تھا۔ وہ یوں بات کر رہا تھا جیسے دشمن کے طیارے مشین گنوں کے بغیر لڑنے آئے ہوں۔ رفیقی کی پُرعزم آواز نے ہمارے دلوں میں نئی روح پھونک دی اور میں اعتماد سے محسوس کرنے لگا کہ ہم اتنے سارے طیاروں سے یقیناً نپٹ لیں گے، ورنہ ہم دو ہوا باز دشمن کے اس قدر طیاروں میں گھرے ہوئے تھے جنہیں میں گن بھی نہ سکتا تھا ۔ ۔ ۔ ۔

"رفیقی نے صرف کہا ہی نہیں تھا بلکہ کر کے بھی دکھا دیا تھا۔ وہ بِھڑوں کے

بھرے ہوئے غول میں دو کے پیچھے ہو گیا۔ اُس نے بیک وقت دو ہنٹر طیاروں کو زد میں لے لیا تھا۔ جب وہ اس کے رینج میں آگئے تو رفیقی نے گنوں کا بٹن دبا دیا — لیکن مشین گنیں خاموش رہیں۔"

رفیقی نے جانے کتنی بار فائرنگ بٹن دبایا ہوگا لیکن اُس کی مشین گنیں جام ہو گئی تھیں۔ اب وہ دشمن کے نرغے میں نہتہ تھا۔ دشمن کی فضا میں معرکہ عروج پر ہو اور ہوا باز کا اسلحہ بے کار ہو جائے تو اُس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ اُس کے سوا اور کسے ہو سکتا ہے۔ رفیقی کے لئے اب ایک ہی راستہ تھا کہ وہ اِس معرکے سے نکل آتے اور اپنے آپ کو بھی اور طیارے کو بھی بچا لائے۔ مشین گنوں کے بگڑ جانے کی صورت میں وہ واپس آ جانے میں حق بجانب تھا لیکن رفیقی جنگجو تھا، پاک فضائیہ کا ہوا باز تھا بھارتی نہیں تھا، پاکستانی جانباز تھا۔ اسے ساتھیوں کو دشمن کے نرغے میں چھوڑ کر آ جانا کسی قیمت پر گوارا نہ تھا۔

"میری گنیں جام ہو گئی ہیں چوہدری!" — رفیقی نے چوہدری کو وائرلیس پر کہا "تم میرے آگے آجاؤ۔ میں تمہیں عقب سے 'کور' کروں گا" — رفیقی نے طیارہ ایک طرف کر لیا اور چوہدری نے اُس کی جگہ لے لی — آہ، یہ جان لیوا فیصلہ رفیقی ہی کر سکتا تھا!

اپنے لیڈر کے اس دلیرانہ فیصلے سے چوہدری کا حوصلہ کیوں نہ بڑھتا — چوہدری تو پہلے ہی 'کریک پائلٹ' تھا اور اب تو لیڈر نے اُسے اپنی جگہ دے دی تھی۔ چوہدری نے اپنے طیارے کو ایسے داؤ پر گھمایا کہ ہنٹر طیارے کے عقب میں ہو گیا۔ اس کے ساتھی ہنٹروں نے چوہدری کے جھپٹے سے بچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارے لیکن چوہدری نے ان میں سے ایک کو شست GUN SIGHT میں لے لیا۔

چوہدری کہتا ہے — "جونہی وہ میرے رینج میں آیا، میری چھ کی چھ مشین گنوں کی ایک ہی بوچھاڑ اُس کے پَر والی تیل کی ٹینکی میں لگی اور دھوئیں کا بادل اُٹھنے لگا۔ پلک جھپکتے ہنٹر کا ہوا باز طیارے سے کود گیا۔ میں نے اُس کے پیراشوٹ کو کھلتے دیکھا اور وہ زمین کی طرف جاتا شام کی تیرگی میں غائب ہو گیا۔ دشمن کا ایک اور طیارہ

کم ہوگیا۔"

ادھر یونس تن تنہا جانے کتنے بھارتی طیاروں کے ساتھ زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہا تھا۔

ننھے رفیقی نے چوہدری اور یونس کے عقب پر پوری طرح نظر رکھی۔ دشمن کے طیاروں نے اس پر جھپٹے مارے لیکن وہ مقابلہ تو نہ کر سکتا تھا، البتہ ان سے بچتا رہا۔ یہ رفیقی کا کمال تھا۔ دشمن کو زد میں لانے سے دشمن کی زد سے اپنے آپ کو بچانا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔ رفیقی، یونس اور چوہدری کو ہدایات بھی دیتا رہا اور وہ دونوں بجلی کی طرح دشمن کے ہنٹروں پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے رہے۔ اچانک دو اور ہنٹر طیارے اوپر سے چوہدری پر ٹوٹ پڑے۔ چوہدری پھرتی سے ایک طرف ہوگیا اور دشمن کے دونوں طیاروں کا وار خالی گیا۔ وہ اوپر سے آئے تھے اور آگے نکل گئے۔ چوہدری نے انہیں دور نہ جانے دیا۔ وہ ایک کے پیچھے ہوگیا۔ اسی دوران اس نے محسوس کیا کہ اس کا لیڈر رفیقی اس کے عقب میں نہیں ہے۔ چوہدری اپنے طیارے کو انتہائی رفتار پہ کر کے دشمن کے پیچھے قریب چلا گیا۔ اس نے اپنی بلندی کا میٹر دیکھا تو چونک اٹھا۔ بلندی صرف دو سو فٹ تھی۔ چوہدری نے دشمن کے طیارے کو زد میں لے کر فائرنگ بٹن دبا دیا۔ بوچھاڑ ہنٹر کی باڈی میں لگی۔ چوہدری نے زمین سے ٹکرا جانے کے خطرے کے پیش نظر طیارے کو اوپر کھینچ لیا۔ عین اسی لمحے اس کا شکار مہیب شعلہ بن کر پھٹ گیا اور انڈین ایئر فورس کا ایک اور ہنٹر کم ہوگیا۔ چوہدری کے آگے آگے دو ہنٹر طیارے تھے۔ ایک تو اس نے مشین گنوں سے مار لیا لیکن دوسرا یوں غائب ہوگیا جیسے فضا میں جذب ہوگیا ہو۔

چوہدری وثوق سے کہتا ہے کہ یہ دوسرا ہنٹر جو میرے شکار کے ساتھ تھا وہ میری زد سے بچ نکلنے کی کوشش میں زمین سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا تھا۔

چوہدری شکار کو بھسم کر کے اوپر اٹھا۔ اسے چند لمحوں کی مہلت مل گئی تھی۔ اس نے وائرلیس پر رفیقی کو پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ فضا اور زیادہ تاریک ہوتی جا رہی تھی۔ چوہدری نے ہر سو دیکھا۔ اسے رفیقی نظر نہ آیا۔ اس نے ایک سیبر اور ایک ہنٹر

کو معرکے میں الجھے ہوئے دیکھا۔ وہ اس سے دور تھے۔ دوسرے لمحے وہی مانوس قرمزی شعلہ چمکا اور دشمن کے ایک اور ہنٹر کے پرخچے جالندھر کی فضا میں بکھر گئے ــــ یونس نے شکار مار لیا تھا۔

جہاں جہاں تک اس کی نظر نے کام کیا، چوہدری کو رفیقی نظر نہ آیا۔ اس نے یونس سے ملاپ کیا اور رفیقی کے متعلق پوچھا۔ یونس نے جواب دیا ــــ "نہیں، مجھے بھی نظر نہیں آیا۔۔۔۔ آؤ، اب واپس چلیں" ــــ انہیں اب واپس ہی آجانا چاہیے تھا۔ تیل بھی ختم ہو رہا تھا اور ایمونیشن بھی ــــ اور انہیں دور پیچھے اپنے اڈے تک آنا تھا۔

وہ واپسی کے لئے مڑے تو چوہدری کو فضا میں دھمک سی سنائی دی۔ اس نے گھوم کے دیکھا۔ اسے دو ہنٹر طیارے غوطے سے اٹھتے نظر آئے۔ انہوں نے کس پر جھپٹا مارا تھا؟ یہ دھمک ۔۔ سی تھی؟ ــــ انہوں نے شاید ننھے رفیقی کو مار گرایا تھا ــــ

رفیقی کی شجاعت کی داد کون دے! اس نے اسلحہ بیکار ہو جانے کے باوجود اپنے ہوابازوں کا ساتھ نہ چھوڑا اور انہیں دشمن کے حملوں سے خبردار کرتا رہا۔ اسی لئے تو وہ میدان سے بھاگا نہیں تھا کہ اس کے ساتھی جم کے لڑ سکیں۔ فضائی معرکوں کی تاریخ میں بے خوفی اور جرأت کی ایسی مثال شاید ہی ملے۔ رفیقی کے انجام کے متعلق کسی کو شک وشبہ نہ تھا۔ اسے خود بھی معلوم ہوگا کہ اس نے دشمن کے غول کے نرغے میں اپنے ساتھیوں کا ساتھ نہ چھوڑنے کا جو فیصلہ کیا ہے وہ موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کی خاطر جان کی قربانی دے گیا۔

چوہدری اور یونس اکٹھے ہو چکے تھے۔ انہیں یقین ہوگیا کہ ان دو ہنٹروں نے رفیقی کو ختم کر دیا ہے۔ انہوں نے واپسی کا فیصلہ بدل دیا اور جذبۂ انتقام سے پاگل ہوگئے۔ اپنے لیڈر کے خون کا بدلہ لینے کے لئے انہوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ان کے طیاروں میں تیل اور ایمونیشن کتنا رہ گیا ہے۔ انہوں نے بیک وقت طیاروں کو گھمایا اور آگ بگولہ ہو کر دشمن کے ہنٹروں کے تعاقب میں چلے گئے اور انہیں پیچھے سے جا لیا۔ چوہدری ایک ہنٹر کے عقب میں ہوا تو قاعدے کے مطابق یونس

چوہدری کے عقب میں ہوگیا تاکہ اُس کی حفاظت کر سکے۔ چوہدری نے اپنے شکار کو فوراً زینج میں لے لیا، لیکن وہ فائرنگ بٹن دبانے ہی والا تھا کہ اُسے دھماکہ سنائی دیا۔ اُس نے پیچھے دیکھا ــــ آہ، یونس کا طیارہ پھٹ گیا تھا اور یونس طیارے سے نکل نہ سکا تھا۔ وہ تو چوہدری کی حفاظت کر رہا تھا لیکن اس کی اپنی حفاظت کرنے والا کوئی نہ تھا۔ دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ یونس بھی شہید ہوگیا۔ چوہدری پر ایسا اثر ہُوا کہ دُشمن کا جو طیارہ اُس کی زد میں تھا وہ زد سے نکل گیا۔

رفیقی بھی نہ رہا، یونس بھی نہ رہا۔ چوہدری اکیلا رہ گیا۔ اُس کی رگوں میں خون رُک سا گیا۔ اس پر سکتہ سا طاری ہوگیا لیکن یہ کیفیت ایک لمحہ ہی رہی، پھر وہ عتاب اور انتقام کی بجلی بن گیا۔ اپنے ساتھیوں کا انتقام لینے کے لئے اس نے طیارہ گھمایا اور دشمن کے کسی طیارے کو زد میں لینے کی کوشش کرنے لگا لیکن اسے اپنے پیچھے دو ہنٹر فائر کرتے نظر آئے۔ وہ پھرتی سے ایک طرف ہوکر وار بچا گیا اور ہنٹر اس کے قریب سے گزر گئے۔ وہ دونو تیزی سے گھوم کر پھر اس کی طرف آئے۔ اسی لمحے دو اور ہنٹر آ گئے اور اب چوہدری چار ہنٹروں کے نرغے میں اکیلا تھا۔

وہ لمحات چوہدری کی زندگی کے یادگار لمحات ہیں۔ اس نے اپنے آپ کو تن تنہا دشمن کے چار لڑاکا ہوابازوں سے زندگی اور موت کا معرکہ لڑنے کے لئے تیار کر لیا۔ وہ تھک کر شل ہو چکا تھا۔ ذہن پر ساتھیوں کی شہادت کا اثر بھی تھا۔ رات تاریک ہوتی جا رہی تھی لیکن وہ لڑنے کے لئے دیوانہ تھا۔ اُس نے تیل اور ایمونیشن کا جائزہ لیا ــــ نہیں، بات نہیں بن سکے گی۔ تیل اور ایمونیشن اس قدر کم رہ گئے تھے کہ اس کا زندہ نکل آنا بھی مشکوک نظر آنے لگا۔ اس حال میں لڑنا محض پاگل پن تھا لیکن دُشمن کے نرغے سے نکل آنا بھی آسان کام نہ تھا۔

چار ہنٹر اکیلے سیبر کے پرخچے اڑانے کو غرا رہے تھے وہ ہر زاویے سے اُسے زد میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ کون سا داؤ پیچ تھا جو انہوں نے نہ کھیلا۔ چوہدری نے شل اعصاب کے باوجود نہایت پھرتی اور حاضر دماغی سے اُن کا ہر وار

بچایا۔ لیکن کششِ ثقل اور مرکز گریز اثرات نے اس کے اعصابی نظام کا ستیاناس کر دیا۔ دماغ کے خلیے جواب دینے لگے۔ اس بے رحم جسمانی اذیت میں بھی چوہدری نے ہوش ٹھکانے رکھے اور اُس نے طیارے کو عمودی غوطے DIVE میں ڈال دیا۔ وہ زمین سے خطرناک فاصلے پر پہنچ گیا جہاں اس کا طیارہ درختوں کو چھُو رہا تھا۔ اس نے طیارے کو سیدھا کر لیا۔ چاروں ہنٹر اس کے تعاقب میں پہنچ گئے لیکن چوہدری ان کے ہاتھ آنے والا شاہباز نہیں تھا۔ اس نے اب پاکستان کا رُخ کر رکھا تھا اور اس قدر کم بلندی پر اُڑ رہا تھا جیسے درخت سے درخت تک اُچھلتا کودتا جا رہا ہو۔ دشمن کے ہوا باز اس قدر نیچے آنے سے گھبرا رہے تھے۔ وُہ اُوپر اُوپر سے فائر کرتے رہے۔

آخر چوہدری دریائے بیاس پار کر آیا۔ اپنی سرحد صرف دو منٹ کے فاصلے پر تھی اور یہ دو منٹ چوہدری کے لئے بڑا ہی طویل عرصہ تھا۔ دُشمن ہوا بازوں میں شاید مزید تعاقب کی تاب نہیں تھی۔ وہ لوٹ گئے اور چوہدری اپنے اڈے پر اُتر آیا۔

اپنے رفیقوں کو یاد کرتے ہوئے چوہدری کہتا ہے ــــ "میں نے یونس کو شہید ہوتے دیکھا ہے۔ میرا عزیز ساتھی میری نظروں کے سامنے ایک بھیانک شعلے کی نذر ہوگیا۔ یاد آتا ہے تو دل سے درد اُٹھتا ہے۔ اور رفیقی؟.... مجھے یقین تھا کہ وہ کبھی لوٹ کے نہیں آئے گا لیکن رات بھر ایسے محسوس ہوتا رہا جیسے رفیقی کہیں نہ کہیں سے آ ہی نکلے گا۔ لمحے گزرے، پھر رات گزر گئی اور اُمید دم توڑ گئی۔ میں مایوس ہوگیا لیکن وہ وقت مایوسی کا نہیں تھا۔ وہ تو جنگ کا پہلا دن تھا اور ہمیں جانے کتنی مدت لڑنا تھا۔ جنگ ساتھیوں کی شہادت پر آنسو بہاتے تو نہیں لڑی جاتی۔ قوم کو زندہ رکھنے کے لئے کچھ افراد کی قربانی اشد ضروری ہوتی ہے۔ سکواڈرن لیڈر رفیقی اور فلائٹ لفٹننٹ یونس حسن حلواڑہ کی دھندلی شفق میں اسی لئے تو کھو گئے ہیں کہ قوم کی آزادی اور آبرو کی شمعیں روشن رہیں۔"

☆

امرتسر کاریڈار

جنگ کے چھ دن گزر گئے تھے۔

بّری فوجوں کے خونریز معرکوں، توپوں، ٹینکوں، مارٹروں اور مشین گنوں کی قیامت خیزی سے دُور، پاک فضائیہ کے ایک اڈے پر اُترتے چڑھتے لڑاکا بمبار طیاروں کی مسلسل گھن گرج اڈے کے گردونواح کے پُرسکون ماحول کو مرتعش کر رہی تھی۔ طیاروں کے آنے جانے میں جو تیزی اور ضروری پن اور ان کی اُڑانوں میں جو شان تھی، اس سے ایک زندہ قوم کی بیداری اور جذبۂ حریت کا پتہ ملتا تھا۔ طیارے غرّاتے ہوئے اُترتے تھے اور گرجتے ہوئے اُڑ جاتے تھے جیسے چنگھاڑ کر کہہ رہے ہوں — "ہم زندہ ہیں، پاکستان زندہ ہے، پاکستان کی فضائیں آزاد رہیں گی..... پاک فضاؤں میں ہم کسی کو نہ آنے دیں گے۔"

گراؤنڈ کریو خصوصاً آرمرر (اسلحہ بارود کا ذمہ دار عملہ) کاموفلاژ کئے ہوئے گھونسلوں میں اس طرح اپنے کام میں مگن تھے جیسے عبادت کر رہے ہوں — یہ عبادت ہی تو تھی۔ وطن کے دفاع کے لئے طیاروں کو تیار بر تیار رکھنا عبادت سے کم تو نہیں ہوتا۔ اُس روز وہ کسی فضائی معرکے یا جارحانہ حملے کے مجروح طیاروں کو جلد، بہت ہی جلد، مرمّت کر کے دشمن کے مقابلے کے لئے تیار کرنے میں محو تھے۔ انہیں دشمن کا فضائی حملہ روکنے کے لئے طیارے تیار رکھنے تھے، دشمن کے ہوائی

اور فوجی ٹھکانوں، بری فوج کے اگلے پچھلے مورچوں اور گن پوزیشنوں پر جھپٹنے کے لئے بھی طیاروں کو ٹھیک ٹھاک رکھنا تھا۔ سورج ہر صبح طلوع ہوتا تھا اور چمکتا دمکتا پاک فضائیہ کے اس اڈے کے اوپر سے گزر کر افق میں ڈوب جاتا تھا لیکن پاک فضائیہ کے شاہبازوں اور گراؤنڈ کریو کے لیے اب ابھرتا ڈوبتا سورج کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ انہیں اب وقت و زمانہ کا کوئی احساس نہ تھا۔ انہیں بھوک بھی نہیں لگتی تھی۔ نیند بھی نہیں آتی تھی۔ وطن کی آبرو کو خطرے میں دیکھ کر وہ طیاروں کے ساتھ طیاروں کا مشینی حصہ بن گئے تھے۔

دوپہر کا وقت تھا۔ گراؤنڈ کریو طیاروں کی نوک پلک درست کر رہے تھے۔ بہت سے طیارے جنگی پروازوں پر گئے ہوئے تھے۔ طیارے اتر بھی رہے تھے، چڑھ بھی رہے تھے۔ اپریشن روم میں لڑاکا بمبار ونگ کے آفیسر کمانڈنگ، ونگ کمانڈر محمد انور شمیم ہوابازوں کو دشمن کے علاقے میں ایک حملے کے لئے ہدایات دینے لگے تھے۔ یہ اس روز کا نہایت اہم اور خطرناک ترین مشن تھا۔ دشمن نے امرتسر میں ایک بہت بڑا ریڈار نصب کر رکھا تھا جس کی حفاظت کے لئے دفاعی انتظامات بہت خطرناک تھے۔ یہ ریڈار اس قدر طاقت ور تھا کہ پاک فضائیہ کے حملہ آور طیاروں کو بہت دور سے دیکھ لیتا تھا۔ اسے تباہ کرنا ازبس لازمی تھا لیکن اسے تباہ کرنا کوئی ایسا آسان نہیں تھا کہ گئے اور بم گرا آئے۔ یہ ریڈار بڑی خوبی سے ڈھکا چھپا تھا۔ بھارتیوں نے ریڈار کو جہاں نصب کر رکھا تھا، جنگی نقطۂ نگاہ سے وہ اچھوتی اور انوکھی جگہ تھی۔ یہ امرتسر کی چھاؤنی کا گنجان آباد علاقہ تھا۔ انہوں نے اس خطرے کی بھی پرواہ نہیں کی تھی کہ اس ریڈار پر کئی ہوائی حملے ہوں گے اور طیاروں سے برستے راکٹوں، گولیوں اور بموں کی زد میں گردوپیش کی شہری آبادی بھی آئے گی۔ بھارتیوں کا خیال تھا کہ پاکستانی ہوا باز تصور بھی نہیں کر سکیں گے کہ شہری آبادی کے وسط میں ریڈار سٹیشن بھی ہو سکتا ہے ـــــ بھارتی پاگل تھے!

ونگ کمانڈر شمیم نے اس ریڈار کو تباہ کرنے کے لئے اپنے ساتھ تین ہوا باز منتخب کئے تھے۔ اس اہم ترین اور خطرناک مشن کی قیادت شمیم خود کرنا چاہتے

تھے۔ جب انہوں نے تینوں ہوابازوں کو آخری ہدایات کے لئے بلایا تو دو ہوا باز آئے مگر تیسرا نہ پہنچا۔ سکواڈرن لیڈر منیر احمد پاس ہی کھڑے تھے۔ ونگ کمانڈر شمیم نے ان سے اپنے مشن کے تیسرے ہوا باز کے متعلق پوچھا تو منیر نے مسکرا کر کہا ـــ "میں ہوں تیسرا ہوا باز۔"

شمیم نے ذہن پر زور دیا اور بولے ـــ "نہیں! تمہیں تو میں نے اس حملے کے لئے نہیں چنا تھا.... جہاں تک مجھے یاد ہے وہ فلائنگ آفیسر مسعود تھا۔"

"ٹھیک ہے سر!" منیر نے کہا۔ "لیکن مسعود کسی اور مشن پر گیا ہوا ہے۔ وہ پہلے ہی فضا میں ہے۔"

کیا منیر نے سچ کہا تھا کہ تیسرا ہوا باز فضا میں ہے؟ شمیم شاید اس کا مقصد سمجھ گئے تھے۔ انہوں نے متانت سے کہا ـــ "آؤ بھئی، تم ہی ہمارے ساتھ آجاؤ۔ تم جیت گئے۔" ـــ منیر کا چہرہ کھل اٹھا۔

منیر نے یہ حرکت پہلی مرتبہ نہیں کی تھی ـــ اسے دنیا میں دو ہی چیزوں سے محبت تھی ـــ پرواز اور اپنا کنبہ۔ جنگ کے دوران وہ زمینی ڈیوٹی (ونگ اپریشن آفیسر) پر مامور تھا لیکن وہ زمین پر ٹک نہ سکتا تھا۔ سرکاری طور پر وہ پرواز کے لئے نہیں جا سکتا تھا کیونکہ اڑنا اس کی ڈیوٹی میں شامل نہیں تھا لیکن وہ آٹھ مرتبہ کسی نہ کسی ہوا باز کو اپنی زمینی ڈیوٹی پر بٹھا کر دشمن کے ٹھکانوں پر حملوں کے لئے اڑ گیا تھا۔ اس روز اس نے دیکھا کہ ونگ کمانڈر شمیم کے مشن کا ایک ہوا باز ابھی نہیں پہنچا تو منیر کا داؤ چل گیا۔ یہ تو ممکن ہی نہیں ہو سکتا کہ مسعود غیر حاضر ہوتا، لیکن ونگ کمانڈر شمیم منیر کو مایوس نہیں کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اسی کو اپنے مشن میں شامل کر لیا۔

شمیم نے تینوں ہوابازوں کو امرتسر کے ریڈار سٹیشن پر حملے کے متعلق نقشوں اور خاکوں کی مدد سے تفصیلی ہدایات دیں۔ انہیں نقشے پر بتایا کہ ٹارگیٹ (ریڈار) کس مقام پر ہو سکتا ہے، اس خطے کا آج موسم کیسا ہے اور دشمن نے

اس ریڈار کی حفاظت کے لئے کیا کیا انتظامات کر رکھے ہیں۔ انہوں نے ہوابازوں کو ٹارگیٹ پر پہنچنے کا وقت بھی بتایا۔ سب نے اپنی گھڑیاں شمیم کی گھڑی سے ملا لیں، پیراشوٹ اور فضائی ٹوپیاں اٹھائیں اور تیز تیز قدم اپنے طیاروں کی طرف چل پڑے۔ طیاروں کی کاک پٹوں (ہوا باز کی نشستوں) میں بیٹھ کر انہوں نے کنٹرول، مختلف میٹر، بٹن، سوئچ اور آلات چیک کئے۔ یہ تو ان کا روزمرّہ کا معمول تھا۔ ان کے ہاتھ اور آنکھیں مشین کی طرح ہر روز یہ کام کیا کرتی تھیں لیکن اُس روز کی پرواز غیر معمولی تھی۔ چنانچہ وہ طیارے کی ہر چیز کا معائنہ بھی غیر معمولی احتیاط سے کر رہے تھے۔ وہ دشمن کی آنکھ پھوڑنے جا رہے تھے — امرتسر کا ریڈار سٹیشن بہت بڑی آنکھ تھی جو بہت دُور کی چیزوں کو دیکھ لیا کرتی تھی۔

ذرا ہی دیر بعد پاک فضائیہ کے چار لڑاکا بمبار سیبر طیارے 'رن وے' کے سرے پر جا رُکے۔ ان کے انجن دھیمے دھیمے گنگنا رہے تھے۔ ان کے دلکش اور چمکتے خدوخال میں تباہی کا ہیبت ناک سامان پنہاں تھا۔ یک لخت گنگناتے طیارے گرجنے لگے۔ ان کی سیٹی نما آوازیں ہولناک چیخیں بن گئیں اور دو طیارے 'رن وے' پر چل پڑے — ایک کا ہوا باز ونگ کمانڈر شمیم اور دوسرے کا سکواڈرن لیڈر منیر تھا — دونوں طیارے تیز ہوتے اور پھر اور تیز اور پھر اس قدر تیز کہ دیکھنے والوں کی نظریں تعاقب میں اڑنے لگیں۔ دونوں شاہباز زمین سے اُٹھے اور ستمبر کے تپتے آسمان کو چیرنے لگے۔

ان کے پیچھے دوسرے دو اور طیارے 'رن وے' کے سرے پہ آ کر چل پڑے اور وہ بھی فضا کو تیروں کی طرح چیرتے شمیم اور منیر سے جا ملے۔ وہ فلائٹ لفٹننٹ امتیاز احمد بھٹی اور فلائٹ لفٹننٹ سیسل چوہدری تھے — وہی چوہدری ہلواڑہ کا ہیرو — چاروں طیارے فضا میں اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے امرتسر کا رُخ کر لیا۔

دس ہی منٹ بعد وہ دشمن کی سرحد پھلانگ گئے۔ وہ زیادہ بلندی پر

نہیں تھے۔ حملے کے لئے ٹارگیٹ تک بہت کم بلندی پر پرواز کی جاتی ہے۔ شاہبازوں نے نیچے دیکھا۔ ہر سُو دو ملکوں کی فوجوں کی خونریز جنگ عروج پر تھی۔ بی آر بی سے اُس طرف، تمام کا تمام علاقہ بھارتی فوجوں سے اٹا پڑا تھا۔ میدانِ جنگ کی میل ہا میل وسعت دھواں اور گرد و غبار اُگل رہی تھی۔ بھارتی ہوسِ ملک گیری سے پاگل ہوئے جا رہے تھے اور پاکستانی اپنے وطن کی سلامتی کی خاطر جان پر کھیل رہے تھے۔ دائیں طرف پاک فضائیہ کے چند شہرت یافتہ ٹینک شکن طیارے نظر آئے۔ وہ اپنی برّی فوجوں کی مدد کر رہے تھے اور دشمن کے مورچوں، توپوں اور ٹینکوں پر جھپٹ جھپٹ کر راکٹ، بکتر شکن اور آتشیں گولیاں برسا رہے تھے۔ ان کے پھٹتے راکٹوں سے زمین سے جو بادل اٹھتے تھے وہ اُوپر فضا سے نظر آ رہے تھے۔ شمیم اور اُس کی فارمیشن کے ہوابازوں کو اپنے انجنوں کی گونج کے سوا اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ زمین کی جنگ انہیں خاموش فلم کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ حق و باطل کے اس معرکے کو دیکھ کر ان کی رگوں میں خون کھولنے لگا اور امرتسر کے ریڈار کی تباہی کا عزم ان کے لئے جزوِ ایمان بن گیا۔

ان کی نظریں میدانِ جنگ سے ہٹ کر دشمن کے آسمان میں دشمن کے طیاروں کو ڈھونڈنے لگیں۔ وہ کاک پٹوں میں چوکس بیٹھے زمین کے ساتھ ساتھ اُڑے جا رہے تھے۔ زمین کے گرد و غبار کی وجہ سے نظر دُور تک کام نہ کرتی تھی۔

انہیں امرتسر کا مشہور دربار صاحب نظر آنے لگا۔ جنگ زدہ فضا میں اس کے کلسوں کا حسن نکھرا ہوا تھا، لیکن وہ وقت مغل بادشاہوں کی فیاضی کی اس حسین علامت کے حسن سے لطف اندوز ہونے کا نہیں تھا (اس کی تعمیر کے لئے شہنشاہ جہانگیر نے گورو صاحبان کے چیلوں کو یہ جگہ عطا کی تھی اور اس کا سنگِ بنیاد حضرت میاں میر علیہ الرحمتہ نے اپنے دستِ مبارک سے رکھا تھا)۔

وہ جونہی امرتسر کی فضا میں داخل ہوئے، دشمن کی طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے اچانک فائر کھول دیا۔ پہلے تو یہ فائر رُکا رُکا سا تھا لیکن طیارے

ٹارگیٹ کے قریب پہنچے تو طیارہ شکن فائر میں بے پناہ اضافہ ہوگیا۔ بھارتیوں نے ریڈار کے اردگرد خدا جانے کتنی ساری گنیں لگا رکھی تھیں۔ ان میں ہر قسم اور ہر سائز کی گنیں تھیں۔ ان گنوں نے ٹریسر (روشنی کی لکیر چھوڑنے والی) گولیوں اور پھٹتے گولوں کے دھوئیں کے مرغولوں سے امرتسر کا آسمان بھر دیا۔ ٹریسر گولیوں نے زمین سے آسمان تک اور تمام فضائی وسعت میں روشنی کی لکیروں کا جالا تن دیا۔ انچ انچ پر گولے پھٹ رہے تھے اور چھوٹی بڑی گولیوں کی بوچھاڑیں طیاروں کے قریب سے گزر رہی تھیں۔ پاک فضائیہ کے چاروں شاہباز بے خوف وخطر، طیارہ شکن فائر کے آتشیں تانے بانے میں اپنے ٹارگیٹ کے اردگرد اُڑ رہے تھے۔

منیر ڈپٹی لیڈر تھا پہلا حملہ اُسے ہی کرنا تھا۔ وہ حملے کے لئے بالکل تیار تھا۔ دوسرے ہوابازوں نے اپنی باری کے انتظار میں طیارے ایک طرف کر لئے۔ منیر غوطے میں جانے کے لئے عقاب کی مانند فضا میں اُوپر اُٹھا۔ دشمن کی تمام تر طیارہ شکن گنوں نے فائرنگ منیر پر مرکوز کر دی۔ اس اطلاع میں کوئی مبالغہ نہ تھا کہ دشمن نے اس ریڈار کے اردگرد بہت زیادہ اور بہت خطرناک دفاعی انتظامات کر رکھے ہیں۔ اطلاع کی تصدیق زمینی گنوں کے فائر کی شدّت سے ہو رہی تھی۔

بیک وقت جانے کتنے گولے منیر کے طیارے کے قریب پھٹے اور اس کا طیارہ بُری طرح لرزا لیکن منیر نے اس قدر بھیانک فائر سے بچنے کی ذرا برابر کوشش نہ کی اور اُس نے اپنی اُڑان کو انچ بھر بھی اِدھر اُدھر نہ ہونے دیا۔ وہ غوطے میں چلا گیا اور دشمن کا فائر اور زیادہ ہولناک ہوگیا۔ منیر کی پرواز کے انداز سے پتہ چلتا تھا کہ وہ قسم کھا چکا ہے ـــــ ریڈار یا موت! ـــــ منیر بازی ہار گیا۔ ونگ کمانڈر شمیم کو وائرلیس پر اُس کی آخری آواز سنائی دی ـــــ "لیڈر! میں ہِٹ ہو گیا ہوں" ـــــ یہ منیر کی آخری آواز تھی پھر اس کا وائرلیس سیٹ خاموش ہوگیا۔ منیر غوطے سے اُٹھتا نظر نہ آیا۔ شمیم نے اسے رہ رہ کے پکارا لیکن منیر فضا میں نہیں تھا۔ اُس کی آواز نہ سنائی دی ـــــ اور اُس کی آواز کو شمیم آج بھی ترس رہا ہے ـــــ ایک عظیم شاہباز دشمن کی

فضا نے نگل لیا تھا۔

پختہ کار اور دلاور ونگ کمانڈر شمیم کی جذباتی کیفیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ایک تو وہ اس دشمن کی کمر توڑ دینا چاہتا تھا جو بے خبری میں پاکستان کی سرحدوں میں دندناتا گھس آیا تھا اور دوسرے منیر جیسے اولوالعزم اور ایثار کے پتلے ہواباز کے کھو جانے سے شمیم پر دیوانگی طاری ہوگئی۔ نیچے سے دشمن کی طیارہ شکن گنیں ساری فضا کو گولیوں اور گولوں سے ڈھانپے ہوئے تھیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ پاکستان کے یہ تین ہواباز کتنی دیر تک امرتسر پر اُڑتے نظر آئیں گے۔ کسی بھی لمحے تینوں کا اس ہولناک فائر کی زد میں آجانا متوقع تھا لیکن شمیم دشمن کی آتشباری سے بے نیاز اُس نشان پر غوطے میں چلا گیا جہاں ریڈار کو ہونا چاہیے تھا۔ اُس نے دشمن کی گنوں کی زد میں آکر بھی نشانہ چوکنے نہ دیا اور کمال یکسوئی سے شست کو ٹھکانے پر لاکر بیک وقت تمام راکٹوں کی بوچھاڑ فائر کر دی۔

دوسرے ہی لمحے اُس کے چھوڑے ہوئے تمام کے تمام راکٹ نشانے پر جا پھٹے اور بھارت کے ایک بہت بڑے ریڈار کے چمکتے پرخچے ہوا میں اُڑتے نظر آئے۔ پھٹتے راکٹوں کے شعلے اور دھوئیں کی گھٹا کے ساتھ لوہے اور شیشے کے ٹکڑے امرتسر چھاؤنی کی فضا میں ستاروں کی طرح چمکے اور دُور دُور بکھر گئے۔ جہاں ریڈار ہُوا کرتا تھا، وہاں اب ونگ کمانڈر شمیم کے راکٹوں کا دھواں اور بارُود کی بدبُو پھیلی ہوئی تھی۔ شمیم اس قدر کامیاب جھپٹے سے اُٹھ آیا۔ طیارہ شکن فائر نے اس کے طیارے کا تعاقب کیا لیکن شمیم توپچیوں کو جُل دے گیا۔

بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔ ریڈار تو تباہ ہو چکا تھا لیکن اس کی متعلقہ رگیں اور نسیں (مشینری وغیرہ) ابھی باقی تھیں اور وہ توپیں اور مشین گنیں ابھی دھاڑ رہی تھیں جنہوں نے پاک فضائیہ سے منیر کو چھین لیا تھا۔ شمیم کے بعد فارمیشن کے دوسرے دو ہواباز، بھٹی اور چوہدری، حملے کے لئے آئے۔ ان کے سینوں میں منیر کا جو خون جم گیا تھا وہ کھول اُٹھا۔ دشمن کی گنوں نے منہ ان کی طرف پھیر دیئے۔

فائر پہلے سے زیادہ تیز ہو گیا لیکن چوہدری اور بھٹی نے اپنے لیڈر اور منیر کی روایت کو برقرار رکھتے ہوتے بے خوف ہو کر جھپٹے مارے۔ انہوں نے مشین گنوں کی بوچھاڑیں ماریں اور دشمن کی طیارہ شکن گنوں کو چن چن کر ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ پھر تینوں نے جھپٹے پہ جھپٹا مار کر ریڈار کے گرد و نواح میں اس کی مشینری اور جو کچھ اس کا متعلقہ سلسلہ باقی تھا تباہ و برباد کر دیا۔

ونگ کمانڈر شمیم کی فارمیشن دشمن کی آنکھ پھوڑ کر واپس آ گئی لیکن منیر کے بغیر۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہ ہو گی کہ انڈین ایئر فورس نے پاکستان میں مسافر گاڑیوں، ہسپتالوں، قصبوں اور دیہات کی آبادی پر بمباری کر کے پاکستان پر الزام لگایا تھا کہ پاک فضائیہ کے ہوا باز بھارت کے شہریوں پر بمباری کر گئے ہیں۔ اس الزام کے جواب میں پاک فضائیہ کے ترجمان نے بھارت کو چیلنج کیا تھا کہ ہمارے ہوا بازوں نے امرتسر کے گنجان آباد علاقے میں ایک ریڈار سٹیشن تباہ کیا ہے۔ ہمیں امرتسر کا کوئی ایک شہری دکھا دیا جائے جو ہمارے راکٹ یا گن فائر سے زخمی بھی ہوا ہو، لیکن بھارتیوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

☆

گورداسپور کی مال گاڑی

"اِسے جانے دو، یہ مسافر گاڑی ہے۔"

یہ پاک فضائیہ کے سکواڈرن لیڈر علاء الدین احمد کی آواز تھی۔ وہ چار لڑاکا بمبار طیاروں کی قیادت کر رہا تھا۔ صبح کے ساڑھے دس بج رہے تھے۔ یہ چاروں شاہباز بٹالہ گورداسپور ریلوے لائن کے اوپر سے گزر رہے تھے کہ انہیں ایک ریل گاڑی جاتی نظر آئی۔ وہ ایک گاڑی ہی کے شکار کو نکلے تھے۔ انہیں یہ گاڑی نظر آئی تو دیکھا وہ مسافر گاڑی تھی۔ علاء الدین احمد نے اپنے ہوا بازوں کو اس پر حملہ کرنے سے روک دیا۔ اگر بھارتی ہوا باز ہوتے تو مسافر گاڑی ہی پر مشین گنیں اور راکٹ فائر کر کے فارغ ہو جاتے لیکن وہ پاک فضائیہ کے شاہباز تھے۔ انہیں اپنے صحیح شکار کے سوا کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔

علاء الدین کا یہ اُس روز کا دوسرا مشن تھا۔ تھوڑی ہی دیر پہلے وہ چار ہوا بازوں کو ساتھ لے کر چونڈہ نارووال سیکٹر میں حملہ کر کے لوٹا تھا۔ چونڈہ میں اُس روز ٹینکوں کی ہولناک جنگ جاری تھی۔ تاریخی معرکہ عروج پر تھا۔ علاء الدین اور اس کی فارمیشن کے ہوا باز درختوں کی بلندی پر اُڑتے رہے تھے اور گرد و غبار اور سیاہ دھوئیں کے بادلوں میں چھپے ہوئے چونڈہ کے میلوں وسیع میدان میں دشمن کے ٹینکوں اور توپوں کو چن چن کر ملیامیٹ کرتے رہے تھے۔ دشمن کی طیارہ شکن توپوں

اور مشین گنوں نے انہیں مار گرانے کے لئے ایمونیشن کی جانے کتنی پیٹیاں پھونک ڈالی تھیں لیکن علاء الدین احمد اپنے ہوابازوں سمیت دشمن کے کئی ٹینک ناکارہ اور متعدد توپیں ہمیشہ کے لئے خاموش کر کے اُس وقت اڈے پہ واپس آیا تھا جب اُس کی مشین گنیں خالی ہو گئی تھیں اور پروں کے ساتھ ایک بھی راکٹ نہیں بچا تھا۔

ان ہوابازوں نے چونڈہ سے آکر ناشتہ کیا تھا اور ابھی کمر بھی سیدھی نہ کر پائے تھے کہ انہیں ایک اور مشن دے دیا گیا۔ — گورداسپور کے علاقے پر مشاہداتی مسلح پرواز۔

دس بجے تک ستمبر کا سورج خاصا تپ چکا تھا۔ چونڈہ کے یہ تھکے ہوئے فاتح شاہباز ایک بار پھر فضا میں غراتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ علاء الدین احمد (جسے پاک فضائیہ میں "بُچ" کے نام سے پکارا جاتا تھا) فارمیشن کا لیڈر تھا۔ اس کے ساتھ تین ہواباز تھے — فلائٹ لفٹننٹ امان اللہ، فلائٹ لفٹننٹ سلیم اور فلائٹ لفٹننٹ عارف منظور۔ تھوڑی دیر بعد انکے طیارے دشمن کی فضا کو چیر رہے تھے چاروں ہوابازوں کی نگاہیں آسمان کی وسعت میں دشمن کے طیاروں کی تلاش میں گھوم رہی تھیں۔ انہیں کوئی طیارہ نظر نہ آیا۔ انجنوں کی گونج اور اپنی ہیجانی کیفیت نے انہیں مکمل طور پر بیدار اور چوکس رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنی مشین گنوں اور گن سائٹوں (شستوں) کا آخری معائنہ کر لیا۔

اچانک وائرلیس پر فلائٹ لفٹننٹ امان اللہ کی آواز سنائی دی — "نیچے ایک گاڑی جا رہی ہے، چلو اسی کو لے لیں۔"

چاروں نے گاڑی پر غوطہ لگا دیا۔ وہ اس قدر نیچے چلے گئے کہ انہیں گاڑی کی کھڑکیوں میں سے مسافروں کے سہمے ہوئے چہرے نظر آنے لگے۔ بعض مسافر لال رنگ کی اس گاڑی سے یوں جھانک رہے تھے جیسے ان چاروں طیاروں کو پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"اوہ! اسے جانے دو" — ہوابازوں کو اپنے لیڈر 'بُچ' کی آواز سنائی

دی "یہ مسافر گاڑی ہے۔"

چاروں نے بیک وقت طیارے اُوپر کھینچ لئے اور بلندی پہ جا کر سیدھی پرواز پہ ہو لئے۔ ہواباز ایک بار پھر زمین و آسمان کو کھوجنے لگے۔ بھارت کی فضا اپنے رکھوالوں سے خالی تھی۔

ذرا دیر بعد فلائٹ لفٹننٹ سلیم کی آواز سنائی دی — "پٹھان کوٹ کا ایئر بیس (ہوائی اڈہ)" — سب نے دیکھا۔ دُور پرے پٹھان کوٹ کا ہوائی اڈہ نظر آ رہا تھا۔ اڈے کے ہینگر، دیگر عمارتیں اور چمکتے ہوئے 'رن وے' انہیں راکٹ اور گن فائرنگ کی دعوت دے رہے تھے۔ خاصا اشتعال انگیز ٹارگیٹ تھا لیکن وہ وہاں تک نہیں جا سکتے تھے کیونکہ ہدایت کے مطابق ان کی پرواز کی حدود وہاں ختم ہوتی تھیں۔ فارمیشن کے لیڈر 'بُچ' نے اپنے ہوابازوں کو واپس مڑنے کو کہا۔ چاروں طیارے بائیں طرف گھوم گئے اور گورداسپور کے شہر کا رُخ کر لیا۔ وہ خاصی کم بلندی پر اُڑ رہے تھے اور بلندی پر دیکھ رہے تھے، شاید دُشمن کا کوئی جنگی ٹھکانا، کوئی فوجی جمگھٹا یا کوئی مال گاڑی نظر آ جائے۔

وہ گورداسپور کے قریب پہنچے ہی تھے کہ انہیں ریلوے سٹیشن پر ایک مال گاڑی کھڑی نظر آئی۔

"یہ ہے وہ گاڑی" — علاء الدین کی آواز سنائی دی لیکن اُس نے کہا "میں ذرا چیک کر لوں۔"

چاروں ہواباز دائیں طرف گھوم کر ریلوے سٹیشن کی طرف چلے گئے۔ قریب جا کے دیکھا تو یہ واقعی مال گاڑی تھی اور ریلوے سٹیشن کے سائیڈنگ میں کھڑی تھی۔ اس میں گولہ بارود اور جنگی سامان ہو سکتا تھا۔

"میں ذرا چیک کرنے لگا ہوں" — علاء الدین احمد نے اپنی فارمیشن سے کہا اور گاڑی پر غوطے میں چلا گیا۔

'چیک' کرنے کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ علاء الدین قریب جا کر گاڑی کو غور

سے دیکھتا اور معلوم کرتا کہ ڈبوں میں کیا بند ہے۔ اُس کے پاس ایک ہی طریقہ تھا جو اُس نے اختیار کیا۔ وہ گاڑی پر غوطے میں گیا اور گن سائٹ (نشست) چلادی۔ مال گاڑی اُس کی نشست میں بڑی ہوتی چلی گئی۔ جب گاڑی مطلوبہ رینج میں آگئی تو بُچ نے نہایت اطمینان سے فائرنگ بٹن دبا دیا۔ اس کی چھ مشین گنوں کی بکتر شکن اور آتشیں گولیاں فضا کو چیرتی گاڑی کی آہنی چادروں میں داخل ہو گئیں۔ دوسرے ہی لمحے گورداسپور کے ریلوے سٹیشن پر ہولناک دھماکہ ہُوا اور سیاہ گھٹا ریلوے سٹیشن کو لپیٹ میں لینے لگی۔ بُچ نے گاڑی کو چیک، کر لیا تھا۔ وہ جھپٹے سے اُٹھا اور وائرلیس پر چلایا۔ "یہ ایمونیشن کی گاڑی ہے۔ چلو اِسے جلدی ختم کرو"۔ اور وہ دوسرے حملے کے لئے غوطے میں چلا گیا۔ اس کے طیارے نے اب کہ راکٹوں کی بوچھاڑ داغ دی۔

وہ حملے سے اُٹھا تو دوسرے ہوابازوں نے باری باری غوطے میں جا کر مشین گنوں کی بوچھاڑیں فائر کیں۔ پھر راکٹ فائر کئے۔ اب تو پھٹتے بارود کی سیاہ گھٹاؤں میں گاڑی کے بچے کھچے ڈبے نظر بھی نہیں آتے تھے لیکن پاک فضائیہ کے یہ شاہباز خطرہ مول لے کر سیاہ دھوئیں میں جا جا کر جھپٹے مار رہے تھے۔ تمام کی تمام گاڑی گولہ بارود سے لدی ہوئی تھی اور اگلے مورچوں کے لئے روانہ ہونے والی تھی۔ ہوابازوں کو گوارا نہ تھا کہ اس کا ایک بھی ڈبہ سلامت رہے۔ وہ پاکستان کی تباہی کے سامان کو بھارت میں ہی تباہ کر دینا چاہتے تھے۔ ریلوے سٹیشن سیاہ دھوئیں میں چھپ چکا تھا۔ ہواباز اس دھوئیں میں روپوش ہو جاتے اور جب وہ اُوپر اُٹھتے تو گاڑی کے آہنی پرخچے، لکڑیوں کے ٹکڑے، گولوں کے ریزے اور ریلوے لائن کے پتھر دُور دُور تک اُڑتے نظر آتے تھے۔

گاڑی کا شاید ہی کوئی ڈبہ محفوظ ہو گا، لیکن علاءالدین احمد ابھی مطمئن نہیں تھا۔ وہ پھر غوطے میں چلا گیا اور جب فائرنگ کر کے اُٹھ رہا تھا تو لوہے کا ایک بڑا سا اُڑتا ہوا ٹکڑا اُس کے طیارے کو آ لگا۔ جانے وہ کس طرح بچ گیا ورنہ طیارہ

بیکار کرنے کے لئے یہ ٹکڑا کافی تھا۔ طیارہ بڑی زور سے ڈگمگایا لیکن بُچ نے سنبھال لیا اور بلندی پر جا کر گاڑی کی تباہی کا منظر دیکھنے لگا۔

ہر سُو گھٹائیں چھا گئی تھیں۔ یوں نظر آتا تھا جیسے سارا سٹیشن جل رہا ہو۔ اب تو نیچے کچھ بھی نظر نہ آتا تھا نہ پتہ چلتا تھا کہ گاڑی کہاں ہے یا کہاں تھی۔۔۔ علاؤالدین نے اپنے ہوابازوں سے کہا — "کچھ نظر نہیں آتا۔ ہو سکتا ہے کچھ ڈبے بچ گئے ہوں"۔ — پیشتر اس کے کہ کوئی ہواباز اُسے روکتا وہ غوطے میں جا کر سیاہ دھوئیں میں روپوش ہو چکا تھا۔

دھوئیں کی گھٹائیں اب بہت اُوپر اُٹھ آئی تھیں اور پھیلتی ہی چلی جا رہی تھیں۔ علاؤالدین کو اس قدر نیچے نہیں جانا چاہیئے تھا۔ دُھوئیں میں کچھ نظر نہیں آتا تھا لیکن پاک فضائیہ کا یہ دلاور ہواباز گاڑی کا نام و نشان مٹا دینا چاہتا تھا۔ وہ دھوئاں دھار میں نیچی پرواز کر کے گاڑی کے جلتے ہوئے ملبے کو دیکھتا رہا۔ وہاں کوئی ڈبہ سلامت ہوتا تو نظر آتا۔ وہ گھٹاؤں سے اُٹھ آیا لیکن پھر غوطے میں چلا گیا۔ اب کہ وہ خطرناک حد تک نیچے چلا گیا — جلتی ہوئی گاڑی سے ذرا ہی اُوپر۔

اُس کے ہواباز کہتے ہیں کہ اُسے دو تین ڈبے نظر آگئے جو اس کے خیال کے مطابق ابھی محفوظ تھے۔ اُس نے اپنے طیارے کو تقریباً عموداً اوپر کھینچ لیا اور گھما کر پھر غوطے میں چلا گیا۔ اس نے جاتے جاتے اپنے ہوابازوں کو بتایا کہ چند ڈبے ابھی محفوظ ہیں۔ ہوابازوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ ان کا لیڈر واقعی ڈبے دیکھ آیا ہے۔ وہ اب اُس کی دیوانگی سے فکرمند ہونے لگے تھے۔ انہوں نے تو گاڑی کو ختم کر دیا تھا لیکن علاؤالدین نے گہرے غوطے میں جا کر بچے کھچے تمام راکٹ اکٹھے فائر کر دیئے۔ یہ سارے راکٹ ٹھیک نشانے پر لگے۔ وہ سچ کہتا تھا کہ کچھ ڈبے ابھی ہٹ نہیں ہوئے۔ اب علاءالدین کے راکٹ ان ڈبوں میں پھٹے تو نہ جانے ان ڈبوں میں بم تھے یا بڑی توپوں کے گولے تھے جو بیک وقت پھٹے تو ہیبت ناک دھماکہ ہُوا۔ اس دھماکے کی لہریں

اس قدر شدید اور دُور رَس تھیں کہ فضا میں بکھرے ہوا بازوں کے طیارے اس طرح ہوا میں پٹخے گئے جیسے کاغذ کے پُرزے کو زور سے پھونک مار دی جائے۔ اس دھماکے نے تقریباً سارے گورداسپور کو بنیادوں تک ہلا دیا ہوگا۔ ریل گاڑی اور گرد و پیش کا ملبہ سینکڑوں فٹ اُوپر فضا میں گولوں کی طرح آیا اور ہر سُو بکھر گیا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے نے سارے علاقے کو لپیٹ میں لے لیا ـــــ اور عزم کا پکا، علاء الدین احمد بھی اسی قیامت کی لپیٹ میں آگیا۔

اُس نے طیارے کو اوپر کھینچنا چاہا لیکن اُڑتے ملبے کے جانے کیسے کیسے اور کتنے ہی ٹکڑے اُس کے طیارے کو آ لگے تھے اور اُسے اُٹھنے کے قابل نہ چھوڑا تھا پھر بھی اُس نے طیارہ اسی بلندی پر سنبھال لیا اور پاکستان کا رُخ کر لیا۔ اپنی سرحد سے وہ بارہ میل دُور تھا جسے سیبر ڈیڑھ منٹ میں پھلانگ جاتا۔

"میری کاک پٹ دھوئیں سے بھر گئی ہے۔" اس کے ہوا بازوں کو اس کی آواز سنائی دی۔ دوسرے ہی لمحے بولا۔ "اب ٹھیک ہے" ـــــ یہ اُس کے آخری الفاظ تھے۔

باقی ہوا باز گاڑی کو تباہ کر کے اس طرح فضا میں بکھرے ہوئے تھے کہ وہ ایک دوسرے کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ صرف وائرلیس سے ان کا رابطہ قائم تھا۔ ڈپٹی لیڈر نے علاء الدین کو پکارا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ اُسے ایک خیال آیا کہ شاید وہ پاکستان پہنچ گیا ہوگا، لیکن یہ خدشہ بھی تھا کہ اس قدر خوف ناک دھماکے کی زد میں آکر اس کا طیارہ پاکستان پہنچنے کے قابل نہیں رہ سکتا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ راستے میں پیراشوٹ سے اُتر گیا ہو۔

لیکن علاء الدین پاکستان نہیں پہنچا تھا، نہ پیراشوٹ سے اُتر سکا تھا۔ وہ دُشمن کے گولہ بارُود کا ذخیرہ اُڑانے کے لئے جان کا نذرانہ دے چکا تھا۔ ہوا بازوں نے اُسے دُشمن کے علاقے میں نیچی پرواز کر کے تلاش کیا لیکن بے سود۔ پھر پاک فوج کا چھوٹا سا طیارہ L-19 بھی تلاش کرنے گیا۔ ان طیاروں پر دُشمن کی

طیارہ شکن گنیں فائر کرتی رہیں اور ہر لمحہ دُشمن کے طیاروں کا بھی خطرہ رہا لیکن اپنے طیارے مسلسل پانچ گھنٹے اُسے تلاش کرتے رہے مگر علاء الدین کا نشان تک نہ ملا ـــــ ایک جری شاہباز وطن پر قربان ہوگیا۔

عظیم شاہباز

"ایک ۔ دو ۔ تین ۔ چار" — سرگودھے کی فضا میں ایک ہوا باز پرواز کے دوران کچھ گن رہا تھا۔

"کیا گن رہے ہو؟" — زمین سے کنٹرولر نے وائرلیس پر پوچھا۔

"بھارتی ہنٹر، اور کیا!" — فضا سے فلائنگ آفیسر مسعود نے جواب دیا۔

"اچھا اچھا" — کنٹرولر نے کہا — "میں سمجھا شاید پرندے گن رہے ہو۔"

اور یہ گنتی عالمی فضائی معرکوں، تاریخِ اسلام اور تاریخِ پاکستان کے ایک بے مثال باب کا عنوان بن گئی ہے۔ پاک فضائیہ کے سکواڈرن لیڈر محمد محمود عالم نے یہ باب کُل تیس سیکنڈ میں لکھ ڈالا تھا۔ ایک دُبلے پتلے اور بظاہر غیر اہم سے آدمی نے صرف آدھے منٹ میں فضا میں انڈین ایئر فورس کی شکست اور پاک فضائیہ کی برتری کا جھنڈا گاڑ دیا۔ عالمی فضائی معرکوں میں کسی ہوا باز نے ایک ہی جھڑپ اور اس قدر مختصر عرصے میں اتنے طیارے کبھی نہیں گرائے تھے اور شاید ہی جنگ میں ایسا ہُوا ہو کہ ایک ہی ہوا باز نے ایک ہی جھڑپ میں ساری ہی جنگ کا پانسہ پلٹ دیا ہو۔

اسی ایک معرکے میں یہ حقیقت بھی جھٹلا دی گئی کہ ہنٹر طیارے پرانی طرز کے سیبر طیاروں سے برتر ہیں۔ اس کے علاوہ اس پرانے مقولے کی تصدیق

ہو گئی کہ میدانِ جنگ میں جو اہمیت جرأت اور جنگی مہارت کو حاصل ہے وہ تعداد اور ساز و سامان کو نہیں۔

پاک بھارت جنگ کا دوسرا روز تھا۔ پہلے روز پاک فضائیہ نے دُشمن کی سرحدوں کے اندر جا کر پہلا فضائی حملہ کیا تھا اور اس پہلے ہی حملے میں ہمارے شاہبازوں نے جیٹ کے دَور کے قدیم سیبر طیاروں سے بھارت کے اہم ہوائی اڈوں ——پٹھانکوٹ، آدم پور اور ہلواڑہ —— میں تباہی مچا دی تھی۔ دُشمن کے کئی طیاروں کو زمین پر اور چند ایک کو فضا میں بھسم کر کے بھارتی ہوابازوں پر دہشت طاری کر دی تھی۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ ہمارے دُشمن کو گماں تک نہ تھا کہ پاکستانی ہوابازیوں بجلیاں بن بن کر ٹوٹ ٹوٹ پڑیں گے حالانکہ ہندو مسلمان سے ایک ہزار سال سے واقف تھا۔

جنگ کے دوسرے روز سرگودھا کی صُبح کا اُجالا نکھر رہا تھا اور فضائی اڈے میں فضائیہ کا ہر فرد و بشر کسی نہ کسی کام میں مگن، مستعد اور آگ بگولہ تھا جیسے کسی عظیم ڈرامے کے کردار کسی بھی لمحہ سٹیج کا پردہ اٹھنے کے منتظر ہوں۔ جو آدمی کچھ بھی نہیں کر رہے تھے وہ بھی مصروف اور چوکنے نظر آتے تھے۔ زمینی توپچی ایمونیشن کے پٹے گنوں سے لگائے آسمان کی وسعت کو تاک رہے تھے۔ ہوابازوں اور گراؤنڈ کریُو نے طیاروں کا آخری معائنہ کر لیا تھا۔ اس قدر مصروفیت اور تیاری کی گہماگہمی کے باوجود فضا میں سکوت تھا لیکن یہ سکوت طوفان کا پیام دے رہا تھا اور فضائی اڈے میں ہر کوئی بے تابی سے اس طوفان کا انتظار کر رہا تھا۔ کسی بھی لمحہ دُشمن کا ہوائی حملہ متوقع تھا لیکن کسی کو گماں تک نہ تھا کہ اس ایک ہی روز بلکہ اس روز کے چند لمحوں میں سرگودھا جسے پاکستان میں بھی کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں، عالمی شہرت یافتہ شہر بن جائے گا جسے دیکھنے کے لئے برطانیہ، فرانس، امریکہ، جاپان اور دیس دیس کے اخبار نویس اور جنگی وقائع نگار بھاگتے چلے آئیں گے۔ کسی نے کبھی بھولے سے بھی تصوّر

نہ کیا تھا کہ پاکستان ایئر فورس جس کی حیثیت جنگی نقطۂ نگاہ سے چھوٹے سے ایک فلائنگ کلب سے زیادہ نہیں کرۂ ارض کے جری ہوائی بیڑوں میں شمار ہونے لگے گی۔

سورج اُبھر رہا تھا اور فضائیہ کے کارندے اور ہواباز آسمانی آوازوں پر کان لگا لگا کر اور نیلی وسعت میں جھانک جھانک کر اُکتا گئے تھے انتظار تلخ ہوا جا رہا تھا۔ آخر انہوں نے طیاروں کو دُشمن کے فوجی اور فضائی ٹھکانوں پر حملوں کے لئے اور اپنی برّی فوجوں کو فضائی مدد دینے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ وہ تو دُشمن کے ہوائی حملے کے مقابلے کے لئے تیار تھے مگر حیران کہ بھارتی ہواباز اپنے پٹھان کوٹ، آدم پور، ہلواڑہ کے ہوائی اڈوں کی تباہی کا انتقام لینے ابھی سرگودھا کو تباہ کرنے کیوں نہیں آئے؟

اچانک فضا میں گرج سنائی دی۔ سب نے چونک کے دیکھا۔ ہر کوئی اُچک کے اُٹھا اور سب کے اعصاب میں یکبارگی تناؤ اور مزاج میں عتاب آ گیا لیکن وہ دُشمن کا طیارہ نہیں بلکہ اپنا ہیلی کاپٹر تھا جو اُتر رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر زمین پر آ گیا۔ معاً بعد آسمان سے ایک راکٹ سنسناتا ہُوا آیا، ہیلی کاپٹر سے چند ہی گز دُور گرا اور دھماکے سے پھٹا —— دشمن نے چیلنج قبول کر لیا تھا —— پاک فضائیہ کا انتظار ختم ہو گیا۔ ہواباز اسی دھماکے کے منتظر تھے۔ فضائی حملے کے سائرن چیخ اُٹھے۔

انڈین ایئر فورس کے چھ مِسٹیر طیارے نیچی پرواز کرتے راکٹ اور مشین گنیں فائر کرنے جھپٹے میں آ رہے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ وہ یا تو جلدی میں ہیں یا انہیں ٹارگیٹ کے متعلق کچھ شک ہے کیونکہ ان کی فائرنگ بے نشانہ اور بے ٹھکانہ سی تھی۔ عین اُس وقت پاک فضائیہ کا ایک سٹار فائیٹر ایف ۱۰۴ F-104 جو گشتی اڑان پہ گیا ہُوا تھا، فضا میں واپس آتا نظر آیا۔ اس کی کاک پٹ میں فلائٹ لفٹننٹ امجد حسین تھا۔ اس نے اپنے اڈے پر دشمن کے چھ طیاروں

کو جھپٹتے اور فائر کرتے دیکھا تو وہ فضا میں تیر کی طرح دشمن کے دو طیاروں کے اُوپر سے گزر آیا۔ مشین گنوں کی گرج سنائی دی جیسے بادل گرجے ہوں۔ اس گرج کی گونج بھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ دشمن کے دو طیارے فضا میں بموں کی طرح پھٹے اور ان کے پرخچے اور بھارتی ہوابازوں کے جسموں کی بوٹیاں آسمان میں بکھر کر سرگودھے کی غیور مٹی میں مل گئیں۔ امجد حسین کی گنوں کی بوچھاڑیں اُن کی تیل کی ٹینکیوں میں لگی تھیں ۔۔۔ یہ سب کچھ چند سیکنڈ میں ہوگیا ۔ مسٹیر طیاروں نے پھٹ کر جو دھوئیں کی گھٹائیں فضا میں چھوڑی تھیں وہ نہایت آہستہ آہستہ بھارت کی طرف اُڑنے لگیں ۔

فضائی اڈے کی جانباز مخلوق ابھی ان دو طیاروں کی تباہی کا منظر دیکھ رہی تھی کہ طیارہ شکن توپچیوں کے کمانڈر لفٹننٹ کرنل گوندل کے جیالوں نے دو مسٹیر طیارے مار لئے۔ دونو سرگودھے کے ہرے بھرے کھیتوں میں گرے اور ان کا دھواں اپنے پہلے دو ساتھیوں کے پیچھے پیچھے آسمان کی طرف اُٹھنے لگا۔

فضا میں بھارت کے صرف دو مسٹیر رہ گئے تھے جن کے ہواباز زندگی اور موت کے اس قدر تیز اور اس قدر ہولناک معرکے کو شاید برداشت نہ کر سکے اور اڈے کو نقصان پہنچائے بغیر جانیں بچا کر کھسک گئے ۔۔۔ فضائی حملہ ختم ہوگیا۔

ابھی حملے کے اختتام (آل کلیئر) کا سائرن بج ہی رہا تھا کہ وہ سرگودھے والوں کو ایک اور حملے کے لئے خبردار کرنے لگا۔ اب کے دشمن کے چھ ہنٹر طیارے آئے لیکن سکواڈرن لیڈر محمد محمود عالم اور اس کا نمبر ۲، فلائنگ آفیسر مسعود اختر اُن کے استقبال کے لئے فضا میں موجود تھے۔ دشمن شاید جنگِ عظیم دوم کی ٹیکنیک کے مطابق موج در موج حملہ کرنا چاہتا تھا۔ پہلے چھ مسٹیر آئے تھے، پھر چھ ہنٹر آگئے اور ان کے بعد جانے کون سے طیاروں کو آنا تھا؟

سکواڈرن لیڈر عالم اس حملے کو اپنی زبان میں یوں بیان کرتا ہے ۔۔۔

"جب پہلے حملے کی وارننگ ملی اُس وقت ہم زمین پر اپنے اپنے طیاروں کی کاک پٹوں میں پیٹیوں میں بندھے ہوئے تھے۔ حملے کے دوران طیارے اُڑائے نہیں جاتے کیونکہ دشمن کو بڑا آسان ٹارگیٹ مل جاتا ہے۔ وہ اٹھتے طیارے کو مار لیتا ہے۔ ہمیں کاک پٹوں سے نکل آنے کو کہا گیا لیکن ہم نکلنے بھی نہ پائے تھے کہ حملہ ختم ہوگیا اور ہم طیاروں میں بیٹھے رہے ۔ حملے کے بعد ہم نے چائے کی ایک ایک پیالی پی۔ پُورے چھ بجے سائرن نے ایک اور حملے کے لئے خبردار کیا تو مَیں اور میرا نمبر ۲، فلائنگ آفیسر مسعود اختر بھاگ کر طیاروں میں بیٹھے اور اُڑ گئے۔ دوسرا حملہ نیچی پرواز پر آرہا تھا۔ مَیں اور مسعود فضا میں چکر کاٹتے اُوپر ہی اُوپر اُٹھتے گئے۔ زمین سے کنٹرولر ہمیں تیزی سے بڑھتے ہوئے دشمن کے متعلق بتا رہا تھا۔ ہمارے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہوتی چلی گئیں اور خون گرم ہونے لگا....

"ہم دس ہزار فٹ کی بلندی پر اُڑ رہے تھے جب کنٹرولر نے ہمیں بتایا کہ دشمن کے ہنٹر طیارے ہوائی اڈے کے قریب پہنچ گئے ہیں اور حملہ کرنے کے لئے اُوپر اُٹھ رہے ہیں۔ کنٹرولر کے ساتھ ہی مجھے مسعود اختر کی آواز سنائی دی ۔۔۔ "کانٹیکٹ" CONTACT ۔۔۔ مَیں نے دشمن کے طیاروں کو دیکھ لیا۔ مَیں نے یہ بھی دیکھا کہ طیارہ شکن گنیں ان پر دھاڑ دھاڑ کر آگ اگل رہی تھیں۔ مَیں دشمن کے طیاروں کے پیچھے آکر اپنے توپچیوں کی فائرنگ کی بوچھاڑوں میں حملے کے لئے غوطہ لگا گیا۔ مسعود اختر کا طیارہ عقب سے میرے ساتھ چپکا ہُوا تھا۔ ہم نے غوطے کے دوران پروں سے تیل کی فالتو ٹینکیاں گرا دیں۔ جب ہم دشمن کے قریب پہنچے تو مَیں نے اس کی فارمیشن کے پیچھے دو اور ہنٹر طیارے اُڑتے دیکھے....

"انہوں نے ہمیں دیکھ لیا اور ان میں سے ایک دائیں طرف گھوم گیا ۔

میں نے طیارہ اُوپر کھینچ لیا ورنہ میں اُس کے اُوپر سے گزر جاتا اور صورتِ حال بہت مختلف ہو جاتی۔ میں گھوم کر پیچھے چلا گیا اور واپس آ کر پیچھے سے ایک ہنٹر کو زد میں لے لیا۔ وہ میری زد سے بچنے کے لئے داؤ پیچ کھیلنے لگا لیکن میں نے اسے نکلنے نہ دیا۔ ذرا ہی دیر کے تعاقب اور دائیں بائیں گھومنے پھرنے سے ہماری بلندی ختم ہو گئی اور ہم درختوں کی بلندی تک آن پہنچے۔ بھارتی ہوا باز نے مجھے تعاقب سے جھٹکنے کے لئے طیارے کو عموداً اُوپر کھینچ لیا۔ اُس کا خیال تھا کہ میں اُس کے نیچے سے آگے نکل جاؤں گا لیکن میں بھی اس کے پیچھے عموداً اُوپر اُٹھ گیا اور اُس کی دم کے ساتھ چپک گیا۔ اسی پوزیشن سے میں نے گنوں کی مختصر سی بوچھاڑ فائر کر دی۔ وہ میری زد میں تھا۔ بھارتی طیارے کی باڈی سے شرارے چمکے — میرا نشانہ خطا نہیں گیا تھا — اسے آگ لگ گئی اور میں زنّاٹے سے اُس کے قریب سے گزر گیا....

"میں نے گھوم کے دیکھا، طیارہ جلتا ہُوا گِر رہا تھا اور دوسری طرف فضا میں ایک پیراشوٹ کھلا ہُوا نیچے جا رہا تھا۔ بھارتی ہوا باز طیارے سے نکل گیا تھا۔ وہ انڈین ایئر فورس کے ایک فائٹر سکواڈرن کا کمانڈنگ آفیسر، سکواڈرن لیڈر اونکار ناتھ کاکڑ تھا۔ اسے پکڑ لیا گیا....

"میں اس تعاقب میں دیکھ نہ سکا کہ باقی حملہ آور ہنٹر کدھر نکل گئے ہیں۔ فضا میں سرگودھے کی حفاظت کے لئے صرف میں اور میرا نمبر ۲ تھا۔ بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ میں بے تابی سے دُشمن کے طیاروں کو ڈھونڈنے لگا۔ اتنے میں پاک فضائیہ کے تین طیارے اس انداز سے ہماری طرف آتے نظر آئے جیسے ہم پر حملہ کرنے آ رہے ہوں لیکن قریب آ کر انہوں نے ہمیں پہچان لیا اور وہ دوسری طرف نکل گئے....

"اُڑتے اُڑتے میں اور مسعود دریائے چناب سے پرے نکل گئے۔ اچانک مسعود چلّایا — "ہنٹر۔ سامنے، ذرا بائیں" — میں نے دیکھا کہ چار ہنٹر طیارے

بڑی اچھی جنگی ترتیب میں اُڑے جا رہے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ تیزی سے گھوم کر اُوپر اُٹھنے لگے۔ میں نے طیارہ گھمایا اور ان کے پیچھے سے خاصا ان کے قریب پہنچ گیا۔ میری گن سائٹ (شِست) کے دس روشن اور بے رحم نقطے ان پر منطبق ہو گئے پھر ایک ایک کو لپیٹ میں لینے لگے۔ میں نے فائرنگ شروع کر دی۔ تمام آسمان میں شرارے چمک اُٹھے اور شعلے بھڑکنے لگے — دھماکے بھی ہوئے۔ چند ہی لمحوں میں چار مُردہ بھارتی ہوا باز جلتے ہوئے طیاروں میں بندھے ہوئے پاکستان کی مقدس سرزمین پر گِر رہے تھے۔"

جب عالم کے مارے ہوئے بھارتی طیارے جلتے ہوئے گِر رہے تھے تو اُس کا نمبر ۲، مسعود اختر، ہیجانی کیفیت میں گننے لگا اور اُس کی آواز زمین پر ہوائی اڈّے کے کنٹرولر کو بھی سنائی دینے لگی — "ایک۔ دو۔ تین۔ چار" — کنٹرولر فضا میں ہوا بازوں کے ساتھ رابطہ قائم رکھتا ہے۔ اس نے پوچھا — "کیا گِن رہے ہو؟" — مسعود بولا — "ہنٹر اور کیا!"

"اچھا اچھا" — کنٹرولر بولا — "میں سمجھا پرندے گِن رہے ہو۔"

وہ پرندے ہی تو تھے، موٹے تازے بھارتی پرندے۔ شاہبازوں کا من بھاتا شکار۔ ایک ہی معرکے میں بھارت کے چھ میں سے پانچ ہنٹر طیارے گِرا لئے گئے تھے اور اس قدر حیران کُن کم وقت میں جس کی مثال فضائی معرکوں کے عالمی ریکارڈ میں نہیں ملتی۔ چھٹا ہنٹر جو عالم کی زد سے بچ گیا تھا وہ راستے میں انجن بگڑ جانے سے بیکار ہو گیا اور اُس کا ہوا باز پیراشوٹ سے کود گیا۔ یہ غالباً لفٹننٹ کرنل گوندل کے توپچیوں کا کمال تھا لیکن اُصول کے مطابق کرنل گوندل نے کوئی ثبوت نہ ہونے کی وجہ سے دعویٰ ہی نہ کیا کہ اس طیارے کو اُس کے جوانوں نے بیکار کیا ہے۔

عالم نے تیس سیکنڈ میں تاریخ کا وہ باب لکھ ڈالا جو ہماری نسلیں صدیوں تک فخر سے سُنتی سناتی رہیں گی۔

ایک روز پہلے چھ ستمبر کی شام اسکواڈرن لیڈر عالم نے دشمن کے علاقے میں حملہ کرنے کے لئے تین سیبر طیاروں کی ایک فارمیشن کی قیادت کی تھی. اُس کے ساتھ سکواڈرن لیڈر علاؤالدین احمد شہید بھی تھا اور تیسرے طیارے میں فلائٹ لفٹننٹ سیّد سعد حاتمی تھا. تینوں امرتسر کے مشہور قصبے ترن تارن کے قریب پہنچے تو علاؤالدین نے عالم کو وائرلیس پر اطلاع دی۔

——"چار ہنٹر. سامنے ذرا بائیں. پانچ سو فٹ کی بلندی پر."

اس معرکے کو بھی عالم کی زبانی سنیئے —— "جنگی ترتیب میں دشمن کے چار ہنٹر طیارے ہم سے دو تین سو فٹ دُور سامنے سے گزر رہے تھے. ہم ان کے علاقے میں کہیں حملہ کرنے جا رہے تھے. انہیں غالباً یہ توقع بھی تھی کہ وہ ہمیں بے خبری میں لے لیں گے لیکن انہیں علم ہی نہیں تھا کہ ہم ان سے دو ہاتھ دُور اسی فضا میں اُڑ رہے ہیں....

"میں نے اپنے ہوابازوں سے کہا —' فالتو ٹینکیاں پھینک دو اور گنیں تیار کر لو —' ٹینکیاں الگ ہوتے ہی ہم ان پر جھپٹے میں چلے گئے. انہوں نے ہمیں دیکھ لیا اور نہایت سرعت سے ہمارے جھپٹے سے بچنے کے لئے ایک طرف گھوم گئے....

"جب فضائی معرکے کی مشق کی جاتی ہے تو عجیب لطف آتا ہے لیکن یہ مشق نہیں مرنے مارنے کا حقیقی معرکہ تھا. ہم تینوں ہواباز پہلی بار فضا میں دشمن کے سامنے آئے تھے. جنگ اُسی روز شروع ہوئی تھی. یہ مشین اور انسان کی آزمائش کی گھڑی تھی. ہنٹر طیارہ فضا میں بڑا خوب صورت اور شاہباز نظر آتا ہے. آج پہلی بار برطانیہ کے بنے ہوئے ہنٹر طیارے جن کی قوت کا بہت شور سنتے تھے، پرانی طرز کے امریکی سیبروں کے مقابلے میں آئے تھے. عالمی فضائی معرکوں کی تاریخ پڑھیے تو پتہ چلتا ہے کہ ایسا کم ہی ہوا ہے کہ دونوں طرف کے طیارے رفتار اور مار میں ایک جیسے ہوں. کوئی سست

رفتار ہوتا ہے، کوئی تیز رفتار، کوئی کم تر اور کوئی برتر، لیکن معرکے کی جیت ہار کا فیصلہ ہر حال میں طیارے کی برتری نہیں ہواباز کا اپنا جذبہ اور اپنی جرأت کیا کرتی ہے....

"ان پر غالب آنے میں ہمیں دیر نہ لگی. ایک ہنٹر میری گن سائٹ میں آ گیا. میں قریب ہوتا چلا گیا اور وہ ہنٹر میری سائٹ میں بڑا ہی بڑا ہوتا چلا گیا. میں نے چھوٹا سا برسٹ (بوچھاڑ) فائر کر دیا. میری گولیاں ضائع نہ گئیں. میرے شکار نے پلٹنی کھائی اور بے کار ہو کر گرنے لگا. معاًبعد وہ آگ کا مہیب شعلہ بن گیا.... فضا میں موت تیز اور یقینی ہوتی ہے....

"ایک طیارہ مار گرانے سے ہماری مشکل آسان ہو گئی. اب ہم تین پاکستانی ہوابازوں نے بھارتیوں کو آگے لگا لیا تھا. میں نے اور علاؤالدین احمد نے بیک وقت اپنے اپنے شکار پر فائر کیا. دشمن کے دونوں طیاروں سے دھواں نکلنے لگا. شدید ضربیں کھا کر وہ اِدھر اُدھر ہو گئے. فوراً بعد فلائٹ لفٹننٹ حاتمی نے اپنے شکار پر بھرپور برسٹ فائر کر دیا اور انڈین ایئرفورس کا ایک اور ہواباز اس دنیا سے اُٹھ گیا. ہنٹر حاتمی کی گولیاں لگتے ہی پھٹ گیا تھا. اب بھارت کے آسمان میں صرف ہم تین پاکستانی اُڑ رہے تھے اور فضا میں ہماری حکمرانی تھی. ہنٹر جس کا اردو ترجمہ شکاری ہے، شکار ہو چکے تھے، لیکن یہ تو ابتدا تھی، جنگ تو اُسی صبح شروع ہوئی تھی....

"اس تعاقب اور معرکے میں ہمارے طیاروں میں تیل کافی نہ رہا اور ہم نے واپسی کا رخ کر لیا. جب ہم پاکستان کی سرحد کے قریب پہنچے تو سامنے سے دو اور ہنٹر آ گئے. اپنے طیارے میں تیل کم ہی سہی لیکن بھارتی طیاروں کو دیکھ کر طبیعت میں ایسا اشتعال آ جاتا ہے کہ جھپٹا مارے بغیر چین نہیں آتا. میں نے ان ہنٹروں کو دیکھا تو ان سے اُلجھ پڑا. ایک کو تو میں نے ذرا ہی دیر میں فضا میں ہی تباہ کر دیا اور دوسرے کو خاصا نقصان پہنچایا. میری چوٹ کھا

کر اُس کی اُڑان سے پتہ چلتا تھا کہ وہ بمشکل اپنے اڈے تک پہنچے گا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ ہواباز راستے میں پیراشوٹ سے اُتر گیا ہو۔ افسوس ہے کہ میرے پاس تیل کم تھا۔ فالتو ٹینکیاں پہلے ہی گرائی جا چکی تھیں ورنہ میں اُس کے پیچھے جا کر اُسے فضا میں ختم کر دیتا....

مجھے بعد میں اطلاع ملی (جو قابلِ یقین تھی) کہ بھارت کا یہ ہواباز بھارت کے وائس پریزیڈنٹ ڈاکٹر ذاکر حسین کا بیٹا، فلائٹ لفٹننٹ حسین تھا۔ ہنسی تو مجھے اُس وقت آئی جب میں نے آل انڈیا ریڈیو سے یہ خبر سُنی کہ انڈین ایئر فورس کے فلائٹ لفٹننٹ حسین کو پاک فضائیہ کے ہوابازوں کے ساتھ نبرد آزما ہونے کے صلے میں 'ویر چکر' عطا کیا گیا ہے اس کی بہادری دراصل یہ تھی کہ وہ میرے ہاتھوں بیکار کئے ہوئے طیارے کو واپس لے گیا تھا۔"

جری اور دلاور ہواباز سکواڈرن لیڈر محمد محمود عالم کے جسم جُثے اور قد و قامت کو دیکھو تو یقین نہیں آتا کہ وہ اِس قدر دلاور ہو سکتا ہے۔ اس نے ۱۷ ستمبر کے روز بھی بھارتی سرحدوں کے دُور اندر بہت بلندی پر دو ہنٹر طیاروں سے جھڑپ لے کر دونوں کو مار گرایا تھا۔ تفصیلات یُوں ہیں کہ اُس روز فلائنگ آفیسر شوکت اُس کا نمبر ۲ تھا۔ پاک فضائیہ کے دو طیارے دُشمن کے کسی ٹھکانے پر حملہ کرنے گئے تھے۔ دریائے بیاس کے اُوپر بھارت کے دو ہنٹر طیاروں نے انہیں روک لیا۔ عالم نے ان کے لیڈر کو پہلے ہی جھپٹے میں لے لیا۔ اسے ایک ہی برسٹ میں مار گرایا لیکن حادثہ یہ ہُوا کہ دوسرا ہنٹر شوکت کے پیچھے آ لگا۔ شوکت، عالم کو عقب سے محفوظ رکھنے میں محو تھا۔ ہنٹر کے ہواباز کو موقع مل گیا اور اُس نے شوکت کے طیارے پر فائر کر کے اسے مار لیا۔ شوکت جلتے ہوئے طیارے سے کُود گیا۔ نیچے دُشمن کا علاقہ تھا۔ شوکت کو جنگی قیدی بنا لیا گیا لیکن عالم نے وہیں انتقام لے لیا۔ اس

نے انتقام کے جذبے سے دیوانہ ہو کر اس ہنٹر کو ایک دو چکر دے کر آ گے لگا لیا اور دوسرے لمحے عالم کی مشین گنوں نے ذرا سا برسٹ فائر کر کے اس بھارتی ہواباز کو اپنے لیڈر تک پہنچا دیا ـــــ دونو ہنٹر اپنے ہوابازوں سمیت ختم ہو گئے۔

ان فضائی معرکوں کے علاوہ عالم نے پاک فوج کی مدد کرتے ہوئے دشمن کی برّی فوج کو بہت نقصان پہنچایا۔ وہ کئی بار اس مشن پر گیا اور دُشمن کے اگلے مورچوں اور پچھلی لائن میں تباہی مچا کے لَوٹا۔ اس کا حیران کُن اور جان جوکھوں کا کارنامہ تو وہ تھا جب جوڑیاں سیکٹر میں وہ دُشمن کی فوج پر جھپٹے مار رہا تھا۔ دُشمن کے زمینی طیّارہ شکن فائر سے اس کے طیّارے کی کینوپی CANOPY (پائلٹ کی کاک پٹ کی پلاسٹک کی چھت جو اُڑتے وقت بند رکھی جاتی ہے) اُس کے سر کے ذرا پیچھے سے ٹوٹ پھوٹ گئی۔ جیٹ طیارے کی کینوپی کا ٹوٹ جانا بہت خطرناک ہوتا ہے۔

عالم کہتا ہے ـــــ "جب ہم جوڑیاں سیکٹر پر پہنچے تو فضا میں دُشمن کا کوئی طیارہ نہ تھا اور نیچے جوڑیاں کی فیصلہ کن جنگ عروج پر تھی۔ فلائٹ لفٹننٹ جیلانی میرا نمبر ۲ تھا۔ (جیلانی نے جنگ کے دوران فضائی معرکوں میں دُشمن کا ایک نیٹ اور ایک ہنٹر طیّارہ مار گرایا تھا) ہم دونو درختوں کی بلندی پر زمین سے اُٹھتے توپوں کے پھٹتے گولوں کی دھوآں دھار میں اُڑ رہے تھے۔ ہم نے دُشمن کی پوزیشنیں دیکھ لیں تو دُشمن کی توپوں نے اپنی پسپا ہوتی سینا کی حفاظت کے لئے بے تحاشا فائر کھول دیا۔ میرا طیّارہ ہٹ ہو گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ میری کینوپی بُری طرح ٹوٹ گئی تھی۔ مجھے واپس آ جانا چاہیئے تھا لیکن میں نے دُشمن کی توپیں دیکھ لی تھیں۔ بڑا پُرکشش اور اشتعال انگیز تارگیٹ تھا۔ واپس آنے کو جی نہ چاہا۔ مَیں نے اپنے نمبر ۲، فلائٹ لفٹننٹ جیلانی کے ہمراہ متعدد حملے کئے اور اس قدر ظالمانہ فائرنگ کی کہ دُشمن کی

گنوں کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا اور ہم واپس آگئے۔"

☆

عہد پورا کر دیا

۴ ستمبر کی صبح اُسے پیشاب میں خون آیا۔ وہ رات بھر گُردے کے ناقابلِ برداشت درد سے تڑپتا اور کراہتا رہا تھا اور اُسے تیز بخار تھا۔ لمحہ بھر کے لئے بھی آنکھ نہ لگی تھی۔ بے حال ہو ہو کر اُس نے ہسپتال جانے کا ارادہ کیا لیکن اُس کی ذات میں ایک جذبہ اور ایک احساس بیدار ہو کر اُس کی راہ میں حائل ہو گیا جس نے اُسے ہسپتال نہ جانے دیا۔ فلائٹ لفٹننٹ سید شمس الدین احمد ایسے وقت بال و پر بریدہ ہو کر ہسپتال میں جا گرنے سے گریز کر رہا تھا جب برِصغیر کے آسمان پر جنگ کی گھٹائیں تیزی سے گہری ہو رہی تھیں۔ وہ بمبار ہوا باز تھا۔ فضائیہ میں آ کر اُس نے ملک سے وفاداری کا جو عہد کیا تھا اُسے اس عہد کا پاس تھا۔ (ٹریننگ کے اختتام پر مسلح افواج کے ہر فرد سے ایک عہد نامے پر دستخط کرائے جاتے ہیں جس کے الفاظ مختصراً یہ ہوتے ہیں کہ میں ملک و ملت کا وفادار رہوں گا اور ملک کے دفاع میں جان دینے سے بھی گریز نہیں کروں گا۔) ــــ فلائٹ لفٹننٹ شمس الدین کو گوارا نہ تھا کہ آزمائش کی اس کٹھن گھڑی وہ عہد پورا کرنے سے قاصر رہے۔ وہ وقت آن پہنچا تھا جس کے لئے پاک فضائیہ نے اُسے بڑی جانفشانی سے تربیت دی تھی، لیکن گُردے کے درد کی شدت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ اس حال میں اُسے

ہسپتال چلے جانا چاہیئے تھا۔

۴ ستمبر کا دن گزر گیا۔ ایک اور رات کرب و ابتلا میں گزر گئی۔ ۵ ستمبر کا دن ۴ ستمبر سے بہتر نہ تھا اور رات گزری ہوئی راتوں کی طرح علیل اور بے آرام تھی لیکن شمس الدین احمد ہسپتال نہ گیا۔ وہ ملک و ملت سے وفاداری کا عہد پورا کرنے کے انتظار میں گردے کا شدید درد کسی کو بتلائے بغیر برداشت کرتا رہا۔

اُسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ چھ ستمبر کی سحر بھارتی سُورمے چوروں کی طرح لاہور کی سمت سے بین الاقوامی سرحدوں میں گھس آئے۔

اٹھائیس سال کا جیالا جانباز فلائٹ لفٹننٹ شمس الدین احمد ہوائی اڈے کے اپریشن روم میں داخل ہُوا۔ (یاد رہے یہ کسی ہسپتال کا اپریشن روم نہیں تھا بلکہ ہوائی اڈے کا اپریشن روم تھا جہاں سے ہوابازوں کو دفاعی یا جارحانہ حملوں یا دشمن کے حملہ آور طیاروں سے جھڑپ لینے اور ہر قسم کی جنگی پروازوں کی آخری ہدایات دی جاتی ہیں) شمس اس کمرے میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر گردے کے درد کی بے رحم اذیت کے آثار نمایاں تھے۔ چہرے کے ایک ایک خط سے درد اور گذشتہ رات کے بخار اور شب بیداری کی مُردنی ہویدا تھی، لیکن اُس کی آنکھوں میں جو چمک تھی اُس سے جذبۂ جہاد اور حُب الوطنی کا پتہ ملتا تھا۔ وہ زندگی کا بھیانک ترین خطرہ مول لینے آیا تھا۔ ایسا خطرہ جو اُس کی اپنی جان، اپنے نیوی گیٹر کی جان اور بیش قیمت طیارے کی تباہی کا باعث ہو سکتا تھا۔ وہ بمبار ہواباز تھا۔ بمبار طیارے میں ہواباز کے ساتھ ایک نیوی گیٹر (راہ دکھانے والا) بھی ہوتا ہے جب کہ لڑاکا طیارے میں صرف ایک ہواباز ہی اُڑاتا ہے۔ جیٹ طیارے کی تباہی اور ہواباز کی موت کے لئے کسی بہت بڑی لغزش یا حادثے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ذرا سی غلطی یا ہلکی سی بے احتیاطی طیارے اور اس کے ہواباز کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتی ہے۔

شمس الدین احمد ہوابازی کے ان پُرخطر حقائق سے آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر فضا میں گردے کا درد تیز ہوگیا تو انجام صرف موت ہوگا۔ بچ نکلنے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ شمس کی اپنی اکیلی جان ہوتی تو اور بات تھی۔ اُسے اپنے ساتھ ایک اور انسان (نیوی گیٹر) کو بھی ساتھ لے جانا تھا۔ اُس نے سوچا ——
"اگر میں اس حال میں طیارے کو سنبھال نہ سکا اور تباہ ہوگیا تو کیا خدا مجھے ایک بے گناہ انسان (نیوی گیٹر) کی جان لینے پر بخش دے گا؟" —— اُس کے عزم کی راہ میں یہی ایک سوال حائل تھا۔

لیکن اُس پر وجدانی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ دشمن اُس کے وطن پر چڑھ دوڑا تھا۔ اُس کے وطن کی آبرو سخت خطرے میں تھی۔ اس حقیقت نے اس کے تمام خوف جھٹک ڈالے۔ اس کیفیت میں اُسے اپنے اللہ اور اپنی ذات پر مکمل اعتماد محسوس ہونے لگا —— یہ ایک مقدس احساس تھا۔

"کیا میں اپنے کمانڈنگ آفیسر کو بتا دوں کہ میں پرواز کے لئے جانا چاہتا ہوں لیکن میں شدید علیل ہوں؟" اُس نے سوچا۔

"نہیں" اُس کی ذات سے آواز اُٹھی "وہ تمہیں فوراً ہسپتال بھیج دے گا۔ کمانڈنگ آفیسر کو نہ بتاؤ ورنہ ملک و ملت سے عہد پورا نہ کر سکو گے۔"

شمس نے اپنی زندگی کا خطرناک ترین فیصلہ کر لیا۔ اب سوال یہ تھا کہ اس کے ساتھ نیوی گیٹر کون ہوگا! اُس نے اپریشن روم میں نگاہیں دوڑائیں کمرے کے ایک کونے میں متین اور سنجیدہ سکواڈرن لیڈر شعیب عالم بیٹھا تھا —— وہ نیوی گیٹر تھا وہ بھی شاہباز تھا لیکن اس کے پَر نوچ کر اُسے سٹاف ڈیوٹی پر ایئر ہیڈ کوارٹر کے قفس میں بند کر لیا گیا تھا مگر وہ شوقِ جہاد اور شہادت کے جذبے سے دیوانہ ہو کر کسی نہ کسی طرح سٹاف ڈیوٹی کا پنجرہ توڑ کر اس اُمید پر اپریشن روم میں آبیٹھا تھا کہ دشمن سے دو دو ہاتھ کرنے کا موقع مل جائے گا۔

شمس الدین احمد نے شعیب عالم کو دیکھا تو اُس کا جی نہ چاہا کہ اس بھرے

بھرے پُرے بھرے اور امنگوں سے بھرپُور جوان کو اسی عمر میں موت کے مُنہ میں لے جائے۔ اُس نے قدرے پس و پیش کی اور اسے خیال آیا کہ کاش وہ فائٹر پائلٹ ہوتا اور اکیلا اُڑ جاتا، لیکن ایمان کی حرارت نے اُسے بے چین کر دیا اور وہ بے قابو سا ہو کر شعیب عالم کے پاس جا بیٹھا اور آہستہ سے پوچھا —— "میرے ساتھ اُڑو گے؟" —— یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ شعیب انکار کر دیتا لیکن شمس نے اُسے بتانا شروع کر دیا کہ وہ کس جسمانی حالت میں پرواز کر رہا ہے۔ اُس نے شعیب عالم کو اپنے گُردے کی اذیّت ناک تکلیف اور گذشتہ شب و روز کی کربناک حالت کی تفصیلات سُنا ڈالیں تاکہ شعیب عالم اُس کے ساتھ جانے سے پہلے سوچ سمجھ کر فیصلہ کر لے۔ یہ زندگی اور موت کا نہیں صرف موت کا سوال تھا —— صرف موت، اپنے مقدّس وطن کے لیے جان کا نذرانہ!

"سوچ لو شعیب عالم" —اس نے کہا— "اب بھی میرے ساتھ چلو گے؟"

"کیوں نہیں" —شعیب نے مُسکرا کر کہا— "مَیں تمہارے ساتھ اُڑوں گا۔"

شعیب عالم انکار کیونکر کرتا۔ جواں سال شمس کے آہنی عزم اور سرفروشی کو دیکھتے ہوئے اُس نے فخر محسوس کیا کہ جواں سال شمس جیسے بمبار ہوا باز کے ساتھ پرواز کرنے کا پھر شاید موقع نہ ملے۔ شمس حیرت زدہ سا ہو گیا۔ اُسے توقع تھی کہ اُس کی جسمانی حالت اور صحت کی ابتر کیفیّت کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی نیوی گیٹر اُس کے ساتھ پرواز کے لیے تیار نہیں ہو گا۔ اگر کوئی نیوی گیٹر انکار کر بھی دیتا تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ موت سے ڈر گیا ہے بلکہ سروس کے کچھ قواعد و ضوابط ہیں جن کے تحت شمس الدّین کو ہوائی اڈّے کے اپریشن روم میں نہیں بلکہ ہسپتال کے اپریشن ٹیبل پر ہونا چاہیئے تھا لیکن پاک فضائیہ کے شاہبازوں کو اپنا نہیں اپنے وطن کا خیال تھا اور چھ ستمبر کی صبح یہی ایک خیال سب کے دل و دماغ میں سمایا ہُوا تھا۔

شعیب عالم کی پُرعزم مسکراہٹ اور اس کے ایک جُملے نے کہ "میں تمہارے

ساتھ اُڑوں گا" شمس الدین احمد پر سکون کی ایسی کیفیت طاری کر دی جیسے اس کے روگ کو اس کے جسم نے اپنے ہی اندر جذب کر کے ختم کر ڈالا ہو۔ علیل شمس اچھا بھلا فلائٹ لفٹننٹ شمس الدّین احمد بمبار پائلٹ بن گیا۔ اپریشن روم کے باہر بلیک آؤٹ کی تاریکی تھی۔ کہیں ایک آدھ چراغ کی ٹمٹماتی لَو بھی نظر نہ آتی تھی۔ فضا میں جنگ کی تپش تھی جسے چاند کی مدھم مدھم سی چاندنی ٹھنڈا کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔

شمس اور شعیب پہلی جنگی پرواز پر چلے گئے اور اُس رات سے جنگ ختم ہونے تک دونو دلاور ساتھی ہر رات دُشمن کے فوجی ٹھکانوں اور ہوائی اڈوں پر بمباری کے لیے جاتے رہے۔ انہیں مار گرانے کے لیے دُشمن کی طیّارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے ان پر مسلسل فائرنگ کی لیکن وہ ٹریسر ایمونیشن کے جال اور طیّارے کے اردگرد پھٹتے گولوں میں اُڑتے، جھک جھک کر دشمن کی کمر توڑتے رہے۔ اُنہوں نے بمباری سے دُشمن کے کئی اہم اڈوں اور ذخیروں کا صفایا کیا۔ ان کی جنگی پروازوں میں جو بات حیران کُن تھی وہ یہ تھی کہ شمس اور شعیب نے شمس کی علالت کو صیغۂ راز میں رکھا، ورنہ اسے فوراً پرواز کے ناقابل GROUNDED کر دیا جاتا۔ معجزہ تو یہ ہُوا (جو دراصل شمس الدّین کی ایمانی قوّتوں کا کرشمہ تھا) کہ جب وہ زمین پر ہوتا اُسے گُردے کا شدید درد بے حال کر دیتا اور وہ اس جان لیوا روگ کو اپنے کمانڈنگ آفیسر سے چھپاتے چھپاتے پھرتا لیکن وہ جونہی طیّارے میں بیٹھ کر حملے کے لیے روانہ ہونے لگتا تو اُس کا درد یُوں رفع ہو جاتا جیسے وہ کبھی بیمار ہُوا ہی نہیں تھا۔ اگر ڈاکٹر کسی بھی وقت شمس الدین احمد کا معائنہ کر بیٹھتا تو وہ رپورٹ لکھ دیتا کہ یہ ہوا باز اور اس کا نیوی گیٹر ہر رات خودکشی کی کوشش کرتے ہیں اور معلوم نہیں کہ یہ ہوا باز اس جسمانی حالت میں طیّارے کو کِس طرح یکسوئی سے سنبھالتا ہے۔

صرف ایک رات یہ کرشمہ جُل دے گیا۔ اُس رات شمس اور شعیب اپنے بمبار

بی۔۵۷ طیارے میں ہلواڑہ (لدھیانہ) کے ہوائی اڈے پر بمباری کے لئے گئے۔ ان کا طیارہ تارگیٹ کے اُوپر پہنچا تو نیچے سے طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ شمس کے گُردے سے دَرد کی ایسی ٹیس اُٹھی جیسے کسی نے خنجر گھونپ دیا ہو۔ وہ آزمائش کا بھیانک لمحہ تھا۔ شمس تڑپ اُٹھا —— درد کی اذیت سے نہیں بلکہ اس خیال سے کہ درد کس وقت اُٹھا —— وہ درد سے ادھ مؤا ہو گیا۔ دشمن کے زمینی توپچی فضا کے اِنچ اِنچ پر آگ اُگل رہے تھے۔ طیارہ ان کی زد میں تھا۔ شمس کراہ رہا تھا۔ وہ کاک پٹ میں دہرا ہو گیا۔ اُسے دُشمن کے طیارہ شکن فائر کا ذرہ برابر ڈر نہیں تھا۔ وہ تاک کر بم گرانا چاہتا تھا۔ وہ اندھا دھند بم گرا کر بم ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا نہ بم واپس لے آنا اسے گوارا تھا۔ آزمائش کی ایسی نازک گھڑی وہ خدائے ذوالجلال کے حضور گڑگڑانے لگا اور اُس نے کلام پاک کی آیت وَلِلّٰہِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ کا ورد شروع کر دیا۔

مقدّس آیت کا ورد کرتے ہوئے شمس الدّین نے طیارے کو ہوائی اڈے کی طرف گھمایا اور بم گرانے کے لئے غوطے میں چلا گیا۔ دشمن کی گنوں نے پہلے سے زیادہ قیامت بپا کر دی لیکن پاکستان کا یہ شاہباز حشر کی اس فائرنگ میں خدائے بزرگ و برتر کے کلام کا ورد کرتے یکسوئی سے آگے بڑھتا گیا۔ وہ تو جیسے جلتے تنور میں جا رہا تھا۔ طیارہ شکن توپوں کے جانے کتنے ہی گولے بیک وقت اُس کے طیارے کے قریب آ پھٹے۔ طیارہ ایسا بُری طرح جھنجھوڑا گیا جیسے شمس کے قابو سے نکل گیا ہو —— شمس کا درد یکبارگی تھم گیا۔

وہ آیت کا ورد کرتا رہا اور طیارے کو تارگیٹ کی سیدھ سے بھٹکنے نہ دیا۔ شمالی بھارت کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ اُس کے سامنے سائے کی طرح بڑھا ہوا چلا گیا۔ زمینی توپچیوں کی نگاہیں اس کے طیارے پر تھیں اور اب اُنہوں نے 'ریپڈ' (تیز) فائرنگ شروع کر دی لیکن شمس کی نگاہ تارگیٹ پر تھی اور شعیب عالم اُس کے پیچھے مکمل سکون سے بیٹھا خدا کو یاد کر رہا تھا جب طیارہ بم گرانے کے

مقام پر آیا تو شمس نے شعیب کو خبردار کیا اور نہایت اطمینان سے بٹن دبا دیا۔ طیارہ شدید جھٹکے سے اُوپر اُٹھا —— ایک ایک ہزار پونڈ کے آٹھ بم اس کے طیارے سے نکل کر دشمن کے ہوائی اڈے کی طرف گرنے لگے۔ فضا میں بموں کی چیخیں سنائی دیں اور یہ قہر آلود چیخیں بھارتیوں کو لرزہ براندام کر کے اچانک ایسا دھماکہ بن گئیں جس سے بھارت کا یہ خطہ میلوں دُور تک کانپ اُٹھا —— ان میں سے ایک بم پٹرول کے بہت بڑے ذخیرے میں جا پھٹا۔ ایسا شعلہ اُٹھا جو شب کی تیرگی میں ساٹھ میل دُور سے بھی نظر آتا تھا۔ شعلہ اُوپر ہی اُوپر اُٹھنے لگا اور سیاہ کالا دھواں بھارت پر چھانے لگا۔

دُشمن کے تابوت میں ایک اور کیل ٹھونک کر شمس نے شعیب کو بتایا کہ وہ بم گرا چکا ہے۔ شعیب نے اسے واپسی کے راستے کا صحیح تعیّن کر دیا۔ حملہ کامیابی سے مکمل ہو گیا اور شمس پر فرض کا جو بوجھ تھا وہ اُتر گیا تو گُردے کا دَرد لوٹ آیا۔ طیارے کو سنبھالنا تو درکنار شمس کے لئے اپنے آپ کو سنبھالنا ناممکن نظر آنے لگا لیکن اُس نے طیارے کو اڈے پر صحیح سلامت اُتار لیا۔

اُس کا نیوی گیٹر سکواڈرن لیڈر شعیب عالم کہتا ہے —— "شمس طیارے تک دَرد سے کراہتا ہوا آیا کرتا تھا لیکن طیارے میں بیٹھتے ہی وہ یکسر بدل جاتا تھا۔ دَرد کا احساس ہی مِٹ جاتا تھا۔ وہ نہایت اطمینان اور ٹھنڈے دل سے پرواز کرتا تھا اور نیچی پرواز سے دُشمن کے ٹھکانوں اور ذخیروں پر صحیح نشانوں پر بم گراتا تھا۔ تمام حملوں میں اُس نے ایک بار بھی غلط جگہ پر بم نہیں گرائے۔"

فائر بندی کے دوسرے روز شمس الدّین ہسپتال میں داخل ہُوا۔ اُس کا اپریشن کیا گیا تو اُس کے گُردے میں سے اٹھائیس (۲۸) پتھریاں نکلیں۔ ان اٹھائیس پتھریوں کی اذیت کو وہ مسلسل سترہ روز اور سترہ راتیں کسی کو بتائے بغیر برداشت کرتا رہا۔ وہ اب شاید اُڑ نہ سکے گا لیکن مطمئن ہے کہ اس نے ملک و ملّت سے جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دیا۔

مشکل در مشکل

شمن کا چمکتا ہُوا نیٹ طیّارہ پورے کا پورا میری گن سائیٹ (نشست) میں آگیا اور میں نے فائرنگ بٹن دبا دیا. میرا وار خالی نہیں گیا تھا لیکن اسی لمحے میرا اپنا طیّارہ بڑی زور سے لرزا. مَیں نے پیچھے کا منظر دیکھا —— کیا منظر تھا! —— دُشمن کے دو نیٹ طیّارے کوئی ڈیڑھ ہزار فٹ دُور میرے پیچھے لگے ہوئے تھے. آواز کی رفتار سے تیز یہ طیّارے تیزی سے میرے عقب میں اُڑے آ رہے تھے اور ایک کی مشین گنیں میرے طیّارے پر گولیاں برسا رہی تھیں " —— یہ ہے فلائیٹ لفٹننٹ یوسف علی خان جو چھمب کے آسمان پر سپر سانک نیٹ طیّاروں میں گھِر گیا تھا.

چھمب کی وادی جنگ گزیدہ تھی. پیڑ پودوں سے بھی خون رِس رہا تھا، لیکن فضا کی بلندی سے وادی کا حُسن اب بھی جنگ سے پہلے جیسا نظر آ رہا تھا. صُبح کے سُورج نے فضا کو اور زیادہ نکھار دیا تھا. حاجی پیر اور کارگل کی چوکیوں پر بھارت کے جارحانہ قبضے کے جواب میں پاک فوج اور آزاد کشمیر کی فوج نے جو دفاعی حملہ کیا تھا، اُسے آج تیسرا دن تھا۔ دُشمن کی سپاہ پسپا ہو رہی تھیں اور پاک فوج کے دستے برق رفتاری سے چوٹیاں کی طرف بڑھ رہے تھے. دُشمن نے اپنا ہوائی بیڑا بھی جنگ میں جھونک دیا تھا لیکن انڈین ایئر فورس کے ہواباز

اور جدید لڑاکا بمبار طیارے پاک فوج اور آزاد کشمیر فوج کی پیش قدمی کو نہ روک سکے نہ پسپا ہوتی بھارتی سینا کے قدم جما سکے۔ بھارتی سینا کو تو سیمنٹ اور لوہے کے مضبوط بنکر بھی پناہ نہ دے سکے تھے۔ پاک فضائیہ بھی اپنے فاتح دستوں کو فضائی "کور" دینے کے لئے حرکت میں آگئی تھی جس سے پاک فوج کے حوصلے اور زیادہ بڑھ گئے تھے۔

پاک فضائیہ کا لڑاکا ہوا باز فلائٹ لفٹننٹ یوسف علی خان چھمب سیکٹر میں گشتی پرواز کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور لڑاکا طیارہ تھا جس کا ہوا باز فلائنگ آفیسر خالق تھا۔ وہ دونوں پچیس ہزار فٹ کی بلندی پر اپنی بری فوج کی حفاظت کے لئے نصف گھنٹے سے اُڑ رہے تھے۔ پاک فوج کے فاتح مجاہدوں کے سر پر خدا کا ہاتھ تھا اور انہیں صرف خدائے ذوالجلال پر بھروسہ تھا۔ پھر بھی سروں پر اپنی فضائیہ کے طیارے اُڑتے دیکھ کر سپاہیوں پر نفسیاتی سا اثر ہوتا ہے جو ان کے جوش وخروش اور جذبے میں نئی رُوح پھونک دیتا ہے اور وہ دشمن کے طیاروں سے بے خوف ہو کر جم کر لڑتے ہیں۔ وہ منظر بڑا ہی پیارا اور جذباتی سا ہوتا ہے جب فضائیہ اپنی بری فوج کے سر پر اپنے پروں کا سایہ کئے ہوتی ہے جیسے دشمن کے خلاف بھائی بھائی کی مدد کو آن پہنچا ہو۔ پاک فضائیہ کے شاہباز اسی جذبے سے دیوانے ہو کر پاک فوج کی مدد کو جایا کرتے تھے۔

ایسے ہی جذبات اور احساسات سے سرشار فلائٹ لفٹننٹ یوسف اور فلائنگ آفیسر خالق اپنی فوج کے سر پر اُڑ رہے تھے۔ نصف گھنٹے سے انہیں دشمن کا کوئی طیارہ نظر نہ آیا تھا۔ اچانک یوسف کے وائرلیس پر خالق کی آواز گونجی ——"لیڈر! چار طیارے۔ دائیں طرف۔ ایک میل دُور اس طرف مُڑ رہے ہیں۔" یوسف نے دیکھا۔ دُور چار دھبے سے ان کی طرف مُڑ کر جھپٹے میں آ رہے تھے۔ قریب آتے تو دیکھا کہ یہ دشمن کے چار نیٹ طیارے تھے۔ یوسف

جھڑپ لینے کے لئے تیار ہو گیا اور اُس نے خالق کو تیل کی فالتو ٹینکیاں پھینک دینے کو کہا۔ اُس نے اپنی کاک پٹ میں ہاتھ کو ذرا سی جنبش دی تو اس کے طیارے کی فالتو تیل کی ٹینکیاں دشمن کی فضا میں لڑھک گئیں۔ دشمن قریب آچکا تھا۔ وہ چار تھے۔ یہ دو تھے۔ یوسف نے ٹینکیاں پھینکتے ہی طیارہ ایک طرف گھمایا اور تیزی سے ایک دو پینترے بدل کر ایک نیٹ طیارے کے پیچھے ہو گیا۔ اُس نے نیٹ کو شست میں لینا شروع کیا تو وہ ایک لمحے میں اس کی شست میں آگیا۔ یوسف دشمن کو کامیابی سے زد میں لینے کے لئے طیارہ اس کے قریب کر رہا تھا کہ خالق کی آواز نے اُسے چونکا دیا ——"لیڈر! میری ٹینکیاں گرتی نہیں"—— کسی خرابی کی وجہ سے خالق کی ٹینکیاں طیارے سے الگ نہیں ہو رہی تھیں۔

یوسف چونک تو گیا لیکن اُس نے دشمن کے طیارے کو گن سائٹ سے نکلنے نہ دیا حالانکہ اتنی دیر دشمن کو شست میں رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ شست میں نظریں جمائے اُس نے خالق کو جواب دیا ——"پرواہ نہیں۔ میرے ساتھ رہنا" یوسف کو خوب احساس تھا کہ اُس کا ساتھی کس مشکل میں پھنس گیا ہے اسی لئے وہ اُسے اپنے ساتھ ہی رکھنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی اُسے اپنی عقبی حفاظت کے لئے خالق کو ساتھ رکھنے کی ضرورت تھی۔

خالق اُس کے عقب میں رہا لیکن یوسف نے نیٹ کے تعاقب میں رفتار انتہائی کر لی تھی۔ خالق کا طیارہ ٹینکیوں کے فالتو وزن کی وجہ سے یوسف کا ساتھ نہ دے سکا اور بہت پیچھے رہ گیا۔ یوسف دشمن کے چار نیٹ ایسے تیز اور برتر طیاروں سے لڑنے کے لئے اکیلا رہ گیا۔ جس طیارے کو اُس نے زد میں لے رکھا تھا، اُس کے ہوا باز نے اُسے اپنے تعاقب سے جھٹکنے کے لئے کئی بار اپنے طیارے کو تیزی سے دائیں بائیں کیا اور ہر داؤ کھیلا لیکن پاکستانی شاہباز اُس کے لئے پیغامِ اجل بنا اُس کی دُم کے ساتھ چپکا رہا۔ یوسف اُس کے

اور زیادہ قریب ہو گیا اور فائرنگ بٹن دبا دیا۔ نشانہ چوک جانے کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔ عین اُس وقت اُس کا اپنا طیارہ دشمن کی گولیوں کی بوچھاڑ سے لرز گیا۔ اُس نے گھوم کر دیکھا۔ دو نیٹ طیارے اُس کے تعاقب میں تھے اور ایک اُس پر فائر کر رہا تھا جس کی بوچھاڑ یوسف کے طیارے میں لگی لیکن گولیاں ایسی جگہ لگیں کہ سُوراخ کرتی گزر گئیں اور طیارے میں پھٹ نہ سکیں۔

نیٹ طیارے بہت تیزی سے اُس کے قریب آ رہے تھے۔ یوسف نے اُن کی زد سے نکلنے کے لئے اپنے طیارے کو پیچھے کی طرف قلابازی لگا دی۔ اُس کا طیارہ پلک جھپکتے اُوپر اُٹھا اور اُلٹا ہو کر پیچھے آیا۔ یہ پینترا اُس نے اس قدر اچانک اور اس قدر تیزی سے بدلا کہ خون اس کی آنکھوں میں چڑھ آیا اور آنکھوں کے سامنے گُپ اندھیرا چھا گیا۔ ایسا تیز پینترا دل گُردے والے ہواباز ہی بدل سکتے ہیں۔

اس کا یہ داؤ کامیاب تھا۔ وہ تو اُلٹا ہو کر پیچھے آ گیا اور دُشمن کے ہواباز جو اُس کے تعاقب میں تھے، اُس کے نیچے سے آگے نکل گئے۔ اُن میں اتنا دم خم نہیں تھا کہ یوسف کی طرح اس قدر پھرتی سے طیاروں کو اُلٹا کر سکتے۔ یوسف یہی چاہتا تھا کہ دُشمن آگے نکل جاتے۔ اس نے سَر کو جھٹکا دیا۔ آنکھوں کا اندھیرا چھٹ گیا اور اُس نے طیارہ سیدھا کر کے دُشمن پر غوطہ مار دیا۔ اُس نے اپنے سامنے لگے ہوئے شیشے REARVIEW MIRROR میں دیکھا۔ اس کے پیچھے دُشمن کا اور کوئی طیارہ نہ تھا لیکن اُسے جو منظر نظر آیا وہ اسے پریشان کرنے کو کافی تھا اُس کے طیارے کی دُم کا پَر ELEVATOR جس سے طیارہ غوطے میں ڈالا اور اُٹھایا جاتا ہے، ایک طرف سے تار تار ہو گیا تھا لیکن یوسف نے ہوش ٹھکانے رکھے اور دُشمن پر جھپٹنے کے لئے بڑھتا گیا حالانکہ اُسے فوراً واپس آ جانا چاہیئے تھا کیونکہ طیارے کے اس نقص کے ساتھ لڑنا تو دُور کی بات ہے اس کا صرف اُڑنا بھی پُر خطر تھا۔

ذرا ہی دیر بعد فضائی معرکے کی صورت یہ ہو گئی کہ چھ طیارے (چار بھارتی اور دو پاکستانی) گول دائرے میں ایک دوسرے پر جھپٹنے کی کوشش کر رہے تھے اور فضا ان کی فائرنگ سے لرز رہی تھی۔ دُشمن نے یوسف کے طیارے کا نقصان دیکھ لیا تھا۔ وہ اب اس کے مجروح طیارے کو گرانے کی کوشش میں تھے۔ وہ بھی آخر ہواباز تھے اور جانتے تھے کہ اب یوسف اس طیارے کے ساتھ کوئی ٹیڑھا ٹیکھا پینترا نہ بدل سکے گا لیکن یوسف ان کے ہر وار کو بیکار کر رہا تھا۔ ساتھ ہی اُسے خالق کی فکر بھی تھی۔ اُسے یاد تھا کہ خالق کی ٹینکیاں گری نہیں تھیں جس کی وجہ سے وہ شدید خطرے میں تھا۔ اُس نے بائیں طرف دیکھا تو چونک اُٹھا۔ اُسے ایک نیٹ طیارہ خالق کے بالکل پیچھے کوئی دو ہزار فٹ کے فاصلے پر نظر آیا۔ نیٹ کی اُڑان سے پتہ چلتا تھا کہ اُس نے خالق کو شست میں لے لیا ہے اور خالق کو علم نہیں۔ یوسف وائرلیس پہ چلایا ـــــ "دائیں کو مڑ جاؤ۔" خالق نے ایک جھٹکے سے طیارے کو دائیں کو موڑ دیا اور بھارتی طیارہ آگے نکل گیا۔

یہ تھی پاک فضائیہ کے ہوابازوں کی بنیادی خوبی ـــ وہ دو تھے اور دُشمن چار لیکن گھمسان کے اس معرکے میں بھی وہ ایک دوسرے پر نظر رکھے ہوئے تھے۔

طیارے لڑتے لڑتے زمین سے ڈیڑھ ہزار فٹ کی بلندی تک آ گئے اور یہ بلندی بھی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ اچانک دُشمن کے ہواباز مُنہ موڑ گئے اور معرکے سے دست بردار ہو کر اپنے مُلک کا رُخ کر لیا۔ خالق کے طیارے کا تیل ختم ہو رہا تھا۔ اُس نے یوسف کو اطلاع دی اور اپنے اڈے کی طرف ہو لیا لیکن یوسف اپنے مجروح طیارے سے ہی بھاگتے دُشمن کے تعاقب میں چلا گیا ـــ ایک بُری طرح مجروح طیارہ چار اچھے بھلے طیاروں کے تعاقب میں جا رہا تھا ـــ یوسف نے تھراٹل کو پُورا کھول دیا لیکن اس کا طیارہ ایسا گہرا زخم کھا چکا تھا کہ اس قدر تیز رفتار پر تھر تھرانے لگا۔ یوسف کو تعاقب ممکن نظر نہ آیا اور اُس

نے بادلِ نخواستہ واپسی کا رُخ کر لیا۔

اِتنے میں پاک فضائیہ کا ایک سٹار فائٹر F-104 اُدھر آنکلا۔ اس کے ہوا باز نے دُشمن کے طیاروں کو بھاگتے اور یوسف کو تعاقب سے مجبور لوٹتے دیکھ لیا۔ اُس نے طیارہ گھمایا اور دُشمن کے تعاقب میں جھپٹ پڑا۔ تھوڑی دُور اس نے چاروں بھارتیوں کو جالیا۔ اُن میں کھلبلی مچ گئی اور سب فضا میں ڈری ہوئی بھیڑوں کی طرح بکھر گئے۔ ایک ہوا باز اس قدر بوکھلا گیا کہ اپنے اڈے کا راستہ ہی بھول گیا اور پسرور کے قریب آ اُترا۔ وہ کوئی عام ہوا باز نہیں بلکہ انڈین ایئرفورس کے ایک فائٹر سکواڈرن کا کمانڈنگ آفیسر، سکواڈرن لیڈر برج پال سنگھ سکند تھا۔ اُسے گرفتار کر لیا گیا اور اس کا اچھا بھلا نیٹ طیارہ اب پاک فضائیہ کے پاس جنگی یادگار کے طور پر محفوظ ہے۔

یوسف کو تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کے طیارے نے کتنی چوٹیں کھائی ہیں۔ واپسی کے وقت اُس نے اپنے آلات وغیرہ کا جائزہ لینا شروع کیا۔ اس کا ہائیڈرالک پریشر بالکل ختم ہو چکا تھا جس سے زمین پر اُترنے کا سارا سسٹم بیکار ہو گیا تھا۔ اُس نے بریکوں کا لیور ہلایا جلایا تو متعلقہ میٹر کی سوئیاں صفر پر جمی رہیں جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ زمین پر اُتر بھی گیا تو بریکیں کام نہیں کریں گی۔ پیچھے سے دُم کا ایک پَر ELEVATOR جو طیارے کے کنٹرول کا انتہائی اہم حصّہ ہوتا ہے تار تار ہو چکا تھا۔ اُس نے وائرلیس پر اپنے اڈے سے بات کرنا چاہی تو معلوم ہُوا کہ وائرلیس کا سسٹم بھی بیکار ہو چکا ہے۔ اُس نے دوسرے چینل آزمائے لیکن اس کا وائرلیس چُپ رہا۔

یوسف طیارے کو اڈے کے اُوپر لے آیا۔ پرواز کے وقت طیارے کے پہیے پَروں کے ساتھ لگ کر بند ہو جاتے ہیں۔ یوسف نے طیارہ اُتارنے کے لئے پہیے کھولنے والا لیور کھینچا تو اُسے پتہ چلا کہ بائیں طرف والا پہیہ ٹھیک طرح نہیں اُترا۔ اُس نے ایمرجنسی سسٹم سے پہیے کھولنے کی کوشش کی لیکن

یہ سسٹم بھی ناکام رہا۔ یوسف نے پہلی بار گھبراہٹ محسوس کی ورنہ وہ چار طیاروں سے جھڑپ لیتے وقت بھی پُرسکون رہا تھا۔ اس جھڑپ سے تو وہ سرخرو ہو آیا تھا لیکن طیارے کو اُتارتے وقت مہیب خطرہ نظر آنے لگا۔ اب ایک ہی صورت تھی کہ وہ 'کریش لینڈنگ' کرتا جس سے وہ خود تو بچ جاتا لیکن طیارہ ہمیشہ کے لئے یا خاصے طویل عرصہ کے لئے بیکار ہو جاتا۔ یوسف کو گوارا نہ تھا کہ جس طیارے نے اُس سے اتنی وفا کی تھی اسے اتنی بے دردی سے زمین پر پٹخ دیتا۔ وہ پاک فضائیہ کو ایک طیارے سے محروم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وائرلیس بیکار ہو جانے سے وہ کنٹرول ٹاور کو یہ بھی نہ بتا سکا کہ وہ مشکل میں ہے۔ اس نے دیکھا، تیل بھی ختم ہو رہا تھا یعنی طیارہ ہوا میں زیادہ دیر رہنے کے قابل نہیں تھا۔

یوسف طیارے کو تین سو فٹ کی بلندی پر لا کر 'رن وے' کے اُوپر سے گزرا اور پَر ہلائے جو اشارہ ہوتا ہے کہ میرا وائرلیس کام نہیں کر رہا اور طیارے میں شدید نقص ہے۔ زمین پر آگ بجھانے والا انجن، ایمبولینس اور دو تین گاڑیاں سٹارٹ ہو گئیں تاکہ طیارہ اُترتے وقت اگر آگ پکڑ لے تو ہوا باز کو فوراً نکالا جا سکے۔

ایک ہی سہارا تھا جو اُسے زمین پر محفوظ اتار سکتا تھا —— خدائے ذوالجلال —— یوسف نے دل ہی دل میں خُدا کو پکارا اور طیارے کو گھما کر 'رن وے' کی سیدھ میں لے آیا۔ ہونٹوں پر خُدا کا نام تھا اور وہ طیارے کو 'رن وے' پر لا رہا تھا۔ بلندی جچی تلی لینڈنگ کے مطابق کم ہوتی جا رہی تھی۔ پھر طیارہ زمین کو چھونے لگا۔ پہیے 'رن وے' پر ٹِکے تو یوسف کو دھچکہ لگا۔ اُسے توقع تھی کہ طیارہ شاید پیٹ کے بل بیٹھ جائے گا اور جانے کہاں جا رُکے گا لیکن خُدا نے طیارے کو تھام لیا اور طیارہ اچھی بھلی لینڈنگ کر کے پہیوں پر بھاگنے لگا۔ اُس نے انجن بند کر دیا۔ بریکیں بیکار تھیں — طیارہ آگے جا رُک گیا —— یہ ایک معجزہ تھا۔

اس طیارے کو گراؤنڈ کریو نے دیکھا، ٹیکنیکل افسروں نے دیکھا، ماہرین نے

بھی دیکھا اور سب انگشت بدنداں کہ یہ طیارہ اُڑتا کیسے رہا؟ سب نے یوسف کے مُنہ کی طرف دیکھا اور سر جھکا کر واپس چلے گئے۔ وہ آج بھی حیران ہیں کہ یوسف اس طیارے کو اُڑاتا کیسے رہا، پھر اسے اُتار کیسے لیا؟ لیکن یوسف حیران نہیں کہتا ہے ــــ "یہ عزم اور یقین کا کرشمہ ہے۔"

گراؤنڈ کریو نے اس طیارے کو زیادہ دیر تک زمین پر بیکار نہ پڑا رہنے دیا۔ اُنہوں نے دن رات محنت کر کے اسے دُشمن کے خلاف لڑنے کے قابل بنا دیا اور یوسف نے اسی طیارے سے دس میل دُور، امرتسر کے قریب ایک فضائی معرکے میں بھارت کا ایک نیٹ طیارہ مار گرایا۔ یہ ۱۳ ستمبر کا معرکہ ہے۔ یوسف دُشمن کے اس علاقے میں چار طیاروں کی قیادت کر رہا تھا۔ اُنہیں روکنے کے لئے انڈین ایئر فورس کے نیٹ طیاروں کا غول سامنے آگیا۔

یوسف نے اپنے ہوابازوں کو تیل کی فالتو ٹینکیاں پھینک دینے کو کہا۔ سب کے طیاروں سے ٹینکیاں الگ ہو گئیں لیکن یوسف کی اپنی صرف ایک ہی ٹینکی گری، دوسری طیارے سے الگ نہ ہوئی۔ یا تو دونو گرتیں یا ایک بھی نہ گرتی کیونکہ ایک طرف وزن زیادہ ہو جانے سے طیارے کی اُڑان اور کنٹرول میں پُرخطر فرق پیدا ہو جاتا ہے لیکن اس خطرے کو نظر انداز کر کے یوسف دُشمن کے طیاروں کے پیچھے ہونے کے لئے جھپٹ پڑا۔

اُس کے دوسرے ہواباز بھی دُشمن سے اُلجھ پڑے۔ یوسف نے ایک نیٹ طیارے کو آگے لگا لیا۔ یہ بھارتی ہواباز فضائی معرکوں کا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ اُس نے یوسف کو اپنے تعاقب سے جھٹکنے کے لئے اُستادانہ پینترے بدلے۔ وہ کئی بار غیر متوقع پھرتی سے دائیں کو مُڑا، بائیں کو ہُوا، گھوم گھوم کر پیچھے آیا لیکن یوسف نے اس کا کوئی داؤ نہ چلنے دیا حالانکہ اس کے طیارے کو ایک طرف کی تیل کی فالتو ٹینکی پریشان کر رہی تھی۔ اس کے علاوہ نیٹ اس

کے سیبر طیارے سے تیز اور پھرتیلا تھا تاہم یوسف نے سیبر کو سدھاتے ہوئے گھوڑے کی طرح قابو میں رکھا اور نیٹ کو اُس نے زد سے نکلنے نہ دیا۔ پھر فوراً ہی اُسے گن سائٹ میں لے لیا۔

دوسرے لمحے اُس نے اپنی گنوں سے مختصر سا برسٹ (بوچھاڑ) فائر کر دیا جو سیدھا نیٹ میں جا لگا۔ نیٹ دھواں اگلنے لگا لیکن یوسف نے اسے جلدی ختم کرنے کے لئے دوسرا برسٹ فائر کر دیا۔ اب کے اس کے شکار سے دھوئیں کے ساتھ شعلے بھی نکلے اور انڈین ایئر فورس کا نیٹ اپنے ہواباز کو ساتھ لئے ناک کے بل ہو گیا۔ چند لمحوں بعد زمین پر ایک دھماکہ ہُوا۔ نیٹ اور اس کے ہواباز کے پرخچے دھرتی ماتا پر بکھر گئے۔

دُشمن کی بکتر بند قوت پر پہلی ضرب لگانے کا اعزاز بھی فلائٹ لفٹننٹ یوسف کو ہی حاصل ہے۔ یہ ۲ ستمبر کی صبح کا معرکہ ہے۔ سحر کی تیرگی چھٹ رہی تھی۔ یوسف کا طیارہ اپنے اڈے سے غراتا ہوا اُڑا۔ یوسف دُشمن کی برّی فوج پر حملہ کرنے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی فارمیشن کے دو اور طیارے (فلائٹ لفٹننٹ جیلانی اور فلائنگ آفیسر خالق) تھے۔ تینوں نے جوڑیاں سیکٹر کا رُخ کر لیا۔

اس جنگی مہم کی تفصیلات یوسف کی زبانی سُنیئے ــــ "جب ہم جوڑیاں کے اُوپر پہنچے تو میں نے اپنے ہوابازوں سے کہا ـ 'گنوں کے سوئچ وغیرہ چیک کر لو' ـ ہم دُشمن کی برّی فوج پر جھپٹنے کے لئے تیار ہو گئے۔ انڈین آرمی جوڑیاں کو بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی تھی۔ اُس کا توپخانہ حشر بپا کئے ہوئے تھا۔ ہم ان توپوں کو خاموش کرنا چاہتے تھے۔ ہم نے نیچی پرواز کی، بہت چکر کاٹے، لیکن توپیں ڈھکی چھپی تھیں، نظر نہ آئیں۔ ہم ذرا آگے نکل گئے تو ہمیں اکھنور سے آنے والی سڑک نظر آئی۔ غور سے دیکھا تو مجھے سڑک پر چند سیاہ دھبے سے چلتے نظر آئے۔ ان کے پیچھے گرد اُٹھ رہی تھی۔ میں اپنے طیاروں کی فارمیشن کو کم بلندی پر لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بھارت

کے ٹینک تھے اور وہ دو چار نہیں بلکہ پُورے چوبیس (۲۴) تھے. وہ پاک فوج کے خلاف لڑنے جا رہے تھے....

"ایسے خوبصورت ٹارگیٹ (ہدف) کو دیکھ کر میں بھارتی توپخانے کو تو بھول ہی گیا. مَیں نے اپنے ہوابازوں کو دُشمن کے ٹینک دکھاتے اور انہیں حملے کے لئے اُوپر اُٹھنے کو کہا. ہم تینوں زنّاٹے سے اُوپر اُٹھے اور سب سے پہلے مَیں خود حملے کے لئے غوطے میں گیا. دُشمن کی بکتر بند قوت کو دیکھ کر طبیعت میں عجیب سا جنون آ گیا. مَیں نے چوبیس ٹینکوں کی متحرک قطار میں سب سے اگلے کو نشانے میں لیا. میرا طیّارہ کمال وفاداری سے میرے قابو میں تھا اور فضا کو تیر کی طرح چیرتا بھارتی ٹینک کے اُوپر جا رہا تھا. مَیں نے گن سائٹ کو ٹھکانے پر لا کر راکٹوں کا بٹن دبا دیا. مجھے اپنے پَروں تلے سے راکٹ نکلنے کی مانوس آواز سنائی دی. سات راکٹ نکلے اور میں نے طیّارہ اُوپر کھینچ لیا. طیّارہ سیدھا اُوپر اُٹھا اور میں نے اُسے دوسرے جھپٹے کے لئے گھمایا....

"اتنی دیر میں میرے ساتھی ہواباز ایک ایک ٹینک پر راکٹ فائر کر چکے تھے. ذرا سی دیر میں چار ٹینکوں سے دُھوئیں کے سیاہ بادل اُٹھ رہے تھے اور باقی ٹینک بکھر کر درختوں تلے پناہ لینے کو بھاگے جا رہے تھے. ہم نے بھی بکھر کر ایک ایک کو نشانہ بنایا اور اُن کے چھپ جانے تک چھ ٹینک تباہ کر دیئے. اُوپر سے اب وہ درختوں تلے نظر نہ آتے تھے. وہاں درخت اس قدر زیادہ ہیں کہ پتہ نہ چلتا تھا کہ ٹینک کون کون سے درخت کے نیچے ہیں. راکٹ ضائع کرنے والی بات تھی....

"واپس آنے کی بجائے ہم اُوپر اُڑتے رہے اور ٹینک یوں درختوں تلے دبکے رہے جس طرح مُرغی کے بچے چیل کو دیکھ کر کونوں کھدروں میں دبک جاتے ہیں. ہم دُشمن کے کسی اور ٹارگیٹ کو ڈھونڈنے لگے. ذرا پرے ہمیں

ایک تباہ شُدہ مکان کے ساتھ کوئی چالیس کے لگ بھگ فوجی گاڑیاں کھڑی نظر آ گئیں. مَیں نے فائرنگ سوِچ راکٹوں سے گنوں پر کر لیا اور تیس درجے کے زاویے کے غوطے میں چلا گیا. گاڑیاں میری گن سائٹ میں بڑی ہوتی چلی گئیں. گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے بھارتی فوجی گاڑیوں سے کُود کُود کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے. مَیں نے فائرنگ بٹن دبا دیا. میری چھ گنوں نے بیک وقت فائرنگ کی تو میرا طیّارہ لرز اُٹھا. مَیں پہلی گاڑی پر بوچھاڑ مار کر دوسری گاڑی پر پھر تیسری پھر اگلی اور اس سے اگلی کو نشانہ بناتا چلا گیا اور بوچھاڑیں فائر کرتا رہا....

"گاڑی پہ گاڑی جلتی چلی گئی اور میں دشمن کی تباہی میں ایسا محو ہُوا کہ مجھے یاد ہی نہ رہا کہ میرا طیّارہ غوطے میں ہے اور میں انتہائی رفتار سے زمین پر جا رہا ہوں. اچانک مجھے طیّارے کے بالکل سامنے دیوار نظر آئی جو گولی کی رفتار سے میری طرف اُڑی آ رہی تھی. مَیں نے گھبرا کر پُوری قوّت سے طیّارے کو اُوپر کھینچا اور میں آج بھی سوچ رہا ہوں کہ طیّارہ دیوار سے ٹکرا کیوں نہ گیا. کوئی کسر رہ تو نہیں گئی تھی....

"دُشمن کی طیّارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے ہم پر فائر کھول دیا. اس دوران میرے ساتھی گاڑیوں پر ایک ایک جھپٹا مار چکے تھے. ہم سب نے پانچ پانچ حملے کئے اور تمام گاڑیوں کو بھسم کر دیا. دُشمن کے توپچی ہم پر بوچھاڑ پہ بوچھاڑ، گولے پہ گولہ فائر کرتے رہے اور ہم پُورے اطمینان سے اپنے کام میں لگے رہے۔"

☆

مشرقی پاکستان نوالۂ تر نہ تھا

پاک فضائیہ نے سترہ روزہ جنگ کے دوران فرض شناسی، حریّت، جذبۂ شہادت اور شاہبازی کی جن اَن گنت داستانوں کو جنم دیا ہے وہ ایک سے ایک بڑھ کر ولولہ انگیز اور ناقابلِ فراموش ہیں لیکن پاک فضائیہ کے وہ مُٹھی بھر ہواباز جو مشرقی پاکستان کے دفاع کے لئے وہاں موجود تھے اُنہوں نے فرض شناسی اور جرأت مندی کے وہ جوہر دکھاتے ہیں جو آنے والی نسلوں کے لئے مقدّس روایت بن گئے ہیں۔ بھارت نے مشرقی پاکستان کو ایک ہی ضرب سے تہہ تیغ کرنے کے لئے مغربی بنگال اور آسام میں اس قدر ایئر فورس جمع کر رکھی تھی جس کے مقابلے میں مشرقی پاکستان میں ہمارے ہوابازوں اور طیاروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ جنگ کے مبصر سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ پاکستان کے یہ معدودے چند ہواباز مشرقی پاکستان کو انڈین ایئر فورس سے کیسے بچا سکیں گے۔ بھارت کی جنگ پسند نگاہ میں مشرقی پاکستان تر نوالہ تھا لیکن پہلے ہی ہوائی حملے میں یہ تر نوالہ بھارتی حکمرانوں کے حلق میں ہڈی بن کر اٹک گیا ــ پاک فضائیہ کے ان معدودے چند ہوابازوں نے انڈین ایئر فورس کے ناکام ہوائی حملے کے جواب میں ایسا جوابی حملہ کیا کہ انہیں TAIL CHOPPERS "دُم تراش" کے نام سے پکارا جانے لگا۔

مغربی پاکستان پر اعلانِ جنگ کے بغیر حملہ کرنے کے دوسرے روز بھارت نے جارحانہ سرگرمیوں کو مشرقی پاکستان تک پھیلا دیا۔ مغربی پاکستان کو تو بھارت کے حکمران چند دِنوں میں فتح کر لینے کے خواب دیکھ چکے تھے لیکن مشرقی پاکستان کو وہ ایک تھپڑ کی مار سمجھتے تھے۔ ان کے اسی زعم نے اپنی انڈین ایئر فورس کے ہوابازوں کے ہجوم کو پاک فضائیہ کے چند ایک ہوابازوں سے اس قدر ذلیل کرایا کہ وہ دُنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے اور نہ انڈین ایئر فورس کو دوبارہ مشرقی پاکستان پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی۔ اگر بھارت کے جنگ پسند حکمرانوں نے جنگ کے نقشے پر مشرقی پاکستان پر لکیر پھیر دی تھی تو چنداں حیران کُن نہ تھا۔

۷ ستمبر کی صبح جب مغربی پاکستان کی سرحدوں پر پاک فوج اور فضائیہ جنرل چوہدری کی سکیم کے پرخچے اُڑا رہی تھیں، انڈین ایئر فورس کے بمبار اور لڑاکا طیاروں نے مغربی بنگال سے اُڑ کر ڈھاکہ اور چاٹگام کے فضائی اڈوں پر حملہ کر دیا۔ گو بھارتی ہوابازوں کا کوئی بھی حملہ کامیاب نہیں تھا لیکن اس قدر ناکام حملہ انڈین ایئر فورس کے ریکارڈ میں شاید کم ہی ملے گا۔ وہ مشرقی پاکستان کی سرحدوں میں گرج گرج سے داخل ہوتے اور ڈھاکہ اور چاٹگام کے اڈوں پر پاک فضائیہ کے طیاروں کو ڈھونڈنے لگے لیکن انہیں یا تو کوئی طیارہ نظر نہ آیا یا شاید انہیں جانیں بچا کر جلد از جلد بھاگ جانے کی زیادہ فکر تھی کہ وہ اوٹ پٹانگ سی بمباری کر کے چلے گئے لیکن ان کی ناکامی اور شکست اسی پر ختم نہ ہوئی، پاک فضائیہ کے جو مُٹھی بھر ہواباز وہاں موجود تھے، اُنہوں نے پاکستانی روایات کے مطابق چیلنج قبول کر لیا اور انہوں نے قرونِ وسطیٰ کے ایک مسلمان ہیرو بختیار خلجی کی یاد تازہ کر دی جس نے محض اٹھارہ آدمیوں کی "فوج" سے بنگال کی ہندو ریاست کو فتح کر لیا تھا۔

انڈین ایئر فورس نے مشرقی پاکستان کی تباہی کے لئے مغربی بنگال میں

کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے پر خاصی بڑی تعداد میں لڑاکا بمبار طیارے رکھے ہوئے تھے۔ بھارتی ہوابازوں نے ڈھاکہ اور چاٹگام پر ناکام بمباری کر کے واپسی کا رُخ کیا تو ذرا سا وقفہ دے کر پاک فضائیہ کے پانچ طیارے غرا کر فضا میں بلند ہو گئے۔ یہ طیارے اسی اڈے سے اُڑے تھے جہاں بھارتی ہوابازوں کو کوئی طیارہ نظر نہیں آیا تھا۔

پاک فضائیہ کے ان پانچ شاہبازوں نے جنوب مغرب کی طرف کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے کا رُخ کر لیا۔ ان کا لیڈر کیمبل پور کا رہنے والا سکواڈرن لیڈر شبیر احمد تھا جسے اس تاریخی جوابی حملے کی کامیاب قیادت اور دُشمن پر کاری ضرب لگانے کے صلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ اُس کے ساتھ چار اور ہواباز تھے ــــ فلائٹ لفٹننٹ بصیر، فلائٹ لفٹننٹ فاروق۔ فلائٹ لفٹننٹ اصغر اور فلائنگ آفیسر سلیم ــــ صبح کا اُجالا نکھر آیا تھا لیکن ابھی سُورج نہیں نکلا تھا۔ ان پانچوں شاہبازوں نے سرحد پار کرنے سے پہلے طیاروں کو بہت کم بلندی پر کر لیا۔ ان کی اُڑان میں وہی شان اور وہی عقاب تھا جو شکار پر جھپٹتے عقاب کا ہوتا ہے۔ اُنہیں زندہ واپس آنے کی نہ توقع تھی نہ خواہش۔ ایک مقدس عزم تھا جو ان کی سوچ اور فکر پر غالب تھا۔ وہ پہاڑوں سے ٹکر لینے جا رہے تھے۔

طیارے پانچ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے درختوں کی بلندی پر اُڑے جا رہے تھے اور ہواباز فضا میں ہر سُو بڑی غور سے دُشمن کے طیاروں کو ڈھونڈ رہے تھے۔ کبھی کبھی وہ نیچے بھی دیکھ لیتے تھے۔ ذرا سی دیر میں وہ دُشمن کے علاقے میں دُور اندر چلے گئے۔ ٹارگیٹ قریب آرہا تھا اور ہوابازوں کے دل جچی تلی چال سے دھڑک رہے تھے۔

سب کے وائرلیس پر لیڈر کی آواز گونجی ــــ "تمام ہواباز اپنے فائرنگ سوئچ چیک کر لو۔ ٹارگیٹ میں ایک منٹ رہ گیا ہے۔"

اس آواز نے تمام ہوابازوں پر ہیجان آلود اور ولولہ انگیز کیفیت طاری کردی۔ یہ ان کا پہلا حملہ تھا اور انہیں معلوم تھا کہ دُشمن ان سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے۔ جب لیڈر کی آواز سنائی دی اور طیاروں کو بلندی پر کھینچنے کا لمحہ آگیا تو سب کے جذبات اور احساسات میں انوکھا سا تاثر برقی رَو کی طرح سرایت کر گیا۔ ایک لذت آگیں دیوانگی سی تھی جس نے سب کو سب کچھ فراموش کرا دیا سوائے ٹارگیٹ اور عزم کے ـــ اور وہ لمحہ آگیا جب تاریخِ پاکستان کا سنہری باب لکھنے کے لئے پاک فضائیہ کے پانچ طیارے یک لخت اور بیک وقت اُوپر اُٹھے اور تیروں کی طرح فضا کی رفعتوں میں جا پہنچے جہاں سے وہ دُشمن کے ہوائی اڈے پر جھپٹنے کے لئے پَر تولنے لگے۔ وہ اب کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے پر تھے۔

سکواڈرن لیڈر شبیر احمد اس حملے کی داستان اپنی زبانی یُوں سناتا ہے

"جب میں نے طیارہ بلندی پر کھینچا تو دو ہزار فٹ کی بلندی سے میں نے کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے کو دیکھا ـــ منظر پُرکشش تھا ـــ رن وے، ہینگر، فلائنگ کنٹرول کی بلڈنگ اور دُشمن کے وہی لڑاکا بمبار طیارے جو ذرا ہی دیر پہلے ڈھاکہ اور چاٹگام پر حملہ کرنے گئے تھے، میرے سامنے، میرے پَروں کے نیچے کھڑے تھے۔ یہ منظر ہمیں دعوت دے رہا تھا اور اشتعال دلا رہا تھا۔ میں کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے کو پہلی بار دیکھ رہا تھا لیکن میں نے محسوس کیا جیسے اس اڈے کو ہزار بار دیکھا ہے . . . .

"مَیں نے اپنے ہوابازوں کو وائرلیس پر ہوائی اڈے کی پوزیشن بتائی اور یہ بھی کہا ـــ 'اُدھر دیکھو۔ انڈین ایئر فورس کے کینبرا اور ہنٹر طیارے کھڑے ہیں' ـــ میری ہدایت کے جواب میں مجھے چار مانوس آوازیں سنائی دیں ـــ 'کانٹیکٹ' . . . .

"مَیں نے پہلے جھپٹے کے لئے اپنے طیارے کو کھلایا۔ نیچے کینبرا طیارے ایک صف میں قرینے سے کھڑے تھے ـــ دُشمن کی پُرہَول ہوائی طاقت: آسمانوں کے خوبرُو دیوتا، میرے پَروں تلے میری مشین گنوں کے رحم و کرم پر بے بس کھڑے تھے۔ مَیں جانتا تھا کہ اب کوئی ہواباز انہیں اُڑانے کے لئے ان کے قریب نہیں آئے گا، کیونکہ ہم پانچ ہواباز آسمانی بجلی کی مانند اُن کے سَروں پر گرج رہے تھے . . . .

"مَیں غوطے میں چلا گیا اور صف کے پہلے کینبرا کو گن ہائٹ میں لے لیا۔ جب سائٹ کے روشن نقطے دُشمن کے طیارے پر منطبق ہوگئے تو میں نے نہایت اطمینان سے فائرنگ بٹن دبا دیا۔ میری مشین گنیں گرجیں اور اُن کی اُگلی ہوئی بکتر بند اور آتشیں گولیاں اس پہلے کینبرا میں جا لگیں۔ پھر یہ بوچھاڑ آگے بڑھتی نظر آئی۔ مَیں نے فائرنگ بٹن دبائے رکھا اور یکے بعد دیگرے طیاروں کی پوری صف کو ہٹ کر لیا۔ مَیں نے غوطے سے اُٹھنے سے پہلے دیکھا کہ انڈین ایئر فورس کے خوبصورت اور طاقت ور کینبرا طیارے شعلے اُگل رہے تھے۔ مَیں نے غوطے سے اُٹھ کر بلندی سے نیچے دیکھا۔ جہاں طیارے کھڑے تھے وہاں ارتھیاں جل رہی تھیں۔ شمشان بھومی کے اس منظر کو دیکھ کر میرے حوصلے اور ولولے میں نئی تازگی آگئی . . . .

"مَیں نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ میرے چاروں ہواباز دُشمن کے ہوائی اڈے پر آگ برسانے میں مصروف تھے۔ دُشمن کا گھر پھونک کر مجھ پر کچھ ایسا نشہ طاری ہوگیا کہ میں بھول ہی گیا کہ مجھے دوسرے حملے کے لئے بھی غوطے میں جانا ہے۔ چند ایک طیارے الگ الگ بھی کھڑے تھے . . . .

"ہم دوسرے حملے کے لئے صف آرا ہوتے تو میرے نمبر ۲ فلائٹ لفٹننٹ بصیر نے اطلاع دی کہ دُشمن کے تین ہنٹر طیارے ہوائی اڈے پر اُڑ رہے ہیں۔ ہم سب فضائی معرکے کے لئے تیار ہو گئے لیکن بھارتی ہواباز ہم سے اُلجھنے کے موڈ میں نظر نہ آتے تھے۔ وہ تینوں ہم سے دُور ہی دُور

اُڑتے رہے۔ شاید اپنے ہوائی اڈے کے آتشیں منظر نے انہیں دم بخود کر دیا تھا۔۔۔

"اُس وقت تک دشمن کی طیّارہ شکن توپیں اور مشین گنیں جانے کیوں خاموش تھیں؟ ان کے توپچی غالباً ہمارے گرجدار زناٹوں، فائرنگ اور تباہ کاری سے اس قدر دہشت زدہ تھے کہ گنیں چھوڑ کر کہیں دبک گئے تھے، یا شاید کلائی کنڈہ والے گماں بھی نہ کر سکتے تھے کہ پاکستانیوں میں حملہ کرنے کا دم خم ہے۔ ہم دوسرے حملے کے لئے غوطے میں گئے تو شاید انہیں یقین آیا کہ یہ تو واقعی پاک فضائیہ کے سیبر ہیں جو ہمارے طیّاروں کو جلاتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ہمیں مار گرانے کے لئے یا اپنی ناک رکھنے کے لئے ہم پر بے پناہ فائرنگ شروع کر دی۔ ٹریسر ایمونیشن کی چمکتی لکیروں اور طیّارہ شکن توپوں کے پھٹتے گولوں کے مرغولوں نے ساری فضا میں آگ کا جال بچھا دیا۔ ان کے گولے چھنکتے ہوتے ہمارے طیّاروں کے قریب سے گزر رہے تھے اور ہمارے آس پاس پھٹ رہے تھے۔۔۔۔

"ہم آخر حملہ کرنے آئے تھے۔ آنکھ مچولی کھیلنے تو نہیں آئے تھے۔ ہم جانتے تھے کہ دشمن کے پاس طیّارہ شکن گنیں ہیں جو ہمارے پرخچے اُڑا دینے کے [illegible] ہوں گی۔ ہم ذہنی طور پر اس ہیبت ناک مزاحمت کے لئے تیار [illegible] چنانچہ ہم نے طیّارہ شکن فائر کی پرواہ نہ کی اور مکمل سکون اور یکسوئی سے دشمن کے بچے کھچے ہنٹر اور کینبرا طیّاروں کو نشانہ بنانے لگے۔ زمینی توپچیوں کے فائر کے ہنگامے کو ہمارے راکٹ چیرنے لگے۔ میرے دو ایک ہواباز گن فائرنگ کر رہے تھے۔ بعض طیّارے ہوائی اڈے پر بکھر کر رکھے ہوئے تھے۔ ہم نے انہیں راکٹوں اور مشین گنوں سے بھسم کر ڈالا۔ یہ تباہ کاری پاک فضائیہ کے ہوابازوں کی نشانہ بازی اور حملے کی نفاست کا کمال تھا۔۔۔

"ہم نے جب حملہ ختم کر دیا تو نیچے دشمن کے چودہ طیّارے جل رہے تھے۔ میں نے اپنی فارمیشن سے او کے OK رپورٹ مانگی تو اپنے وائرلیس پر مجھے چار مانوس آوازیں سنائی دیں ـــ "کانٹیکٹ"، ـــ موسم بدل رہا تھا اور پہلے سے بدتر ہوا جا رہا تھا۔ ہم نے واپسی کا رُخ کیا۔ فضا میں دھندلاہٹ چھانے لگی جس سے ہم زیادہ دُور تک نہ دیکھ سکتے تھے لیکن اپنے ہوائی اڈے کے ایئر ٹریفک کنٹرولر کھوکھر کی جانی پہچانی آواز نے اپنے اڈے تک ہماری رہنمائی کی۔ کھوکھر بڑی بے تابی سے ہماری پکار کا انتظار کر رہا تھا۔ جب میں نے اُسے فضا سے پکارا اور اسے بتایا کہ ہم کامیاب حملے کے بعد پانچوں خیریت سے لوٹ رہے ہیں تو اُس کی مسرّت کا اندازہ ہمارے سوا اور کون کر سکتا ہے!"

پانچوں شاہباز سات بج کر چوالیس منٹ پر یعنی جانے سے ایک گھنٹہ اور تیرہ منٹ بعد زمین پر اُتر آئے۔ اس حملے میں اُنہوں نے دشمن کے گیارہ کینبرا طیّارے بالکل خاکستر کر دیئے، چار کینبرا اور دو ہنٹر طیّاروں کو بیکار کیا۔

جس وقت پاک فضائیہ کے یہ پانچ شاہباز کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے پر بجلیاں بن بن کر ٹوٹ رہے تھے اُس وقت انڈین ایئر فورس کے کئی لڑاکا بمبار طیّارے مشرقی پاکستان کے شہر جیسور پر اُڑتے دیکھے گئے تھے۔ اُن کا رُخ ڈھاکہ کی طرف تھا۔ اطلاع ملتے ہی پاک فضائیہ کے چند ایک طیّارے ان کے مقابلے کے لئے فضا میں پہنچ گئے لیکن دشمن کے ہواباز اپنا مشن مکمل کئے بغیر بھارت کی طرف لوٹ گئے۔

کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے پر انڈین ایئر فورس کی جو درگت بنائی جا چکی تھی اسے پاک فضائیہ نے کافی نہ سمجھا۔ رہی سہی کسر پوری کرنے کے لئے دو گھنٹوں بعد چار طیّارے ایک اور ہوائی حملے کے لئے بھیج دیئے گئے۔ اب

حملہ آور فارمیشن کی قیادت فلائٹ لفٹننٹ حلیم کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے طیاروں میں فلائٹ لفٹننٹ بصیر، فلائٹ لفٹننٹ طارق حبیب اور فلائنگ آفیسر افضال تھے۔ وہ دن کے ساڑھے دس بجے مشرقی پاکستان کی نمناک فضا میں اُڑ گئے اور دشمن کے علاقے کا رُخ کر لیا۔ راستے میں موسم بگڑ گیا اور دھند چھانے لگی جس کی وجہ سے نظر دُور تک کام نہ کرتی تھی پھر بھی یہ چاروں ہواباز تیراتے ہوئے دشمن کے علاقے میں داخل ہو گئے۔ وہ خاصی کم بلندی پر اُڑے جا رہے تھے۔

کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈے کے قریب جا کر انہوں نے حملہ کرنے کے لئے طیارے بلندی پر کھینچ لئے۔ چاروں سیبر دہشت ناک زناٹے سے دشمن کی فضا کو چیرتے دُور اوپر چلے گئے اور حملے کے لئے غوطوں میں آنے کی تیاری کرنے لگے۔ انہیں اپنے پہلے ساتھیوں کی مچائی ہوئی تباہی کے بھی آثار نظر آئے اور انہوں نے شدت سے محسوس کیا کہ انہیں سکواڈرن لیڈر شبیر احمد اور اُس کے ہوابازوں کی قائم کردہ مثال اور روایت کو زندہ رکھنا ہے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ ہوائی اڈے کی راکٹ زدہ وسعت میں کچھ لڑاکا بمبار طیارے اِدھر اُدھر کھڑے ہیں۔ اچانک دشمن کی طیارہ شکن گنوں نے ان پر فائر کھول دیا۔ اب کے ان کا فائر پہلے حملے کی نسبت بہت زیادہ اور بہت تیز تھا۔ فضا میں اُنہوں نے جیسے آگ کا لیپ کر دیا ہو۔

فلائٹ لفٹننٹ حلیم اور اس کے تین ساتھیوں نے جانوں کی بازی لگا دی اور فضا میں دشمن کے پھٹتے گولوں اور چیختی چنگھاڑتی گولیوں کی بوچھاڑوں کو چیرتے دشمن کے طیاروں پر غوطے میں چلے گئے۔ اُنہوں نے زمین پر کھڑے ایک ایک طیارے کو نشانے میں لے لیا لیکن افضال کو سب سے زیادہ دلچسپ بلکہ اشتعال انگیز ٹارگیٹ نظر آگیا ۔۔۔ اس نے دیکھا کہ نیچے رن وے، پر دشمن کے دو ہنٹر طیارے اُڑنے کے

لئے کھڑے تھے۔ وہ شاید پاک فضائیہ کے اس حملے کو روکنے کے لئے جا رہے تھے۔ افضال ان پر ٹوٹ پڑا اور دونوں کو شست میں لے لیا۔ پیشتر اس کے کہ ان کے ہواباز طیاروں کو اِدھر اُدھر کر لیتے یا کم از کم ان میں سے نکل بھاگتے افضال کی مشین گنوں کی بوچھاڑ ان کا کام تمام کر چکی تھی۔ اب نہ ان کے ہوابازوں کو باہر نکلنے کی ضرورت تھی اور نہ دونو ہواباز اور انڈین ایئر فورس کے ہنٹر کسی کے کام آ سکتے تھے۔ افضال زمینی توپچیوں کا منہ چڑاتا عقاب کی طرح اُوپر اُٹھا اور دوسرے حملے کے لئے جانے لگا لیکن ایسی کوئی ضرورت پیش نہ آئی کیونکہ اس کے ساتھی کلائی کنڈہ پر انڈین ایئر فورس کا کام تمام کر چکے تھے۔

فارمیشن کا لیڈر، فلائٹ لفٹننٹ حلیم، آخری غوطے سے اُٹھ رہا تھا کہ اُسے اپنے پیچھے دشمن کے تین ہنٹر نظر آئے۔ وہ قطار میں، ایک دوسرے کے پیچھے، اس پر جھپٹنے کو آ رہے تھے۔ حلیم نے اِدھر اُدھر دیکھا تو چونک اُٹھا۔ ہنٹر طیاروں کا ایک اور غول اُڑا آ رہا تھا۔ حلیم نے اپنے طیارے کا جائزہ لیا۔ ایمونیشن بھی ختم ہو رہا تھا اور ٹینکیوں میں بمشکل واپسی کے لئے تیل باقی تھا یعنی معرکے کے لئے نہ تیل تھا نہ ایمونیشن! ایک ہوش مند لیڈر کی طرح اُس نے دشمن سے اُلجھنے کی بجائے اپنے طیاروں کو بخیر و خوبی واپس لانے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ جس مشن پر آتے تھے وہ کامیابی سے مکمل ہو چکا تھا۔ فضائی معرکے کا کوئی مقصد نہ تھا۔

پاک فضائیہ کے یہ چاروں شاہباز ہنٹروں کو جُل دے کر نکلنے کے لئے پینترے بدلنے لگے لیکن دشمن کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ ان کے گھیرے میں چار پاکستانی طیارے نظر ہی نہیں آتے تھے۔ بھارتی ہواباز انہیں پلک جھپکتے فضا میں تباہ کر سکتے تھے۔ ایمونیشن کم، تیل کم، دشمن کی تعداد کئی گنا زیادہ، اپنی سرحدوں سے دُور، چار پاکستانی ہواباز سترہ روزہ جنگ کی کٹھن ترین

آزمائش میں اُلجھ گئے۔ اُنھوں نے گھبراہٹ کی بجائے حاضر دماغی اور سکونِ قلب کا مظاہرہ کرتے ہوئے دُشمن کے ہر طیّارے کا ہر جھپٹا بیکار کیا اور دفاعی معرکے کے ایسے ایسے کرتب دکھائے کہ دُشمن کا گھنا غول چار طیّاروں پر بھرپور وار نہ کر سکا۔

معرکہ جب عروج کو پہنچا تو ہوابازوں کی بلندی بہت کم رہ گئی تھی۔ ہمارے ہواباز محتاط تھے۔ آخرکار وہ دُشمن کو جُل دے کر گھیرے سے نکل آئے اور خطرناک حد تک کم بلندی پر اُڑتے اپنے علاقے میں داخل ہو گئے۔

ایک ہنٹر نے حلیم پر جھپٹا مارا۔ حلیم پھُرتی سے طیّارہ گھما کر وار بچا گیا۔ ہنٹر کے ہواباز نے حلیم پر دوبارہ جھپٹنے کے لئے طیّارے کو ایسا بے طرح موڑا اور ایسا بے ڈھب پینترا بدلا کہ بلندی تو تھی ہی نہیں، وہ طیّارے کو سیدھا نہ کر سکا اور طیّارہ زمین سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا —— حلیم اپنے طیّارے کو بچا لایا۔

حلیم نے اپنے بکھرے ہوئے ساتھیوں سے اُن کی رپورٹ لی۔ سب نے جواب دیا لیکن افضال کی آواز نہ سنائی دی۔ حلیم نے پھر بلایا لیکن افضال فضا میں نہیں تھا۔ آزاد کشمیر کا رہنے والا فلائنگ آفیسر افضال خان اپنے وطن پر قربان ہو چکا تھا۔

جب حلیم، افضال شہید کو اس امید پر پکار رہا تھا کہ شاید وہ فضا کے کسی گوشے سے بول پڑے، فلائٹ لفٹننٹ طارق حبیب نے گھوم کے دیکھا تو دُشمن کے چار ہنٹر طیّارے اُسے اپنے عقب سے اپنے اوپر جھپٹتے نظر آئے۔ وہاں تو آسمان ہی دُشمن کے طیّاروں سے اَٹا پڑا تھا۔ طارق نے تیل کی فالتو ٹینکیوں کو گرانے کے لئے لیور کھینچا لیکن ایک ہی ٹینکی گری، دوسری پَر کے ساتھ چپکی رہی جس سے پرواز کا توازن متزلزل ہونے لگا لیکن اُس نے طیّارے کو قابو میں رکھا اور دُشمن کے جھپٹے سے بچ گیا۔ وہ چار کے مقابلے میں اکیلا

تھا پھر بھی اُس نے چاروں کو استادانہ چکر دیتے اور ان کا مقابلہ بھی کیا۔

آخر ایک بوچھاڑ اس کے طیّارے کے پَر کے اہم ترین حصّے FLAP پر لگی اور فلیپ جام ہو گیا۔ فلیپ ہی تو طیّارے کی لگام ہوتی ہے ورنہ طیّارہ بے قابو بھی ہو سکتا ہے اور دائیں بائیں گھمانے میں بھی پُرخطر دقّت پیش آتی ہے۔ خصوصاً فضائی معرکے کے دوران فلیپ کا جام ہو جانا دُشمن کے ہاتھوں پٹ جانے والی بات ہوتی ہے۔ اس خطرناک نقص کے باوجود طارق نے ایسے ایسے پینترے بدلے کہ دُشمن کے تعاقب کو جھٹک ڈالا اور اس قدر کم بلندی پر آ گیا کہ درختوں کے درمیان اُڑتا نظر نہ آتا تھا۔ ذرا ہی دیر بعد وہ اپنی جان بھی بچا لایا اور پاک فضائیہ کے بیش قیمت سیبر کو بھی بخیر و خوبی اڈّے پر اُتار لیا جسے گراؤنڈ کریو نے فوراً مرمّت کر کے جنگی پروازوں کے لئے تیار کر لیا۔

ان حالات میں طیّارے کو اور اپنے آپ کو بچا لانا دُشمن کے کئی طیّارے مار گرانے سے زیادہ حیران کن کارنامہ ہوتا ہے۔ طارق کا یہ کارنامہ پاک فضائیہ کی اعلیٰ تربیت کی سند ہے۔ طارق اپنا طیّارہ صرف بچا ہی نہیں لایا تھا بلکہ وہ اس مشن میں دشمن کے تین کینبرا طیّارے اور ایک C-119 طیّارہ کلائی کنڈہ کے ہوائی اڈّے پر بھسم کر آیا تھا۔ اس غیر معمولی اور مثالی شجاعت کے صلے میں طارق حبیب کو ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔

ان دو ہی حملوں میں، صرف ایک دن میں، ڈھاکہ کے مُٹھی بھر پاک شاہبازوں نے انڈین ایئر فورس کے چودہ (۱۴) کینبرا بمبار طیّارے اور ایک C-119 جلا کر خاکستر کیے، چار کینبرا اور تین ہنٹر طیّاروں کو بیکار کیا۔ دُشمن کے اس نقصان کے مقابلے میں پاک فضائیہ کا صرف ایک ہواباز شہید ہوا۔ کلائی کنڈہ پر یہ حملہ انڈین ایئر فورس کے لئے ضربِ کاری ثابت ہوا اور اس لحاظ سے فیصلہ کُن کہ مشرقی پاکستان کو تہہ تیغ کرنے کے لئے بھارت نے مغربی بنگال میں جو ہوائی قوّت جمع کر رکھی تھی اُسے ملیامیٹ کر دیا گیا اور بھارت کا زعم ٹوٹ گیا۔

جب مغربی پاکستان کی سرحدوں پر پاک فضائیہ کے شاہباز دُشمن کی یلغار کے لئے قیامت بنے ہوئے تھے مشرقی پاکستان میں ان چند ہوابازوں نے دُشمن کے فضائی بھوت کی گردن مروڑ دی لیکن گردن کی بجائے دُم مروڑ دینا کہا جائے تو زیادہ موزوں ہے کیونکہ پاکستان بھر میں ان ہوابازوں کو اب دُم تراش TAIL CHOPPERS کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

☆

توپیں خاموش ہو گئیں

۲۱ ستمبر ۱۹۶۵ء بھارت نے لاہور سیکٹر میں سترہ روزہ جنگ کا شدید ترین حملہ کیا جس کا مقصد صرف یہ تھا کہ لاہور کی فتح کے جھوٹے اعلان کو کسی حد تک سچ ثابت کیا جا سکے۔ بھارتی حکمران آل انڈیا ریڈیو سے لاہور پر قبضے کی خبر اور روز بروز "فتوحات" کی خبریں نشر کر کے، اپنے عوام کے سامنے ہی نہیں دُنیا بھر کے سامنے ذلیل ہو چکے تھے۔ اُدھر چند ہی روز پہلے بھارت سرکار اقوام متحدہ میں غیر مشروط فائر بندی کی التجا کر چکی تھی جسے پاکستان نے اس لئے قبول کر لیا تھا کہ دُنیا والوں پر ثابت ہو جائے کہ پاکستان امن کا متلاشی ہے۔ بھارت کی پوزیشن بہت نازک اور شرمناک تھی۔

دوسرے ملکوں کے سامنے فائر بندی کی التجائیں اور اپنے ملک میں لاہور کی فتح کی "خوش خبریاں"۔ بعض بھارتی اخبار کھلے بندوں اپنے حکمرانوں کو کوسنے لگے تھے۔ حد یہ کہ بھارت کے ایک صفِ اوّل کے انگریزی اخبار نے آکاش وانی کے جھوٹ کا مذاق ایک کارٹون کے ذریعے اُڑایا تھا۔ پارلیمان میں حزبِ اختلاف برسرِ اقتدار پارٹی کے لئے وبالِ جان بن گیا تھا۔ چنانچہ اپنے عوام، اخبارات اور حزبِ مخالف کے سامنے سرخرو ہونے کے لئے بھارتی سینا کی ہائی کمان کی ہدایت کے مطابق بھارتی کمانڈروں نے ۲۱ ستمبر کو لاہور

کے مضافات کے کسی تھوڑے سے علاقے پر کسی بھی قیمت پر قبضہ کر لینے کے لئے تمام تر فوجی قوت لاہور سیکٹر پر مرکوز کر دی۔ فائر بندی میں دو ہی دِن باقی تھے۔

۲۱ ستمبر کی سحر کا اندھیرا چھٹتے ہی انڈین آرمی نے اپنی تمام تر چھوٹی بڑی اور درمیانہ آرٹلری اور ٹینکوں کی توپوں کے منہ کھول دیئے اور لاہور سیکٹر میں پاک فوج کے اگلے پچھلے مورچوں پر اس قدر شدید گولہ باری شروع کر دی جو سترہ روزہ جنگ میں اپنی مثال آپ تھی۔ اس گولہ باری سے بھارت کے عزائم کا پتہ چلتا تھا اور بھارتی جنگ پسندوں کا دوغلا کردار واضح ہو رہا تھا۔ وہ اس اُمید پر گولہ باری کر رہے تھے جیسے ان کی شکست کو صرف توپیں فتح میں تبدیل کر سکیں گی۔

پاکستانی مورچوں کا کوئی چپّہ بھی قیامت کی اس گولہ باری سے محفوظ نہیں تھا۔ پاک فوج گولہ باری کو سہہ رہی تھی اور شدّت سے اپنی فضائیہ کی ضرورت محسوس کر رہی تھی۔

پاک فضائیہ کے ایک اڈے پر ہواباز اپنی کاک پٹوں میں تیار بیٹھے تھے وہ تو ہر لمحہ اسی طرح تیار بیٹھے رہتے تھے۔ انہیں نہ آرام نصیب ہُوا تھا نہ انہوں نے کسی لمحہ آرام کی سوچی تھی۔ وہ تو جیسے ان ہی طیّاروں میں پیدا ہوئے تھے اور فضاؤں میں جواں ہو گئے تھے۔ اونگھ آئے تو کاک پٹوں میں ہی اونگھ لیتے تھے اور کسی طرف حملے یا فضائی معرکے کا اشارہ ملے تو گرجتے فضاؤں میں اُڑ جاتے تھے۔ ۲۱ ستمبر کی سحر بھی وہ اشارے ہی کے منتظر تھے کہ بلاوا آ گیا ـــــ لاہور سیکٹر میں پاک آرمی کو فضائی مدد کی شدید ضرورت تھی ـــــ بھارتی توپ خانہ انہیں ٹکنے نہیں دے رہا تھا۔

اطلاع ملتے ہی چار طیّارے غرّائے اور سحر کے اُجالے میں تحلیل ہو گئے۔ چار شاہباز ـــــ فلائٹ لفٹننٹ امان اللہ، فلائٹ لفٹننٹ ہاشمی، فلائٹ لفٹننٹ

پرویز اور فلائنگ آفیسر آفتاب ـــــ اپنے پاک فوج کے بھائیوں کی مدد کو جا رہے تھے۔ وہ چند منٹوں میں محاذ پر پہنچ گئے۔ اُنہوں نے نیچے دیکھا۔ اس محاذ پر وہ کئی بار آئے تھے لیکن اِس سے پہلے یہاں کا حال حُلیہ وہ نہیں ہوتا تھا جو انہوں نے اُس روز دیکھا۔ اُنہیں یُوں نظر آیا جیسے زمین شعلے، سیاہ دُھوآں اور گرد کے گھنے بادل اُگل رہی ہو۔ دُشمن کی آرٹلری کی تمام چھوٹی بڑی توپیں ریپڈ فائر کر رہی تھیں اور ان کے جواب میں پاک توپخانہ دھاڑ رہا تھا۔ زمین نظر نہیں آتی تھی۔ بی آر بی کی چمکتی لکیر بھی اُس روز سیاہ دُھوئیں میں روپوش ہو گئی تھی۔ ان سیاہ گھٹاؤں میں خاک و خُون کا ہیبت ناک کھیل کھیلا جا رہا تھا۔

پاک فضائیہ کے ہوابازوں کو خوب معلوم تھا کہ انہیں دُشمن کی توپوں کا منہ بند کرنا ہے لیکن توپیں نظر نہ آتی تھیں۔ چاروں ہوابازوں نے میدانِ جنگ پر چکر لگائے لیکن کچھ نظر نہ آیا تو وہ اور کم بلندی پر چلے گئے مگر اس بلندی سے بھی گرد و غبار میں دوست اور دُشمن کی تمیز ممکن نہیں تھی۔ نہ اپنے مورچے نظر آتے تھے نہ دُشمن کے۔ اُنہوں نے ایسی گولہ باری نہ کبھی دیکھی نہ سُنی تھی۔ وہ اور نیچے چلے گئے اور اندازے کے مطابق اپنے مورچوں پر اُڑان کی۔ پاک فوج نے دُشمن کی نشاندہی کے لئے دُھوئیں کے گولے SMOKE SIGNALS فائر کیے۔ یہ ہوابازوں کو ٹارگیٹ دکھانے کے لئے سگنل ہوتا ہے۔ دُشمن نے عیّاری کی اور اُس کے دستوں نے بھی اسی طرح کے گولے پھینکنے شروع کر دیئے۔ دونو طرف کے سگنل ایک جیسے تھے اور کئی سمتوں کو فائر ہو رہے تھے۔ ہواباز اُلجھن میں پڑ گئے کہ کِس سگنل کو صحیح سمجھیں۔ آخر اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ خود ہی دُشمن کی توپوں کو تلاش کر کے خاموش کرنے کی کوشش کریں۔

جس بلندی پر وہ اُڑ رہے تھے، وہ پہلے ہی پُرخطر تھی۔ اور کتنا نیچے جاتے! لیکن وہ دیکھ رہے تھے کہ اگر پاک فوج کو فضائی مدد نہ ملی تو ہو سکتا ہے کہ دُشمن اپنی اس قدر شدید گولہ باری کے کور میں آگے بڑھ آتے۔ ہوابازوں کے سامنے یہی ایک

صورت تھی کہ وہ اپنے طیاروں کو دُھوئیں اور گرد کے بادلوں میں لے جائیں خواہ اُوپر نہ ہی اُٹھ سکیں لیکن دُشمن پر کوئی تو کاری ضرب لگا کر مریں۔

فارمیشن کے لیڈر امان اللہ اور اس کے ساتھی ہاشمی نے طیاروں کے تھراٹل پورے کھول دیئے، اور گرد و غبار کے سمندر میں غوطہ لگا گئے۔ پرویز اور آفتاب اُوپر اُڑتے رہے تاکہ دُشمن کے طیارے آجائیں تو اُنہیں اُوپر ہی روک لیں۔ جونہی امان اللہ اور ہاشمی گرد و غبار کے اندر گئے دُشمن کی جانے کتنی ہی طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے ان پر فائر کھول دیا۔ پاک فضائیہ کے ان دو نوشاہبازوں کے طیارے گرد و غبار میں تیرتے چلے آرہے تھے اور دُشمن کے مورچوں پر اُڑ رہے تھے۔ ایک چکر میں وہ جلو موڑ پر سے گزرے اور واہگہ تک چلے گئے۔

اچانک ہاشمی نے اپنے طیارے پر ہتھوڑے کی وزنی ضرب محسوس کی۔ طیارہ لرز گیا۔ اُس نے دیکھا، دُشمن کی توپ کا ایک گولہ اُس کے دائیں پَر میں بہت بڑا سوراخ کر گیا تھا۔ اچھا ہُوا کہ گولہ پار ہو گیا پھٹ نہ سکا۔ ہاشمی نے ہوش ٹھکانے رکھے اور شکار کی تلاش میں لگا رہا۔

وہ واہگہ سے گھوم کر کئی سمتوں میں اسی بلندی پر اُڑتے دُشمن کی توپوں کو ڈھونڈتے رہے۔ دُشمن انہیں مار گرانے کے لئے ان پر گولوں اور گولیوں کی مسلسل بوچھاڑیں فائر کر رہا تھا لیکن یہ دونوں ہوا باز دیوانے ہو چکے تھے۔ توپیں یا موت ـــ دُشمن کی توپیں ان کے لئے چیلنج بن گئی تھیں اور جو بات انہیں اُوپر اُٹھنے سے روک رہی تھی وہ یہ تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کے سامنے قسمیں کھا کے آئے تھے کہ خواہ کچھ ہو جائے وہ دُشمن کی توپیں خاموش کر کے لوٹیں گے ورنہ لوٹیں گے ہی نہیں ـــ یہ تھا وہ جذبہ جس نے دُشمن کی اتنی بڑی قوت کو اس قدر کم تعداد سے شکست فاش دی ہے۔

وہ ایک اور چکر پر گھومے اور نیچے دیکھا ـــ ہا! وہ رہی توپیں ـــ درختوں تلے نہایت خوش اسلوبی سے چھپائی ہوئی بڑی دور مار توپیں لاہور کی

طرف آگ اُگل رہی تھیں۔ انڈین آرٹلری نے درختوں تلے گڑھے کھود کر توپوں کو نیم زمین دوز کر رکھا تھا۔ اُوپر جال، جال کے اُوپر درختوں کی ہری ٹہنیاں اور سبز جھاڑیاں بکھیری ہوئیں اور اُوپر درختوں کے گھنے چھاتے ـــ امان اللہ اور ہاشمی نے غور سے دیکھا تو انہیں درختوں تلے اسی طرح کئی توپیں چھپی ہوئی نظر آئیں۔ ان کے صرف دہانے نظر آرہے تھے۔ بلندی پر تیز رفتار پر اُڑتے ڈھکی چھپی توپوں کو دیکھ لینا آسان نہیں ہوتا۔

دونوں ہوا باز ان پر جھپٹنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے فائر اور تیز کر کے ان پر مرکوز کر دیا۔ ہاشمی کا طیارہ بُری طرح ڈگمگایا ـــ اسے ایک اور گولہ لگ گیا تھا ـــ امان اللہ کا طیارہ بھی جھنجھوڑا گیا۔ اسے بھی گولہ لگ گیا تھا لیکن قریب ہونے کی وجہ سے گولے پھٹنے کی بجائے طیاروں کو چیر کر پار ہو گئے اور ہوا بازوں نے طیارے سنبھال لئے اور جس جس گن پوزیشن کو اُنہوں نے شست میں لے لیا تھا اُنہیں نشانے سے نکلنے نہ دیا۔

امان اللہ سناتا ہے ـــ "ہمارے طیارے ہٹ ہو چکے تھے۔ عین ممکن تھا کہ اس قدر غوطہ زنی اور رفتار سے طیارے کا یہ زخم کھل جاتا جس کا نتیجہ تباہی ہو سکتا تھا لیکن ہم نے دُشمن کی توپیں دیکھ لی تھیں۔ ہم واپس کس طرح آجاتے، ہمارے سامنے اپنے طیارے یا اپنی جانیں نہیں بلکہ دُشمن کی توپیں تھیں جنہیں خاموش کرنا ہمارا مقدس فرض تھا۔ ہم نے اُنہیں بڑی مشکل سے تلاش کیا تھا۔ ہمیں احساس تھا کہ ہم جتنی توپیں تباہ کر دیں گے پاک فوج کو اسی قدر فائدہ ہو گا۔ ہم تو اُن کے لئے مرنے گئے تھے۔

دونوں نے جس جس گن پوزیشن کو نشانے میں لیا تھا، دوسرے ہی لمحے اُن توپوں کے پرخچے ہوا میں اُڑتے نظر آئے اور ان کے توپچی جو نیم زمین دوز تھے، منوں مٹی تلے دب گئے ـــ امان اللہ اور ہاشمی کے راکٹ کام کر گئے تھے۔ انہوں نے طیارے جھپٹے سے اُٹھائے اور پھر غوطے میں آکر دو اور گن پوزیشنوں

کو نشانے میں لے لیا۔ ان کے بکتر شکن راکٹوں نے ان توپوں کو بھی گڑھوں سے اچھال کر ان کے ٹکڑے بکھیر دیئے اور توپچیوں کے جسموں کے اعضا لاہور کی مٹی میں مل گئے۔

پھر امان اللہ اور ہاشمی پاگل ہو گئے۔ دُشمن کے بے پناہ طیارہ شکن فائر سے بے نیاز انھوں نے آنکھیں سیکٹر سیکٹر کر گنوں کو ڈھونڈ نکالا اور گرد و غبار میں غوطے لگا لگا کر جس قدر گنیں نظر آئیں بکتر شکن اور آتشیں گولیوں اور راکٹوں سے تباہ کر دیں۔ صرف امان اللہ نے ایک جگہ پانچ بڑی توپیں HEAVY GUNS برباد کیں۔ ہاشمی نے توپیں برباد کرنے کے علاوہ ایک جگہ گولوں کا بہت بڑا ذخیرہ دیکھ لیا اور مرکوز کئے ہوئے طیارہ شکن فائر میں جا کر اس ذخیرے کو راکٹوں سے اُڑا دیا۔ ارد گرد کا علاقہ پھٹتے گولوں کے سیاہ دُھوئیں میں چھُپ گیا۔

اب تو اس قدر کم بلندی سے بھی نیچے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ دونوں شاہباز اُوپر اُٹھ آئے۔ کھلے آسمان میں آکر دیکھا۔ ان کے پاس ابھی کچھ ایمونیشن باقی تھا۔ وہ پھر غوطے میں جا کر گھرے گرد و غبار میں روپوش ہو گئے۔ انہوں نے سارا علاقہ چھان مارا اور چند اور گن پوزیشنیں دیکھ لیں۔ طیارہ شکن فائر اور زیادہ ہیبت ناک ہو گیا۔ ان کے طیاروں نے چوٹ پہ چوٹ کھائی۔ ہر چوٹ کے ساتھ طیارے ڈگمگاتے لیکن ان دونوں نے پاگل پن کی حد تک بے خوف ہو کر جو جو گن پوزیشن دیکھی، اس پر جھپٹے اور اِسے ہوا میں اچھال کر ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ وہ اُس وقت اُوپر اُٹھے جب ان کی گنیں ایمونیشن ختم ہو جانے کی وجہ سے چُپ ہو گئیں اور راکٹ ختم ہو گئے۔

وہ اُوپر اُٹھ آئے۔ اب پرویز اور آفتاب گرد و غبار میں غوطے لگا گئے۔ وہ اپنے لیڈر اور ہاشمی کی جانبازی دیکھ چکے تھے۔ ان دونوں نے بھی اُن ہی کی طرح زمین کے قریب جا کر گن پوزیشنیں ڈھونڈیں اور جو توپ اُنہیں نظر آئی، اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے بکھیر دیا۔ اُنھوں نے کئی جھپٹے مارے اور ان کا کوئی جھپٹا رائیگاں نہ گیا

ایمونیشن اور راکٹ ختم کر کے وہ نیچی اُڑان کر کے دیکھنے لگے کہ کوئی اور گن پوزیشن تو نہیں رہ گئی؟ —— نہیں —— بڑی توپیں ہمیشہ کے لئے خاموش ہو چکی تھیں۔ وہ اُوپر اُٹھ آئے۔ جب چاروں شاہبازوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اپنے دوستوں کے سامنے جو قسم کھا کر آئے تھے، وہ پوری ہو چکی ہے تو انہوں نے واپسی کا رُخ کیا۔

اڈے پر اُتر کر انہوں نے اپنے طیاروں کا جائزہ لیا۔ ہاشمی کے طیارے میں نو (۹) جگہوں پر دُشمن کی گولیاں اور گولے لگے تھے —— نَو شدید چوٹیں —— اور امان اللہ کا طیارہ چار جگہوں سے اُڑا ہُوا تھا۔ دونوں طیاروں کو دیکھ کر ٹیکنیشن حیران رہ گئے کہ یہ اُڑتے کس طرح رہے ہیں۔ گراؤنڈ کریو دونو طیاروں کو الگ گھسیٹ لے گئے اور مرمّت کا جو کام کئی دِنوں میں مکمل نہ ہو سکتا تھا اُنھوں نے صرف دو گھنٹوں میں کر کے دونوں طیاروں کو اگلے جنگی مِشن کے لئے اُڑا دیا۔

اور اُس شام آل انڈیا ریڈیو نے حسبِ عادت یہ خبر نشر کی کہ لاہور سیکٹر میں پاکستان ایئر فورس کے دو طیارے گرا لئے گئے ہیں۔

جب یہ چاروں شاہباز دُشمن کی بڑی توپوں کے پرخچے اُڑا کر واپس آ رہے تھے، پاک فضائیہ کے چار طیاروں کی ایک اور فارمیشن واگہ اٹاری سیکٹر میں دُشمن کی توپوں کی تلاش میں پہنچ چکی تھی۔ اس فارمیشن کا لیڈر سکواڈرن لیڈر عظیم داؤد پوتا تھا۔

امان اللہ کی طرح عظیم نے بھی اپنے دو طیاروں کو اُوپر اُڑتے رہنے کی ہدایت کی تاکہ دُشمن کے طیارے آجائیں تو اُنہیں سنبھالیں اور وہ خود اپنے نمبر ۲، فلائٹ لفٹننٹ سیف الاعظم کے ساتھ دُھوآں دھار میں غوطے میں چلا گیا۔ امان اللہ اور ہاشمی نے جو گن پوزیشنیں اور گولوں کے ڈھیر اُڑائے تھے اُن سے دُھوآں اُٹھ رہا تھا اور توپچیوں کی لاشوں پر گدھوں کے غول ضیافت کر رہے تھے۔ ایک اُڑتا ہوا گدھ عظیم کے طیارے کی وِنڈ سکرین (سامنے والے شیشے) سے ٹکرا گیا۔ اس قدر تیز رفتار جیٹ طیارے کے ساتھ ٹکرا کر گدھ کا جو حشر ہُوا ہو گا وہ ظاہر ہے۔ عظیم کی وِنڈ سکرین خون سے بھر گئی۔ اُسے اب اپنے سامنے گہرے لال رنگ کے خون کے

سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ اُس نے طیّارے کو اسی بلندی پر قابو میں رکھا اور جلّو موڑ پر دُشمن کے اجتماع پر آن پہنچا۔ خُدا خُدا کر کے ونڈ سکرین سے خون صاف ہو گیا اور عظیم کو گرد و پیش نظر آنے لگا۔

دُشمن کی طیّارہ شکن گنوں نے عظیم اور اعظم پر بے طرح فائرنگ شروع کر دی، لیکن یہ دونو شاہباز ان کے بے ہنگم فائر میں اڑتے گن پوزیشنوں کو تلاش کرتے رہے۔ چند چکر لگا کر اُنھوں نے جلّو موڑ سے واہگہ تک جی ٹی روڈ پر نیچی اُڑان کی تو سڑک کے دونوں طرف اُنھیں درمیانہ (میڈیم) توپوں کے "گھونسلے" نظر آ گئے۔ ان توپوں کو بھی دُشمن نے بڑی خوبی سے جھاڑیوں، درختوں اور ٹہنیوں سے چھپایا ہُوا تھا اور ان کے صرف ذرا ذرا دہانے نظر آ رہے تھے۔ دونو شاہباز درختوں کی بلندی پر اُڑ رہے تھے اور دُشمن کا تمام تر طیّارہ شکن فائر ان پر مرکوز تھا۔

دونو اپنے اپنے شکار پر جھپٹے میں جانے لگے تو عظیم کا طیّارہ یک لخت ڈگمگایا۔ دیکھا کہ دُشمن کی کسی مشین گن کی پوری بوچھاڑ اُس کے بائیں پَر کو چھلنی کرتی گزر گئی تھی۔ پَر میں ایک جگہ خاصا بڑا سُوراخ ہو گیا تھا لیکن عظیم نے طیّارے کو سنبھال کر غوطے میں رکھا۔ اس کے طیّارے سے سرسراتے ہوئے راکٹ نکلے۔ اُدھر اعظم کے طیّارے نے ایک اور گن پوزیشن پر راکٹ اُگل دیئے اور بیک وقت دُشمن کی دو توپوں کے ٹکڑے گڑھوں سے اُڑ کر اپنے توپچیوں کے جسموں کے پرخچوں کے ساتھ جی ٹی روڈ کے اِدھر اُدھر بکھر گئے —— دو میڈیم گنوں کا خاتمہ ہو گیا۔

دونو اُوپر اُٹھے اور طیّارے گھما کر دوسرے جھپٹے میں چلے گئے۔

دُشمن کی دو اور توپیں اور ان کے توپچی اپنے حکمرانوں کی جنگ پسند ذہنیت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ عظیم اور اعظم پھر اُٹھے، پھر جھپٹے، پھر اُٹھے، پھر غوطے میں گئے اور جلّو سے واہگہ تک سڑک کے دونو طرف کئی جگہوں سے دُھواں اُٹھنے لگا اور دشمن کا میڈیم توپخانہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر واہگہ کے کھیتوں میں بکھر گیا۔ طیّارہ شکن

گنوں نے قیامت بپا کیے رکھی لیکن ان پر دہشت طاری ہو چکی تھی۔

ایمونیشن اور راکٹ ختم کر کے وہ کھُلے آسمان میں اُٹھ آئے اور فارمیشن کے دوسرے ہواباز —— فلائٹ لفٹننٹ سلیم اور فلائنگ آفیسر قادر —— غوطے میں جا کر زمین سے اُٹھتے گرد و غبار میں غائب ہو گئے۔ عظیم اور اعظم کی دست بُرد سے بچی ہوئی چند چھوٹی اور درمیانہ توپوں کو اُنھوں نے ڈھونڈ نکالا۔ وہ ابھی تک پاک فوج کے مورچوں پر گولہ باری کر رہی تھیں۔ سلیم اور قادر نے مرکوز طیّارہ شکن فائر کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک ایک گن پوزیشن کو چُن چُن کر نشانہ بنایا اور جب وہ ایمونیشن ختم کر کے اُوپر اُٹھے اور نیچے کا جائزہ لیا تو دُشمن کا تمام کا تمام توپخانہ ہمیشہ کے لیے خاموش ہو چکا تھا۔

اس شام لاہور سیکٹر کے کمانڈر میجر جنرل سرفراز نے پاک فضائیہ کو اس قدر کامیاب فضائی حملے اور اس قدر غیر معمولی شجاعت پر مبارکباد کا پیغام بھیجا۔ پاک فضائیہ نے پاک فوج کو آتش فشاں پہاڑوں سے محفوظ کر دیا تھا

☆

۱۹ ستمبر کا معرکہ

فلائٹ لفٹننٹ سیف الاعظم، سکواڈرن لیڈر داؤد پوتا کا نمبر ۲ تھا۔ وہ دونو پاک فوج کو سیالکوٹ سیکٹر میں فضائی مدد دے رہے تھے۔ چونڈہ کے تاریخی میدان میں دُشمن کی بکتر بند قوت کا دم خم اس حد تک توڑا جا چکا تھا کہ بھارتی کمانڈروں کے سیالکوٹ کو کچل کر جرنیلی سڑک تک پہنچنے کے خواب چکنا چُور ہو گئے تھے۔ اب بھارتی محض خفت مٹانے کی خاطر چونڈہ کے میدان میں بکتر بند کمک جھونک رہے تھے۔ پاک آرٹلری اور پاک فضائیہ دُشمن کی کمک کا وہی حشر کر رہی تھی جو اُس کی پہلی ٹینک رجمنٹوں کا ہو چکا تھا۔ ہر سُو دُشمن کے جلتے ہُوئے اور تباہ شُدہ ڈھانچے بکھرے ہوئے تھے۔

۱۹ ستمبر کے روز سکواڈرن لیڈر عظیم داؤد پوتا اپنی فارمیشن کے ساتھ الہڑ ریلوے سٹیشن (سیالکوٹ سیکٹر) کے قریب دُشمن کے ٹینکوں پر بجلی بن بن کر ٹوٹ رہے تھے۔ پاک فوج کے کنٹرولر نے انہیں خبردار کیا کہ چند بھارتی لڑاکا طیارے ان کے پیچھے آ رہے ہیں۔ اُس وقت تک داؤد پوتا اور اُس کے ہوابازوں کا ایمونیشن ختم ہو چکا تھا اور وہ واپسی کا رُخ کر چکے تھے لیکن دُشمن کے نیٹ طیاروں نے انھیں آ لیا۔ عظیم داؤد پوتا نے اپنے ہوابازوں کو فالتو ٹینکیاں پھینک دینے کو کہا۔ تمام طیاروں کی ٹینکیاں پروں سے الگ ہو کر سیالکوٹ کی سرزمین پر گر پڑیں۔

عظیم سناتا ہے ——"مَیں نے بائیں طرف دیکھا۔ میرے نمبر ۲، اور نمبر ۳ کے

عقب میں دُشمن کے چار نیَٹ طیّارے حملے کے لئے آرہے تھے۔ مَیں وائرلیس پر چلّایا —— "بائیں کو ہو جاؤ"۔ —— دونوں ہوابازوں نے پھُرتی سے اپنے طیّارے بائیں کو کر لئے لیکن نیَٹ فائرنگ شروع کر چکے تھے اور نمبر ۳۔ فلائٹ لفٹننٹ ایس ایم احمد کا طیّارہ زد میں آچکا تھا....

ضرب معمولی نہیں تھی۔ مجروح طیّارے کو فضا میں رکھنا آسان نہ تھا۔ معرکے سے نکلنا آسان تھا لیکن احمد کی حاضر دماغی اور پرواز کی قابلیّت طیّارے کو بچا لائی۔ اُس نے اس قدر تباہ حال طیّارے کو سنبھالے رکھا اور اڈّے پر محفوظ اتار لیا۔ ہمارے پاس ایمونیشن اس قدر تھوڑا تھا کہ ہمیں معرکے سے نکل آنا چاہیئے تھا لیکن ہم بھارتی ہوابازوں کو مایوس نہیں کرنا چاہتے تھے....

"مَیں نے دو نیَٹ طیّاروں کو دائیں طرف گھومتے دیکھا۔ وہ ہمارے عقب میں آنے کے لئے پینترا بدل رہے تھے۔ مَیں نے قلابازی کھائی اور پیشتر اس کے کہ دُشمن ہمارے پیچھے پوزیشن لیتا مَیں ایک نیَٹ کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ بھارتی ہواباز نے مجھے دیکھ لیا اور مجھے تعاقب سے جھٹکنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ وہ دراصل معرکے سے بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مَیں اس کے تعاقب میں رہا لیکن نیَٹ طیّارہ سیبر سے تیز ہوتا ہے۔ مَیں نے تھراٹل پورا کھول دیا اور اُس کے پیچھے گیا لیکن وہ میرے چنگل سے نکل گیا....

میرے نمبر ۲۔ فلائٹ لفٹننٹ سیف الاعظم کا رابطہ ہم سے ٹوٹ چکا تھا۔ مجھے اُس وقت تک معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں کھو گیا ہے لیکن اُس نے فضا میں اپنی موجودگی کا اعلان کر دیا۔ اُس کا وائرلیس سِسٹم تو کسی خرابی کی وجہ سے خاموش تھا لیکن اس کی مشین گنیں خاموش نہ رہ سکیں۔ اُس نے ایک نیَٹ طیّارے کو زد میں لے لیا تھا۔ بھارتی ہواباز بھی فلائٹ لفٹننٹ ہی تھا —— اعظم کی ٹکر کا فلائٹ لفٹننٹ —— لیکن پاک فضائیہ کے اس جری فلائٹ لفٹننٹ نے بھارتی فلائٹ لفٹننٹ کا کوئی داؤ نہ چلنے دیا۔ وہ اعظم سے بچنے کے لئے ماہرانہ کرتب دکھا رہا تھا لیکن اعظم نے

اُسے رینج میں لیا اور چھوٹا سا برسٹ فائر کر کے نیٹ کو آگ لگا دی۔ بھارتی ہواباز پھُرتیلا تھا۔ وہ جلتے طیّارے سے پیراشوٹ سے کُود آیا لیکن بھارت واپس نہ جا سکا۔ اُسے پاک فوج نے گرفتار کر لیا۔ اُس کا نام فلائٹ لفٹننٹ مہادیو تھا —— بھارت کے مہادیو کے بال و پر پاکستان کے شاہیں نے نوچ ڈالے۔"

جب رعد انبالہ پر کوندی

بھارتی سرحدوں کے دُور اندر انبالہ انگریزوں کے زمانے کی مشہور چھاؤنی ہے۔ وہاں کا ہوائی اڈّہ بھارت کا سب سے بڑا ہوائی اڈہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ جنگِ ستمبر میں اس اڈے پر جدید ترین ریڈار کے علاوہ انتہائی دہشت ناک دفاعی انتظامات تھے۔ یہ خیال بھی عام تھا کہ وہاں زمین سے فضا میں مار کرنے والے میزائیل بھی موجود ہیں۔ اس اڈے اور وہاں کے جنگی ساز و سامان کو انڈین ایئر فورس کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل تھی۔ پٹھان کوٹ، ہلواڑہ، آدم پور اور جام نگر کے فضائی اڈوں کو پاک فضائیہ بیکار کر چکی تھی۔ اب انڈین ایئر فورس کے بیشتر فضائی حملوں کی راہنمائی انبالہ سے ہوتی تھی۔ پاک فضائیہ کے شاہبازوں کے لئے انبالے کا ہوائی اڈہ ایک چیلنج بن گیا تھا۔ وہ تمام دشواریوں، فاصلے اور دُشمن کے دفاعی خطروں سے آگاہ تھے لیکن انبالے کی تباہی ناگزیر ہو گئی تھی۔ پاک فضائیہ نے چیلنج قبول کر لیا۔

تارگیٹ (انبالے کے ہوائی اڈے) پر پہنچنے کا وقت ایک بجے رات مقرر ہُوا۔ پاک فضائیہ کے دو بی ۔ ۵۷ بمبار طیارے اپنے اڈے سے اُڑ گئے۔ ایک کا ہوا باز سکواڈرن لیڈر نجیب احمد خاں اور نیوی گیٹر (راہنما) فلائٹ لفٹننٹ ولیم بی ہورنی تھا۔ دوسرے بمبار کو ونگ کمانڈر نذیر لطیف اُڑا رہا تھا اور اس کے ساتھ اور نگ زیب نیوی گیٹر تھا۔ (بمبار طیارے میں دو آدمی بیٹھتے ہیں۔ ایک پائلٹ

اور دوسرا نیوی گیٹر)۔

بُجھا بُجھا سا چاند اُفق سے اُبھر رہا تھا۔ اس کی چاندنی، رات کو اور زیادہ پُر اسرار اور زمین کے خدوخال کو اور زیادہ اجنبی بنا رہی تھی۔ دونوں بمبار طیارے بہت کم بلندی پر اُڑے جا رہے تھے۔ اُنہیں زمین پر لا بنے لا بنے بے ڈھب سایوں کے سوا جانی پہچانی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ کہیں کسی دریا، نہر یا ندی نالے کی بل کھاتی لکیر دکھائی دیتی تھی جسے برق رفتار طیارے پیچھے پھینکتے اُڑے جا رہے تھے۔ بھارت کی فضا میں جنگ کی بُو باس رچی ہوئی تھی۔ ہوا بازوں اور نیوی گیٹروں کو اپنے طیاروں کے انجنوں کی تھمی تھمی گونج کے سوا اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ وہ آپس میں بھی باتیں نہیں کر رہے تھے کیونکہ اُنہوں نے وائرلیس سیٹوں کو مصلحۃً خاموش رکھا ہُوا تھا۔

اگلے طیارے کا نیوی گیٹر فلائٹ لفٹننٹ ہورنی اپنے ہوا بازوں کو راہ دکھا رہا تھا اور اُس نے انبالے کا صحیح راستہ سیٹ کر رکھا تھا۔ ہورنی نے اکثر گُھپ اندھیری راتوں میں بمبار طیاروں کو راہ دکھائی تھی لیکن وہ تربیتی پروازیں تھیں یا محض مشق ہُوا کرتی تھی مگر آج وہ طیاروں کو ایسی منزل پر لئے جا رہا تھا جہاں سے اُن کا لوٹ آنا کوئی ایسا یقینی نہیں تھا۔ وہ زندگی کی بازی لگا کر موت کا منہ بند کرنے جا رہے تھے۔

پاک فضائیہ کے ان چار شاہبازوں کو اچھی طرح علم تھا کہ وہ انبالے کے ہوائی اڈے پر بمباری کرنے جا رہے ہیں جہاں دُشمن نے اُنہیں فضا میں بھسم کر دینے کا غیر معمولی بندوبست کر رکھا ہے۔

سکواڈرن لیڈر نجیب اس جنگی مشن کی روئیداد اپنی زبانی یُوں سناتا ہے ——— "وقت کے مطابق ہم نے اندازہ کر لیا کہ ہم انبالہ کے قریب ہیں۔ ہم نے طیارے اور نیچے کر لئے۔ چاند نکل آیا تھا لیکن دُھند کی وجہ سے چاندنی ہمارے کسی کام کی نہیں تھی۔ کچھ نظر نہ آ سکنے کی وجہ سے ہم سے شاید ذرا سی غلطی ہو گئی تھی پھر بھی ہم بڑھتے گئے۔ اچانک میرا وائرلیس سیٹ جاگ اُٹھا۔ اپنے راہنما ہورنی کی

آواز سنائی دی ——— "ٹارگیٹ، الیون او کلاک (سامنے، ذرا بائیں) آ رہا ہے"...

"اس آواز نے میری رگوں میں سنسنی کی سی لہر دوڑا دی اور مجھ پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی۔ میری رگ رگ بیدار ہو گئی اور یہ احساس اُبھر آیا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔ میں نے مکمل طور پر چوکس اور مستعد ہو کر بمباری کے تمام سوئچ، بٹن اور دیگر آلات وغیرہ کا جائزہ لے لیا اور ایک دو بٹن دبا کر بموں کو پھٹنے کے لیے تیار کر لیا۔ اب بم ڈور BOMB DOOR (اُس جگہ کا ڈھکنا جہاں بم لگے ہوتے ہیں) کھولنا تھا اور ایک اور بٹن دبا کر بموں کو ٹارگیٹ پر گرانا تھا۔ انگوٹھے کی بظاہر ہلکی سی جنبش ہی تو تھی جیسے پلک جھپک ڈالی ہو لیکن میں اس جنبش کی عظمت سے آگاہ تھا۔ قوموں کی تاریخ اسی ایک لمحے میں لکھ دی جاتی ہے۔ قوموں کی فتح و شکست کا دارومدار اسی ایک جنبش اور اسی ایک لمحہ کی ذہنی کیفیت پر ہوتا ہے۔...

"انبالے کے ہوائی اڈے کے دفاع کی بہت داستانیں سُنی تھیں۔ مجھے اچھی طرح معلوم تھا کہ میرے انگوٹھے کی جنبش سے ذرا ہی پہلے یا ذرا ہی بعد یا اسی عظیم لمحے کے دوران زمین پر بھی کوئی توپچی اپنی انگلی کو ذرا سی جنبش دے دے گا اور میرے خون کے قطرے پھٹتے طیارے کے ساتھ انبالے کی فضا میں تحلیل ہو جائیں گے لیکن وہ لمحات اپنی موت سے ڈرنے کے نہیں تھے۔ یہ لمحے اس مقصد کی تکمیل کے لئے تھے جو میری جان سے زیادہ قیمتی تھا۔ پاکستان کی آبرو کا انحصار ان ہی چند لمحوں پر تھا۔ میں نے بم ڈور کھول دیا اور انبالے کے دفاع کی ڈراؤنی کہانیوں کو ذہن سے جھٹک کر بمباری کے لئے پہلے حملے میں جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ میں زمین سے بمشکل دو سو فٹ کی بلندی پر اُڑ رہا تھا۔ تاریکی ایسی تھی کہ اس قدر کم بلندی سے بھی زمین پر کچھ نظر نہ آتا تھا....

"یک لخت میرے اردگرد کا آسمان دُشمن کی طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں کے ٹریسر ایمونیشن سے چمکنے لگا۔ ہر سُو شرارے اور روشنی کی لکیریں پھیلنے لگیں اور میرا طیارہ روشنی اور شراروں کے جال میں اُلجھ گیا۔ انبالے کا دفاع واقعی

چوکس اور شدید تھا۔ میرے طیّارے کا اس قدر بے تحاشہ فائر کی زد میں نہ آنا ناقابلِ فہم تھا۔ دُشمن کی مشین گنوں کی کتنی بوچھاڑیں میرے طیّارے کے پَروں اور باڈی FUSELAG سے پار ہوگئیں اور طیّارہ ہر بوچھاڑ پر لرز لرز گیا۔ طیّارہ شکن توپ کے دو گولے اس قدر قریب سے گزُرے کہ طیّارہ جانے کِس طرح محفوظ رہا۔ گاہے یُوں لگتا تھا جیسے میرے بے جان بمبار طیّارے کو بھی میرے عظیم مقصد کا علم ہے۔ وہ نہایت وفاداری سے میرے قابو میں غرّاتا، گرجتا، گونجتا صحیح راہ اور رفتار پر اُڑا جا رہا تھا۔ . .

"دُشمن کا فائر عجیب انداز اور بھیانک رفتار سے عروج کو پہنچنے لگا۔ اس قدر فائر؟ یہ میرا پہلا بمباری کا حملہ نہیں تھا۔ مَیں نے جودھ پُور، جام نگر، ہلواڑہ اور آدم پور کے فضائی اڈّوں پر بمباری کی تھی۔ وہاں بھی دُشمن کے طیّارہ شکن فائر نے مجھے گرا لینے کی سَر توڑ کوشش کی تھی ___ وہاں کے طیّارہ شکن توپچیوں نے بھی آسمان کو گولیوں اور گولوں سے بھر دیا تھا۔ مَیں اس آتش باری میں ٹھکانے پر بم گرا آیا تھا لیکن انبالے کے آسمان میں تو جیسے دُشمن کی گنوں نے مچھلیاں پکڑنے والا آگ کے تاروں کا جال بُن کر میرے اِرد گرد پھینک دیا تھا۔ میں اس پرواز کو اپنی زندگی کی آخری پرواز سمجھنے لگا اور میں نے اس حقیقت کو قبول کر لیا۔ . . .

"یہ تو چند لمحوں کی بات تھی۔ مَیں تارگیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ تارگیٹ قریب آیا تو میں نے خُدائے ذوالجلال کو یاد کیا اور طیّارے کو جھکی اُڑان پر قابو میں رکھا۔ دوسرے ہی لمحے مجھے ہوائی اڈّے کے ہینگروں (جن شیڈوں میں طیّارے رکھے جاتے ہیں) کے مہیب سائے نظر آنے لگے۔ اس مقام پر آ کر دُشمن کی زمین اس قدر گولیاں اور گولے اُگل رہی تھی کہ آگے جانا جہنم میں کُود جانے والی بات تھی، لیکن یہی تو میرا مشن تھا۔ زبان پر اللہ کا نام اور انگوٹھا بمباری کے بٹن پر۔ مَیں دُشمن کے خطرناک ترین فائر کے علاقے میں داخل ہو گیا۔ تارگیٹ کا اندازہ کیا اور خُدا کو یاد کر کے بٹن دبا دیا۔ میرے طیّارے کے پیٹ سے ایک ایک ہزار پونڈ کے

چار بم نکلے جن سے طیّارے نے اُوپر کو ہچکولہ کھایا۔ . . .

"مَیں دُشمن کے فائر کے جہنم میں سے گزر کر نکل آیا۔ جانے کتنی گولیاں میرے طیّارے کے ڈھانچے میں سُوراخ کرتی پار ہوگئیں، لیکن طیّارہ پھٹنے سے بچ گیا۔ بیکار بھی نہ ہُوا اور میں طیارے سمیت نکل آیا۔ ابھی میرے طیّارے میں چند اور بم بھی تھے۔ میں نے دوسرے حملے کے لئے طیّارے کو گھمایا اور پھر دُشمن کی گولہ باری کا رُخ کر لیا۔ . . .

"میرے پہلے گرائے ہوئے بم انبالے کے ہوائی اڈّے پر تباہی مچا چکے تھے۔ ان کی لگائی ہوئی آگ میں مجھے ہوائی اڈّے کی چند عمارتیں اور باہر کھڑے کئے ہوئے طیّارے بھی نظر آنے لگے لیکن دُشمن کی طیّارہ شکن گنوں نے میرے اعصاب کو ہلا ڈالا تھا۔ میں نے طیّارے کی رفتار تیز کر دی اور بمباری کے دوسرے حملے میں چلا گیا۔ مَیں ایک بار پھر دُشمن کے فائر کے جال کو چیرتا ہُوا اپنے بم اُس مقام پر گرا کر نکل آیا جہاں انڈین ایئر فورس کے لڑاکا بمبار طیّارے کھڑے تھے۔ گھوم کے دیکھا کئی جگہوں سے شعلے اُٹھ رہے تھے۔ میرے یہ بم بھی ٹھکانے پر لگے۔ . .

"میں نے طیّارے کا تیل چیک کیا۔ تیل تیزی سے کم ہو رہا تھا اور ہمیں واپس بھی آنا تھا لیکن مجھے خیال آ گیا کہ میرے طیّارے میں دو بم ابھی باقی ہیں۔ مَیں نے اب تمام خوف جھٹک ڈالے تھے۔ مَیں تیسرے حملے کے لئے گھوم گیا۔ اب کے میں اُس مقام کی طرف بڑھا جہاں میں نے انڈین ایئر فورس کے چند اور طیّارے کھڑے دیکھے تھے۔ طیّارہ شکن گنوں کا فائر پہلے کی طرح ہی ہولناک تھا لیکن میں نے مکمل یکسوئی اور اطمینان سے بم گرائے۔ جب میں نے طیّارے کا رُخ پاکستان کی طرف کیا تو انبالے کے ہوائی اڈّے پر جگہ جگہ سے شعلے اور دُھوئیں کی گھٹائیں اُٹھ رہی تھیں۔"

وِنگ کمانڈر نذیر لطیف بھی دُشمن کے اِسی فائر کے آتشیں جال میں جھکی پرواز سے بم برسا رہا تھا۔ اُس کی بے خوفی اور یکسوئی کا عالم بھی وہی تھا جو نجیب کا تھا۔ دُشمن

نے اُسے بھی مار گرانے کے لئے بہت آگ اُگلی لیکن نذیر لطیف بھی بے خوف و خطر آتشِ نمرود میں کود گیا اور پُورے قلبی سکون سے بم ٹھکانے پر گرا ئے۔ انبالے کے دفاع کے متعلق جو سنسنی خیز کہانیاں مشہور تھیں اُن کے آخری ایکٹ پر پردہ گرا کر دونوں ہوا باز واپس آ گئے۔

سکواڈرن لیڈر نجیب احمد خان کو غیر معمولی جرأت، پُر جوش قیادت اور فرض شناسی کے مثالی کارناموں کے صِلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ نجیب کے ایک بھائی سکواڈرن لیڈر جمال احمد خاں نے بھی شجاعت کے صلے میں ستارۂ جرأت حاصل کیا ہے۔

☆

پاک فضائیہ کی پہلی بمباری

—آدم پُور کی تباہی

وہ چھ ستمبر کی رات تھی۔ اسی رات کے لئے بھارت کے جنگ پسند حکمرانوں نے پروگرام بنائے تھے کہ لاہور ریڈیو سٹیشن سے لاہور کی فتح کا اعلان کریں گے۔ اُنھوں نے لاہور کے لئے ناظم (ایڈمنسٹریٹر) بھی مقرر کر دیا تھا اور اس رات انہیں لاہور میں جشنِ فتح بھی منانا تھا۔ جالندھر کے قریب آدم پور کے ہوائی اڈے پر انڈین ایئر فورس کے کارندوں اور دیگر عملے کو تو یقیناً توقع نہیں تھی کہ پاکستان ایئر فورس میں بھی کچھ دم خم ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اُس رات انہوں نے آدم پور کے ہوائی اڈے پر بلیک آؤٹ بھی نہیں کیا تھا۔ اور یہ ہے بھی حقیقت کہ جہاں تک طیاروں، جنگی ساز و سامان اور اسلحہ بارود کا تعلق ہے، انڈین ایئر فورس والوں نے اگر اس زعم میں چھ ستمبر کی رات آدم پور کے ہوائی اڈے پر بلیک آؤٹ نہیں کیا تھا کہ پاکستانیوں میں اتنی ہمّت کہاں کہ وہ ہوائی حملہ کرنے آئیں تو ان کے اندازے کچھ ایسے غلط نہیں تھے۔

"لیکن . . ." پاک فضائیہ کا بمبار ہوا باز سکواڈرن لیڈر نجیب کہتا ہے۔

"چھ ستمبر کی رات کو ہم نے چار B-57 بمبار طیارے پاک فضائیہ کی تاریخ کے پہلے بمباری کے حملے کے لئے فضا میں چڑھا دیئے۔ ایک بمبار کا ہوا باز مَیں خود

تھا، دوسرے کا فلائٹ لفٹننٹ بشر، تیسرے کا فلائٹ لفٹننٹ عثمان اور چوتھے کا فلائٹ لفٹننٹ منظر۔ میرے ساتھ فلائٹ لفٹننٹ عرفان نیوی گیٹر تھا۔ بشر کے ساتھ فلائٹ لفٹننٹ رشید، عثمان کے ساتھ فلائٹ لفٹننٹ ہورنی اور منظر کے ساتھ فلائٹ لفٹننٹ غوری۔ اُڑتے وقت عثمان کو کچھ دیر ہو گئی تھی۔ میں اور بشر فضا میں بلند ہو گئے۔ ذرا ہی دیر بعد عثمان اور منظر کے طیارے بھی ہم سے فضا میں آملے۔ . . .

"ہمارے نیوی گیٹروں نے ہماری راہ متعین کر دی اور ہمارے طیارے بھارت کے ایک اہم ہوائی اڈے، آدم پور (جالندھر) کی سمت غرّانے لگے۔ بشر کا طیارہ مجھ سے کوئی ایک میل آگے تھا۔ وہ مجھے فضا میں سیاہ بھوت کی طرح نظر آ رہا تھا لیکن اندھیرا گہرے ہونے لگا تو وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے وائرلیس پر بشر کو کہا کہ تم مجھے نظر نہیں آ رہے، ذرا قریب رہو۔ وہ طیارے کو قریباً چھ سو گز تک میرے قریب لے آیا لیکن میں وائرلیس پر بشر کی آواز سن سکتا تھا۔ اس کا طیارہ نظر نہ آتا تھا اور نہ وہ میرے طیارے کو دیکھ سکتا تھا۔ ہم اپنے سے کہیں زیادہ طاقت ور دشمن پر وار کرنے جا رہے تھے۔ جذبہ اپنی جگہ لیکن حقائق کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ہم میں سے کوئی بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ ہم واپس آجائیں گے۔ وہ آزمائش کی کٹھن گھڑی تھی۔ میں اپنے ساتھیوں کو اپنے قریب رکھنا چاہتا تھا، اتنا قریب جہاں سے ہم اُس رات کی تیرگی میں بھی ایک دوسرے کو نظر آتے رہیں، لیکن بشر مجھے نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے سوچا کہیں ہم تیرہ و تار رات میں اِدھر اُدھر نہ ہو جائیں۔ راہ سے بھٹک جانا ممکن نہیں تھا، ہمارے ساتھ منجھے ہوئے نیوی گیٹر تھے، لیکن میں اپنے ساتھیوں کو قریب رکھنا چاہتا تھا۔ میں نے ایک خطرہ مول لے لیا، وہ یہ کہ بشر کے ساتھ نظری رابطہ قائم کرنے کے لئے میں نے نیوی گیشن بتیاں (جو طیارے کے باہر لگی ہوتی ہیں) جلا دیں۔ حملے پہ جاتے وقت ان بتیوں کو بجھائے رکھتے ہیں

کیونکہ فضا میں جلتی بتیاں بڑی دُور سے طیارے کی نشاندہی کر دیتی ہیں لیکن میں نے اپنی ضرورت ہی کو پیشِ نظر رکھا. . . .

"ہم پاک فضائیہ کی پہلی بمباری کے لئے جا رہے تھے۔ آج ہی رات کے لئے ہمیں سکولوں میں آباؤ اجداد کی شجاعت اور حریت کے قصے ازبر کرائے گئے تھے اور آج ہی رات اور اسی جنگی مشن کے لئے مجھے پاک فضائیہ نے تیرہ برس تربیت دی تھی۔ اب وہ وقت آگیا تھا جب مجھے بھارت کے حکمرانوں اور دُنیا والوں کو ثابت کر دکھانا تھا کہ پاکستانی اپنی آبرو پر کٹ مرنا جانتے ہیں. . . .

"ہم سرحد عبور کر کے دُشمن کے علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔ میرا خون کھولنے لگا۔ خون تو ہمارا اُسی وقت کھول اُٹھا تھا جب پہلی اطلاع ملی تھی کہ بھارت نے پوری عسکری قوت سے پاکستان پر حملہ کر دیا ہے۔ یہ اسی صبح کی اشتعال انگیز اطلاع تھی۔ پاک فضائیہ کے جانبازوں کی اُس وقت کی جذباتی کیفیت کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ پاکستان کے شہریوں نے اپنی فضائیہ کے طیارے تو اکثر اُڑتے دیکھے ہوں گے، کاش وہ شب کی تیرگی میں جنگ کے دوران اپنے شاہبازوں کی جنگی اُڑانیں دیکھ سکتے، لیکن ہم انہیں دکھانا نہیں چاہتے تھے۔ ہم تو قوم کے سوتے ہوئے معصوم بچوں کو جگانا بھی نہیں چاہتے تھے. . . .

"اور چھ ستمبر کی رات جب میں اپنی بمبار فارمیشن کے ساتھ پاک فضائیہ کے پہلے بمباری کے حملے کے لئے دُشمن کی سرحد میں داخل ہُوا تو مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہو گئی جس کا ذائقہ میں نے پہلے کبھی نہیں چکھا تھا۔ لگتا ہے یُوں لگتا جیسے میں نجیب نہیں ہوں، شاہباز ہوں۔ میرے دل و دماغ پر صرف یہ احساس غالب تھا کہ میری قوم آج کی رات بے چین ہے۔ وہ جنگ کی پہلی رات تھی نا! قوم کو میری ذات پر کُلی اعتماد تھا اور مجھے آج رات، آج رات ہی، ثابت کر دکھانا ہے کہ میں اور میرے ساتھی ہوا باز اس اعتماد کے امین ہیں. . . .

"اندھیرا سیاہ کالا ہو گیا۔ ہمارے نیوی گیٹروں کے لئے یہ اندھیرا چیلنج تھا۔

زمین کے خدوخال تو نظر ہی نہ آتے تھے۔ وائرلیس پر عثمان کی آواز بار بار سنائی دیتی تھی NO CONTACT (رابطہ نہیں ہے)۔ اس کی آواز مجھے پریشان کر رہی تھی۔ کیا وہ راہ سے بھٹک تو نہیں گیا؟ میں بمباری کے حملے کی دشواریوں اور خطرات سے آگاہ تھا۔ میں مضطرب سا ہو گیا لیکن اچانک خیال آیا کہ میں ایک عیار اور بے اصول دشمن پر بمباری کرنے جا رہا ہوں۔ اس خیال نے پریشانی رہنے دی نہ اضطراب۔ میرے اعصاب ہلکے پھلکے ہو گئے اور دل و دماغ پر یہ اشتعال انگیز احساس چھا گیا کہ بھارت نے آج صبح پاکستان پر حملہ کر دیا ہے۔۔۔۔

"مجھے اپنے پروں تلے دریائے بیاس کی ہلکی سی لکیر نظر آئی ـــ چپ چاپ، ساکن سی لکیر جیسے بھارت کا سانپ دم سادھے پڑا ہو۔ میں نے نیویگیشن بتیاں بجھا دیں۔ ہم بہت کم بلندی پر اُڑے جا رہے تھے۔ جونہی آدم پور قریب آیا ہم نے طیارے اوپر کھینچ لئے۔ طیارے گرجتے ہوئے بلندی کی طرف اُٹھے۔ نیچی پرواز کی بمباری کے لئے طیاروں کو اوپر اُٹھانے کا انداز بہت اہم ہوتا ہے۔ حملے کی کامیابی کا دارومدار اسی پینترے پر ہوتا ہے۔۔۔

"ہا ہا ہا! آدم پور کے ہوائی اڈے کی تمام بتیاں یوں جل رہی تھیں جیسے دیوالی منائی جا رہی ہو۔ بھارت نے اسی روز پاکستان پر حملہ کیا تھا۔ انڈین ایئر فورس کو فتح کا اس قدر یقین تھا کہ انہوں نے اپنے ایک اہم ہوائی اڈے پر بلیک آؤٹ کی ضرورت ہی نہ سمجھی تھی۔ ان جلتی بتیوں کو دیکھ کر مجھے محسوس ہوا جیسے دشمن ہم پر طنز کر رہا ہو کہ پاکستان ایئر فورس میں اتنی ہمت کہاں کہ فضائی حملے کے لئے طیارے بھیج سکے۔ مجھے خوشی بھی ہوئی کہ ہم دشمن پر اچانک آ جھپٹے ہیں ورنہ آج کے ریڈار اور دوسرے ذرائع بہت پہلے خبردار کر دیا کرتے ہیں کہ حملہ آور طیارے آ رہے ہیں۔۔۔۔

"میں نے طیارے کو ٹارگیٹ پر غوطے میں لے جانے کو گھمایا۔ میرا ٹارگیٹ انڈین ایئر فورس کے چند طیارے تھے جو 'رن وے' کے قریب کھڑے تھے

ـــ کس قدر پُر انگیخت ٹارگیٹ تھا ـــ میں نے طیارے کو بمباری کے لئے سیدھا کیا۔ مطلوبہ بلندی پر ٹارگیٹ کے قریب پہنچ کر بم گرانے کا بٹن دبایا مگر بم نہ گرے ـــ میں جھلا اُٹھا اور آگے نکل گیا۔ میرے پیچھے بشر کا طیارہ تھا۔ وہ بھی نیچی اُڑان میں آ رہا تھا۔ اُس نے بم گرا دیئے۔ سارے بم ٹھکانے پر گرے۔ جونہی بم پھٹے ہوائی اڈے کی بتیاں گل ہو گئیں اور دشمن کی طیارہ شکن گنوں نے آتش بار ہنگامہ بپا کر دیا جیسے سوئے ہوئے کتوں کا ہجوم جاگ اُٹھا ہو ـــ بھارتی جاگ اُٹھے تھے۔ لیکن اب بتیاں گل کر دینے سے کوئی فرق نہ پڑا کیونکہ بشر کے بموں نے نیچے کئی جگہوں پر آگ لگا دی تھی۔ ان شعلوں میں ہمیں ہوائی اڈے پر وہ سب کچھ نظر آ رہا تھا جسے ہم دیکھنا چاہتے تھے، لیکن میری جذباتی کیفیت کا اندازہ کون کر سکتا ہے جس کے بم ہی نہیں گرے تھے۔ کیا میں دشمن پر وار کئے بغیر لوٹ جاؤں گا؟ بڑی کوفت ہو رہی تھی۔۔۔۔

"میں دوسرے حملے کے لئے جانے لگا تو عثمان کی آواز سنائی دی۔ اُس نے کہا ـــ 'لیڈر! بہتر ہے تم دوسرے حملے کے لئے نہ جاؤ۔ دشمن کا فائر بہت زیادہ ہے اور تمہارے بم گر نہیں رہے' ـــ عثمان کا خیال تھا کہ میرے بم تو گریں گے نہیں، میں کیوں خطرے میں جاؤں لیکن میں نے اسے جواب دیا ـــ 'پرواہ نہیں' ـــ میں اس تصور کو بھی برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ میں بم واپس لے جاؤں گا۔۔۔

"میں نے بمباری کے بٹنوں اور سوئچوں کو دوبارہ سیٹ کیا اور بم گرانے کا متبادل طریقہ اختیار کیا۔ میں نے نشانہ لیا اور خدا نے میری مراد پوری کر دی ـــ میرے طیارے نے چار بم گرا دیئے ـــ دشمن کی طیارہ شکن گنوں نے اس قدر زیادہ اور اتنا فائر شروع کر دیا تھا کہ اس سے زندہ نکل آنا محال نظر آتا تھا۔ سارے آسمان پر ٹریسر ایمونیشن اور پھٹتے گولوں کی چمک تھی۔ عثمان کا طیارہ ایک گولے کی زد میں آ گیا لیکن وہ تمام بم ٹھکانے پر گرا کر پاکستان کی طرف ہو لیا۔۔۔

"میں نے تیسرے حملے میں ہوائی اڈے کے ٹیکنیکل ایریا (جہاں طیاروں کی انسپکشن، مرمت اور دیکھ بھال وغیرہ ہوتی ہے) کا نشانہ لیا۔ میں جچی تلی اُڑان پر طیارہ شکن فائر میں سے گزرتا اس ٹارگیٹ پر آیا اور چار بم گرا دیئے جن میں سے دو بم اس قدر برخوردار نکلے کہ سیدھے تیل پٹرول کے ذخیرے میں جا گرے۔ یوں نظر آیا جیسے کئی آتش فشاں پہاڑوں نے یکبارگی دہانے کھول دیئے ہوں۔ شعلے سینکڑوں فٹ اُوپر اُٹھنے لگے اور آدم پور کا چپہ چپہ روشن ہو گیا۔ ۔ ۔ ۔

"میں چوتھے حملے کے لئے آیا اور اب کہ میں نے اُس جگہ کو ٹارگیٹ چُنا جہاں طیاروں کو اُڑنے سے پہلے کھڑا کیا جاتا ہے۔ طیارہ شکن گنیں پہلے سے زیادہ تیزی سے بھونک رہی تھیں۔ میں نے یکسوئی سے بموں کی آخری قسط بھی انڈین ایئر فورس کو ادا کر دی اور میں طیارے کو بلندی پہ لے گیا۔ ہمارا بلکہ پاک فضائیہ کا بمباری کا پہلا حملہ ہر لحاظ سے کامیاب تھا۔ میری فارمیشن کے بمبار ہوابازوں نے اپنے اپنے ٹارگیٹ منتخب کر کے دُشمن کے ایک اہم ہوائی اڈے کو مکمل طور پر تہس نہس کر ڈالا تھا۔ ۔ ۔

"ہمارا حملہ ختم ہو چکا تھا لیکن میں بلندی پر چلا گیا اور اپنی فارمیشن کی مچائی ہوئی تباہی کا نظارہ کرنے لگا ـــ بہت خوبصورت منظر تھا ـــ جگہ جگہ سے شعلے اُٹھ رہے تھے۔ ان شعلوں میں چند ایک طیارے جلتے الگ تھلگ دکھائی دے رہے تھے۔ وہ غالباً مسٹیئر ہُوا کرتے تھے۔ مجھے اس خیال نے انوکھا سا سکون دیا کہ انڈین ایئر فورس کے وہ طیارے شاید اسی اڈے سے اُڑے تھے جنہوں نے اسی صبح وزیر آباد کے قریب ایک مسافر گاڑی پر راکٹ مار کر بے گناہ شہریوں کو شہید اور زخمی کیا تھا۔ اس اڈے کو اب شعلے چاٹ رہے تھے۔ مجھ پر نشہ سا طاری ہو گیا۔

فتح و کامرانی کا خمار شاید ایسا ہی ہُوا کرتا ہے۔ میں اور میرے ساتھی اپنی قوم کے سامنے سُرخرو ہو گئے تھے لیکن نہیں۔ ابھی نہیں۔ یہ تو ہماری پہلی ضرب تھی۔ ۔ ۔ ۔

"ہم چاروں بخیریت واپس آ گئے۔ دُشمن کی ایک طیارہ شکن گن کا گولہ عثمان کے

طیارے کے بائیں پر میں سوراخ کرتا نکل گیا تھا۔ عجیب بات ہے کہ گولہ پھٹ نہ سکا۔ آدم پور کے شعلوں اور عثمان کے طیارے کے اس سُوراخ نے ہمارے حوصلے اور زیادہ پختہ کر دیئے اور طیارہ شکن گنوں کا جو ذرا سا ڈر تھا وہ بھی دِل سے نکل گیا۔ ۔ ۔ ۔

"جب ہم اپنے ہوائی اڈے پر اُترے تو ہم نے اپنے آپ کو بدلے ہوئے رُوپ میں پایا۔ ہمارے خیالوں میں انقلاب آ گیا تھا۔ ہماری ضرب کاری تھی۔ ہوائی اڈہ بلیک آؤٹ کی تاریکی میں ڈوبا ہُوا تھا لیکن اس تاریکی کے باوجود وہاں دِن کی سی سرگرمی اور ہماہمی تھی۔ ہر کوئی کسی نہ کسی کام میں یا بھاگ دوڑ میں مصروف تھا اور ہشاش بشاش بھی۔ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ اتنی ساری رات گزر گئی ہے۔ طیارے آ بھی رہے تھے، جا بھی رہے تھے، اُتر بھی رہے تھے، چڑھ بھی رہے تھے۔ اس رات کا اندھیرا مجھے بڑا ہی پیارا لگا۔ ۔ ۔ ۔

"ہمارے گراؤنڈ کریو نے پلک جھپکتے ہمارے طیاروں میں تیل ڈال دیا اور نئے بم لگا کر اگلے حملے کے لئے تیار کر دیا۔ زمین پر کام کرنے والوں کی پھرتی قابلِ داد تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ عثمان کا طیارہ کئی دِنوں بعد مرمت ہو سکے گا۔ سوراخ چھوٹا نہ تھا لیکن گراؤنڈ کریو نے اطلاع دی کہ وہ طیارہ بھی اگلے مشن کے لئے تیار ہو گیا ہے ـــ زندہ باد! اُنہوں نے اتنا بڑا سوراخ جانے کس طرح اتنی جلدی بند کر لیا تھا۔ میں نے پہلی بار محسوس کیا کہ ہم اُڑتے ہیں تو فضا میں ہمارے طیاروں کو ایک دنیا دیکھتی ہے لیکن زمین پر کام کرنے والے گراؤنڈ کریو کی محنت، خلوص اور ہنرمندی کو بھی کسی نے دیکھا ہے؟ وہ چُپ چاپ پسِ پردہ طیاروں کو ہر لمحہ اُڑنے کے قابل بنانے میں مگن رہتے ہیں۔ ہماری کامیاب جنگی اُڑانوں کا سہرا ان ہی کے سَر ہے۔ میں انہیں عقیدت بھرا سلام کرتا ہوں۔"

☆

۱۰۰۰۰ اور پٹھانکوٹ

جس رات آدم پور کے ہوائی اڈے پر بم برسائے گئے، اُسی دِن کے پچھلے پہر پٹھانکوٹ کے اڈے پر راکٹوں اور مشین گنوں سے انڈین ایئر فورس کے بال و پر زمین پر ہی نوچے جا چکے تھے۔ یہ لڑاکا ہوا بازوں کا پہلا اور بھرپور جوابی وار تھا۔

وہ چھ ستمبر کے تاریخی دِن کا پچھلا پہر تھا۔ بھارت کا اچانک حملہ بی آر بی کے اُس پار روک لیا گیا تھا لیکن بھارت کی عسکری قوت اور جنگی ساز و سامان کی افراط کو دیکھتے ہوئے کوئی بھی وثوق سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ پاک فوج دُشمن کو بی آر بی پر ہی روکے رکھے گی۔ نہر کے باٹا پور اور بھینی کے پُلوں پر زندگی اور موت کا انتہائی خونریز معرکہ جاری تھا۔ دُشمن شدید گولہ باری کے کوَر میں حملے پہ حملہ کر رہا تھا اور پاک فوج کے جیالے پلاٹونوں اور سیکشنوں کی نفری میں جان کی بازی لگائے مورچے کھودے بغیر ہر حملے کو سینے پر لے رہے تھے۔ پُلوں کو توڑنا بھی ممکن نظر نہ آتا تھا۔ دُشمن کو اپنی ہوائی قوت پر ناز تھا۔ لاہور سیکٹر میں اپنی بری فوجوں کو فضائی مدد دینے کے لئے وہ آدم پور اور پٹھانکوٹ کے اڈے استعمال کر رہا تھا۔ پٹھانکوٹ انڈین ایئر فورس کا ایک بڑا اڈہ تھا جو اس لحاظ سے بڑا اہم تھا کہ وہاں سے لاہور سیکٹر کے علاوہ سیالکوٹ جموّں سیکٹر کو بھی زد میں لیا جا سکتا تھا۔ اس اڈے کو تباہ کرنا

بہت ضروری تھا۔

پاک فضائیہ کے ایک اڈے پر گراؤنڈ کریو چند ایک لڑاکا طیاروں کا آخری معائنہ کر رہے تھے۔ تیل کی ٹینکیاں بھری جا چکی تھیں۔ مشین گنوں میں ایمونیشن کے پٹے ڈالے جا چکے تھے۔ پروں کے ساتھ راکٹ لگا دیئے گئے تھے اور طیارے ہوابازوں کے بغیر ہی اُڑ جانے کو تیار نظر آتے تھے۔

اڈے کے سکواڈرن روم سے قہقہے اُٹھ اُٹھ کر اڈے کی جنگی گہما گہمی میں شگفتگی بھر رہے تھے۔ کوئی ہواباز اپنے ساتھیوں کو لطیفے سنا رہا تھا۔ اپنے سے کئی گنا طاقت ور دُشمن کے علاقے میں دُور اندر جا کر حملہ کرنے سے پہلے ہنسی مذاق اور بے ساختہ قہقہے پاک فضائیہ کے شاہبازوں کے جذبۂ شہادت کا پتہ دیتے تھے۔ وہ موت سے چھیڑ خانی کر رہے تھے۔ پٹھانکوٹ پر حملے کے لئے جانے والا سکواڈرن لیڈر سجاد حیدر ہوابازوں کو آخری ہدایات دے چکا تھا۔ اور اُنہیں ٹارگیٹ پر پہنچنے کے وقت کے علاوہ حملے کی تمام تر تفصیلات سے آگاہ کر چکا تھا۔

اُڑنے میں چند ہی منٹ باقی تھے۔ ہوابازوں نے پیراشوٹ اور ہوائی ٹوپیاں اُٹھائیں اور اپنے اپنے طیاروں کی طرف چل پڑے۔ سب کے چہروں پر متانت کا تاثر چھا گیا۔ چھوٹی سی ایئر فورس کے یہ جری ہواباز اس احساس سے بیگانہ نہیں تھے کہ جس لمحے سے وہ پیراشوٹ لے کے نکلے ہیں تاریخِ پاکستان بلکہ تاریخ اسلام کا ایک اور باب لکھا جانے لگا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کا ہر قدم جو طیارے کی طرف اُٹھ رہا ہے اور ان کی ہر بات جو وہ ایک دوسرے سے کر رہے ہیں تاریخ کا حصہ بنے گی بلکہ ان کے چہروں کے تاثرات بھی تقدیر اور تاریخ کے چہروں کے تاثرات بن جائیں گے۔

ہوائی اڈے پر ہواباز اور گراؤنڈ کریو کے آپس کے تعلقات خاصے بے تکلفانہ ہوا کرتے ہیں۔ گراؤنڈ کریو طیارے کو تیار کرتے ہیں اور ہواباز انہیں اُڑاتے ہیں لیکن چھ ستمبر کے پچھلے پہر فضا بہت مختلف تھی۔ اُس روز جب ہواباز اپنے طیاروں

تک پہنچے تو ہر ایک کے گراؤنڈ کریو نے انہیں بڑی ہی پیاری، بڑی ہی رُوح افزا مسکراہٹ اور جذباتی انداز سے طیارے پیش کئے۔ انہیں کاک پٹوں میں بٹھا کر اپنے ہاتھوں پیٹیاں باندھیں اور اپنے اپنے ہواباز کو بلند آواز سے 'خدا حافظ' کہا۔ یہ آوازیں دِلوں سے نکلی تھیں اور کئی گراؤنڈ کریو کے چہروں کے تاثرات صاف کہہ رہے تھے —— "کاش ہم بھی اپنے ہوابازوں کے ساتھ جا سکتے، انہیں یُوں تن تنہا نہ بھیجتے۔"

کاک پٹوں میں بیٹھ کر ہوابازوں کے ہاتھ اور نظریں روزمرہ کی طرح ہر ایک سوئچ، بٹن، میٹر اور ہر آلہ چیک کرنے لگیں، پھر انجن چلنے لگے اور فضا انجنوں کی چیخ نما گرج سے لرزنے لگی اور طیارے ایک دوسرے کے پیچھے 'رن وے' کی طرف چل پڑے۔

ذرا ہی دیر میں ہوائی اڈہ طیاروں کی مہیب گونج سے لرزنے لگا۔ لیڈر کا طیارہ اور اس کے پیچھے اس کے نمبر ۲ کا طیارہ 'رن وے' پر چل پڑے —— تیز، اور تیز، بہت تیز۔ اور دونوں طیارے عجیب شان سے 'رن وے' سے اُٹھے اور فضا میں بلند ہو گئے۔ ان کے پیچھے ایک اور۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایک دوسرے کے پیچھے تمام طیارے فضا میں جا کر دُور اُفق پر دھبوں کی طرح دکھائی دینے لگے۔ ہوائی اڈے سے ہزاروں آنکھیں انہیں دیکھ رہی تھیں۔ ہزاروں دِلوں سے بے ساختہ دعائیں نکل رہی تھیں —— اور وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

صُبح سے پاک فضائیہ پاک فوج کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔ دُشمن ہماری دفاعی لائن میں شگاف ڈالنے کے لئے تابڑ توڑ حملے کر رہا تھا۔ انڈین ایئر فورس کے طیارے پاکستان کی سرحدوں کے اندر آکر حملے کر گئے تھے اور اُنہوں نے ریل گاڑی کے نہتے مسافروں کو بھی نہیں بخشا تھا۔ دُشمن کو منہ توڑ جواب دینے کی شدید ضرورت کے پیشِ نظر اُس کے پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے کو پہلے حملے کے لئے منتخب کیا گیا تھا چنانچہ سکواڈرن لیڈر حیدر کی قیادت میں پاک فضائیہ کے آٹھ لڑاکا طیارے

پٹھانکوٹ کی سمت روانہ ہو گئے۔

آٹھوں طیارے جنگی ترتیب میں اُڑتے ہوئے سرحد عبور کر کے دُشمن کے ملک میں داخل ہو گئے اور اُنہوں نے غوطے لگا کر بلندی بہت کم کر دی۔

بھارت کی عیار فضا کو چیرتے ہوئے آٹھ پاکستانی ہواباز آنکھیں پھیرے دُشمن کے طیاروں کو تلاش کر رہے تھے۔ اچانک اُنہیں دُور جنوب کی طرف اُفق پر کچھ دھبّے سے نظر آئے۔ وہ انڈین ایئر فورس کے طیارے تھے جو یقیناً پاک فضائیہ کے حملے کو روکنے آئے تھے۔ آٹھوں ہوابازوں کے دِل تیزی سے دھڑکنے لگے۔ پہلے فضائی معرکے کے تصوّر نے انہیں گرما دیا۔ وہ مضطرب بھی ہوئے۔ اُنہوں نے انڈین ایئر فورس کی قوت کی بہت کہانیاں سُن رکھی تھیں اور وہ قوت فضا میں ان کے مقابلے میں آ رہی تھی، سب فضائی معرکے کے لئے تیار ہو گئے۔

سکواڈرن لیڈر حیدر مقابلے کے لئے ہر طرح سے تیار تھا، لیکن اسے افسوس سا ہونے لگا کہ اگر ان طیاروں سے اُلجھ گئے تو پٹھانکوٹ والا مشن دھرا رہ جائے گا۔ اگر پٹھانکوٹ کا خیال نہ ہوتا تو وہ وہیں دُشمن سے دو دو ہاتھ کر لیتے۔ لیڈر نے کنی کترانے کا فیصلہ کر لیا۔ دُشمن کے طیارے قریب آ رہے تھے اور اب اچھی طرح پہچانے جا سکتے تھے۔ حیدر کی فارمیشن پٹھانکوٹ کی راہ سے نہ ہٹی لیکن ہوابازوں نے دُشمن کے طیاروں پر نظر رکھی۔ عجیب بات ہوئی کہ دُشمن کے طیارے بھی اپنی راہ سے نہ ہٹے اور گزر گئے۔ اُنہوں نے شاید حیدر کی فارمیشن کو نہیں دیکھا تھا۔

پٹھان کوٹ صرف سات منٹ کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ حیدر نے گھڑی دیکھی۔ پھر پلان کارڈ دیکھا اور اُسے مسرت بھرا اطمینان ہُوا کہ وہ بلا رکاوٹ ٹارگیٹ پر پہنچ رہے تھے۔ اُس نے دائیں بائیں دیکھا۔ اپنے طیاروں کو اپنے ساتھ اُڑتا دیکھ کر اُس کا سینہ فخر سے پھیلنے لگا —— پاکستان کی آبرو کے آٹھ محافظ، آٹھ سرفروش —— حیدر نے نیچے دیکھا۔ وہ بھارت کے دیہات کے اُوپر سے گزر رہے تھے۔ اُسے گاؤں کے لوگ بھاگ بھاگ کر باہر آتے اور آسمان کی طرف دیکھتے نظر

آئے۔ وہ دیکھ رہے ہوں گے کہ یہ ہوائی جہاز کس کے ہیں اور کہاں جا رہے ہیں۔ ان سادہ لوح دیہاتیوں کو شاید معلوم ہی نہ ہو گا کہ ان کے اوچھے حکمرانوں نے سوتے ہوئے عقابوں کو چھیڑ دیا ہے۔

چھ منٹ گزر گئے۔ تمام ہوابازوں کو اپنے لیڈر کی آواز سنائی دی ——

"تمام پائلٹ .... فائرنگ سوئچ چیک کر لو .... ٹارگیٹ میں ایک منٹ رہ گیا ہے۔"

یکایک آٹھوں طیارے یُوں اُوپر اُٹھے جیسے چیل جھپٹے سے اُٹھتی ہے۔ وہ بھارت کے دُھندلے آسمان میں دُور اُوپر چلے گئے۔ ہوابازوں کو اپنے لیڈر کی پُرعزم آواز سنائی دی —— "ٹارگیٹ۔ سامنے۔ ذرا بائیں۔ طیارے کھڑے ہیں۔"

ہوابازوں کی رگوں میں خون اُبلنے لگا۔ وہ فائرنگ کی مشق میں ٹارگیٹ کے قریب جا کر اسی طرح اُوپر اُٹھ کے غوطے میں جایا کرتے تھے۔ وہ آج بھی اسی انداز سے اُوپر اُٹھے تھے لیکن وہ بے جان ٹارگیٹ ہُوا کرتا تھا جہاں نیچے کوئی طیارہ شکن گنیں نہیں ہُوا کرتی تھیں۔ مگر آج دُشمن کا جیتا جاگتا ہوائی اڈہ تھا جہاں کے طیارہ شکن توپچیوں نے اُنہیں دیکھ لیا تھا اور ان پر نشانے باندھ کر بارش کی طرح فائرنگ شروع کر چکے تھے۔ زمین و آسمان پر موت ہی موت تھی جس کے دھماکے اور چیخیں طیارہ شکن گنوں کی زبانی سنائی دے رہے تھے لیکن پاک فضائیہ کے یہ آٹھ شاہباز ڈرے کے لئے یا دُشمن کے فائر سے بچنے کے لئے نہیں آئے تھے۔

اُنہوں نے طیارے غوطوں میں ڈال دیئے۔ نیچے کھُلے میدان میں انڈین ایئر فورس کے کچھ مسٹیئر طیارے الگ الگ کھڑے تھے۔ پاک ہوابازوں نے اپنا اپنا ٹارگیٹ چُن لیا۔ فائرنگ بٹن راکٹوں پر کر کے نشانے باندھے اور بٹن دبا دیئے۔ طیاروں نے راکٹوں کی بوچھاڑیں اُگلیں اور پلک جھپکتے دُشمن کے جدید ترین جیٹ طیاروں کے ٹکڑے دُور دُور فضا میں بکھر گئے اور شعلوں اور دُھوئیں کی گھٹاؤں میں گرنے لگے —— پاک فضائیہ کی پہلی ضرب کاری تھی۔

اُنہیں ابھی تک صرف مسٹیئر طیارے نظر آئے تھے لیکن حیدر کی عقابی

نگاہوں نے وہاں کچھ اور بھی دیکھ لیا۔ جب یہ طیارے غوطے سے اُٹھے تو ہوا بازوں کو اپنے لیڈر، حیدر، کی آواز سنائی دی ــــ "یہاں مِگ بھی ہیں۔ سب کو ختم کر دو" ــــ پہلے تو انہیں مگ طیارے نظر ہی نہیں آئے تھے۔

پاک فضائیہ کے ہوا باز اُوپر اُٹھ کر پھر غوطے میں چلے گئے۔ رُوس کے بنے ہوئے مِگ MIG طیارے جنہیں فضائی معرکوں کے لئے دُنیا کے تیز اور خطرناک ترین طیارے اور فضا کی دہشت تسلیم کیا جاتا ہے، پاک ہوا بازوں کے رحم و کرم پر پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے پر بے بس کھڑے تھے۔ ان کے ہوا باز انہیں کھلے میدان میں چھوڑ کر مورچوں میں دبک گئے تھے۔ پاکستان کی مسافر گاڑی پر راکٹ برسانے والے بھارتی ہوا بازوں میں اب پاکستانیوں کے مقابلے کی تاب نہیں تھی۔ پاکستانی ہوا باز فضا میں بھارتی گنوں کے طیارہ شکن فائر کو چیرتے ہوئے مگ طیاروں پر جھپٹ پڑے اور فضا کی دہشت کو زمین پر ہی ختم کر دیا۔ وہ اُٹھے، وہ پھر غوطے میں آئے اور اب ان کی اُڑان اور جھپٹوں سے پتہ چلتا تھا کہ ان سیبر طیاروں میں بیٹھے ہوئے پاکستانی ہوا بازوں پر جنون طاری ہو گیا ہے۔

سکواڈرن لیڈر حیدر اس جنونی کیفیت کی منظر کشی یُوں کرتا ہے ــــ "زیادہ سے زیادہ تباہی مچانے کے لئے ہم سب ہوا باز اس قدر جوش میں آ گئے کہ جھپٹوں میں جاتے اور اُوپر اُٹھتے وقت ہم ایک دوسرے کی راہ میں آنے لگے۔ تارگیٹ میں بلا کی کشش تھی۔ مگ طیاروں کو تباہ کرنے کا خیال ہم پر خبط بلکہ جنون بن کر سوار ہو گیا اور ان پر جھپٹتے وقت ہم بھول ہی گئے کہ دُشمن کی طیارہ شکن گنیں ہم پر بے پناہ فائر کر رہی ہیں۔ میرے سارے ہوا باز ایک دوسرے کو بھی بھول گئے اور غوطوں میں جاتے اور اُٹھتے ایک دوسرے سے ٹکرانے کا خطرہ مول لینے لگے۔ معلوم نہیں ہم ایک دوسرے سے ٹکرا کیوں نہ گئے۔ میں اُنہیں اس بے ترتیبی اور انتشار سے روکنا چاہتا تھا لیکن وہ جانتے تھے وہ کیا کر رہے ہیں۔ اُنہیں معلوم تھا وہ پٹھانکوٹ کیوں آئے ہیں۔ میں اُنہیں اس دیوانگی سے کیوں روکتا؟....

میری اپنی کیفیت کا اندازہ کیجئے۔ میں نے ایک اور مِگ دیکھ لیا جو ابھی تک میرے ہوا بازوں سے محفوظ تھا۔ شاید انہیں ابھی نظر نہیں آیا تھا۔ میں اس پر غوطے میں چلا گیا اور اسے گن سائٹ میں لینے لگا لیکن محض اتفاق کی بات ہے کہ میں نے دیکھ لیا کہ میری فارمیشن کا جواں سال ہوا باز، فلائٹ لفٹننٹ خالد لطیف بالکل سامنے سے اِسی مگ پر غوطے میں آ رہا ہے۔ مَیں اُسے دیکھ نہ لیتا تو ہم دونو مِگ کو تو ضرور مار لیتے لیکن جھپٹے سے اُٹھتے ہوئے ہم یقیناً ایک دوسرے کے ساتھ آمنے سامنے سے ٹکرا جاتے۔ لطیف کی اُڑان سے پتہ چلتا تھا کہ وہ مِگ کو نشست میں لے چکا ہے۔ مَیں نے اپنا طیارہ ایک طرف کر لیا۔ سوچا، یہ شکار اُسی کو مار لینے دوں ــــ اور اُس نے شکار مار لیا۔"

ان آٹھ ہوا بازوں نے جھپٹے پہ جھپٹا مارا۔ طیاروں کی تباہی کے علاوہ اُنہوں نے چند اہم عمارتیں بھی تباہ کر دیں۔ جگہ جگہ سے شعلے اور دُھواں اُٹھ رہا تھا۔ حملہ کامیاب تھا اور اب اُنہیں واپس آ جانا چاہیئے تھا لیکن لیڈر کو فلائٹ لفٹننٹ اکبر کی آواز سنائی دی ــــ "لیڈر! میرے پاس تھوڑا سا ایمونیشن باقی ہے۔" اور وہ لیڈر کی ہدایت کا انتظار کئے بغیر غوطے میں چلا گیا۔ سیاہ دُھواں اس قدر اُوپر اُٹھ آیا تھا کہ اکبر کا طیارہ رُوپوش ہو گیا۔ اکبر نے ایک مسٹیئر طیارہ دیکھ لیا تھا جو ان کی دست بُرد سے ابھی محفوظ تھا۔ اکبر اسے بھی شعلوں کی نذر کر کے دُھوئیں سے اُٹھ آیا۔

پٹھانکوٹ میں جنگ کے پہلے ہی روز پاک فضائیہ نے پہلے ہی جوابی حملے میں دُشمن کے بارہ (۱۲) لڑاکا بمبار طیارے تباہ کر دیئے جن میں سات مِگ اور پانچ مسٹیئر تھے۔ ان کے علاوہ انہوں نے دو ٹرانسپورٹ طیارے بیکار کئے۔ ایئر ٹریفک کنٹرول جیسی اہم ترین عمارت اور اس کی جملہ مشینری کو تباہ کیا اور کئی طرح کے اور نقصانات پہنچا کر اس اڈے کو جنگی مقصد کے قابل نہ چھوڑا۔

فاتح فارمیشن نے واپسی کا رُخ کیا۔ راستے میں خالد لطیف نے وائرلیس پر حیدر سے پوچھا ــــ "ہیلو لیڈر! کیا آپ نے وہ تمام مگ مار لئے ہیں جن کی آپ کو

ہمیشہ خواہش رہتی تھی؟"—— جواب میں حیدر کی فاتحانہ "ہا ہا" یوں سنائی دی جیسے شیر غرّایا ہو۔

ان کے اپنے ہوائی اڈّے کے کنٹرولر کو وائرلیس پر حیدر کی آواز سنائی دی —— "لیڈر بول رہا ہے۔ مشن مکمل ہو گیا تمام طیارے بخیریت واپس لوٹ رہے ہیں۔"

پاک فضائیہ کا یہ پہلا جوابی حملہ اس لحاظ سے کامیاب ترین رہا کہ اپنا ایک بھی طیارہ یا ہواباز ضائع کئے بغیر دشمن کے چودہ طیارے اور ہوائی اڈّہ تباہ کر دیا گیا۔ سب سے بڑی کامیابی تو یہ تھی کہ دشمن کی مِگ فورس کو اُڑنے کا موقع دیئے بغیر زمین ہی پر خاکستر کر دیا گیا۔ مِگ، روس کا وہ لڑاکا طیارہ ہے جو پہلی بار کوریا کی جنگ میں فضا میں آیا تھا تو امریکی ایئر فورس لرز اُٹھی تھی کیونکہ فضا میں مِگ کی رفتار، پھرتی اور اسلحہ کا کوئی جواب نہ تھا۔ امریکی ایئر فورس نے مِگ کو صحیح سالم اُتار لینے والے ہواباز کے لئے تیس ہزار ڈالر کا انعام مقرر کیا تھا۔ فضائی انجینئر اس کی ساخت، ڈھانچہ اور انجن دیکھنا چاہتے تھے۔ بھارت کو روس کے ان چند ایک مِگ طیاروں پر بڑا ناز تھا لیکن حیدر اور اس کے ہوابازوں نے انڈین ایئر فورس کو مِگ استعمال کرنے کی مہلت ہی نہ دی۔ ستمبر کی جنگ کے دوران صرف ایک مِگ طیارہ فضا میں نظر آیا تھا جسے پاک فوج کے ایک توپچی نے گرا لیا تھا۔

پٹھانکوٹ اور دشمن کی مِگ فورس کی تباہی کا سہرا حیدر کے سکواڈرن کے سر ہے اور چھ ستمبر کی صبح بھارتی حملہ آور فوج پر پہلا دفاعی فضائی حملہ کرنے کی سعادت بھی اسی سکواڈرن کو حاصل ہوئی۔

☆

بھارتی حملہ آور لشکر پر پاک فضائیہ کا پہلا حملہ

بھارت کے حکمرانوں اور لاہور پر حملہ کرنے والے بھارتی کمانڈروں کو توقع ہی نہیں تھی کہ افواجِ پاکستان ان کا حملہ روک کر لاہور کو بچا لیں گی لیکن پاک فوج نے حملہ روک لیا اور سکواڈرن لیڈر حیدر کے سکواڈرن نے لاہور سیکٹر میں پہلا ہی جوابی جھپٹا مار کر بھارتی کمانڈروں کو اس آفت کا مزا چکھا دیا جو آئندہ سترہ دنوں میں ان پر ٹوٹنے والی تھی۔

حیدر کہتا ہے —— "چھ ستمبر کا سورج طلوع ہو چکا تھا لیکن ہمارے ہوائی اڈّے پر ابھی تک صبح کی خنکی تھی۔ اچانک خبر آئی کہ انڈین آرمی نے لاہور پر حملہ کر دیا ہے۔ اس خبر نے نہ صرف فضا کی خنکی دُور کر دی بلکہ ہوابازوں کو آگ بگولہ کر دیا۔ یہ تو کسی کو خیال ہی نہ تھا کہ ہمارے اور پاک فوج کے جیتے جی دشمن لاہور پر قبضہ کر لے گا۔ ہم ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فضا سے دشمن پر ٹوٹ پڑنے کو بیتاب ہونے لگے۔ تمام ہوابازوں اور گراؤنڈ کریو میں اضطراب اور عتاب کی لہر دوڑ گئی۔ کسی کو مزاجی کیفیت کو قابو میں رکھنا محال نظر آتا تھا۔ ہم لوگ حکم کے پابند ہوتے ہیں اور دل و جان سے حکم کا احترام کرتے ہیں لیکن اس روز ہمیں حکم دینے والوں پہ غصہ آنے لگا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں؟ ہمیں جوابی حملے کا حکم کیوں نہیں دیتے؟

"ہمیں زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا۔ میں خدا کا شکر بجا لاتا ہوں کہ سب سے

پہلے مجھے ہی حکم ملا کہ اپنے سکواڈرن سے امرتسر واہگہ روڈ پر لاہور کی طرف بڑھتی ہوئی بھارتی فوج کو روکوں۔ میں نے پانچ ہوا باز منتخب کئے ــــ فلائٹ لفٹننٹ محمد اکبر، فلائٹ لفٹننٹ خالد لطیف، فلائٹ لفٹننٹ دلاور اور فلائٹ لفٹننٹ غنی اکبر.....

"گراونڈ کریو نے ہمارے طیاروں کے پروں تلے راکٹ لگا دیئے تھے اور مشین گنوں میں ایمونیشن کے پٹے ڈال کر طیاروں کو پہلی جنگی اُڑان کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ میں نے ہوابازوں کو جمع کر کے اُنہیں نقشہ دکھایا اور اُنہیں حملے کی سکیم اور تفصیلات سے آگاہ کیا۔ ہم نے پیراشوٹ اُٹھائے اور سرپٹ بھاگتے اپنے اپنے طیارے میں جا بیٹھے۔ ہم نے نہایت عجلت سے کاک پٹوں کا جائزہ لیا اور ایک دوسرے کے پیچھے فضا میں بلند ہو گئے۔ میرے ذہن میں صرف ایک ہی کانٹا چبھ رہا تھا ــــ 'بھارت نے ہمارے وطن پر حملہ کر دیا ہے' ــــ میرے طیارے کی رفتار بہت تیز تھی لیکن میں اپنے طیارے سے آگے نکل جانے کو بے تاب ہونے لگا...

"میرے پانچوں ہوا باز میرے ساتھ اُڑے جا رہے تھے۔ ہماری بلندی زیادہ نہیں تھی۔ طیارے تو ہم ہر روز ہی اُڑایا کرتے تھے لیکن اس روز میں نے فضا میں اپنی فارمیشن پر نگاہ ڈالی تو مجھے اپنے طیاروں کی اُڑان میں کوئی اور ہی شان نظر آئی۔ میں جانتا تھا کہ دُشمن کی بری اور ہوائی قوت بہت زیادہ ہے لیکن اپنے صرف چھ طیاروں کی اُڑان کو دیکھ کر میں نے اپنے آپ سے کہا ــــ 'بھارت لاہور پر قبضہ نہیں کر سکتا'...

"ہم خاصی کم بلندی پر اُڑتے میدانِ جنگ کے اُوپر پہنچ گئے۔ اس علاقے کو میں نے پہلے بھی کئی بار دیکھا تھا۔ مگر آج اس علاقے کا حسن اور معصومیت بھارتی ٹینکوں اور پلٹنوں کے پاؤں تلے لہولہان ہو رہی تھی۔ کسی بھی سچے پاکستانی کو یہ منظر پاگل کر دینے کو کافی تھا....

"ہم میدانِ جنگ کے اُوپر سے گزر کر امرتسر تک جا پہنچے۔ میں خوب جانتا تھا کہ دُشمن کی اگلی صفوں کے ساتھ پاک فوج خوب نمٹ رہی ہے۔ دُشمن کی پچھلی لائن اور کمک کو ختم کرنا ضروری تھا۔ ہم نے امرتسر سے طیارے گھمائے۔ نیچے دیکھا تو مجھے امرتسر واہگہ روڈ پر بہت سی فوجی گاڑیاں لاہور کی طرف جاتی دکھائی دیں۔ ان کی حفاظت کے لئے یا لاہور پر حملہ کرنے کے لئے ان کے ساتھ کئی ٹینک بھی تھے ــــ واہگہ چیک پوسٹ پر مجھے پاکستان کی دو منزلہ بس بھی کھڑی نظر آئی جسے بھارتی امرتسر کے بازاروں میں گھما گھما کر اپنے لوگوں کو دکھاتے رہے تھے۔ یہ دیکھو لوگو! یہ پاکستان کی بس ہے۔ ہم نے پاکستان فتح کر لیا ہے

"ہم دُشمن کے اس لمبے کنوائے پر آئے تو گاڑیوں میں بیٹھے فوجیوں نے دیکھ لیا۔ ہم اتنی کم بلندی پر تھے کہ وہ ہمیں اچھی طرح نظر آ رہے تھے۔ بجلے کے کہ وہ گاڑیوں اور ٹینکوں کو بکھیر کر درختوں تلے یا کسی آڑ میں لے جاتے، اُنہوں نے گاڑیاں وہیں روک دیں۔ خود چھلانگیں لگا کر جانیں بچانے کے لئے بھاگ گئے اور گاڑیاں ہمارے رحم و کرم پر چھوڑ گئے۔ میں غوطے میں جا چکا تھا۔ نشانہ لے کر میں نے راکٹوں کی پہلی بوچھاڑ فائر کر دی۔ میں اُٹھا تو میرے پیچھے میری فارمیشن کے دوسرے ہوا بازوں نے بھی غوطے لگائے اور راکٹوں اور گولیوں کی بارش برساتے اُوپر اُٹھ آتے....

"ہم سب نے چھ چھ جھپٹے مارے اور سارا ایمونیشن ختم کر دیا۔ میں نے نیچے کا جائزہ لیا۔ میں تو گِن بھی نہ سکا کہ دُشمن کی کتنی گاڑیاں جل رہی تھیں اور کتنی بغیر جلے تباہ ہو چکی تھیں۔ ہم نے جو ٹینک تباہ کئے وہ درجن بھر سے زیادہ تھے ــــ کاش، ہمارے طیارے اس سے زیادہ راکٹ اور گولیاں اُٹھا سکتے۔"

سامنے سے پاک فوج حملہ آوروں کا منہ نوچ رہی تھی، عقب سے سکواڈرن لیڈر رحیم اور اس کے پانچ ہوابازوں نے کمک کاٹ دی اور بھارتیوں کو احساس دلایا کہ لاہور پر قبضہ تو دُور کی بات ہے وہ بی آر بی بھی عبور نہ کر سکیں گے۔

سکواڈرن لیڈر حیدر کا فائٹر سکواڈرن سترہ روزہ جنگ میں جانبازی اور شجاعت کی علامت بن گیا تھا۔ دُشمن کی کمر توڑ دینے کے علاوہ اس سکواڈرن کا امتیاز یہ ہے کہ اس کا ایک بھی ہوا باز یا طیّارہ ضائع نہیں ہُوا۔

✡

وہسکی کی بوتل

"وِہسکی کی بوتل بھیجو۔"

یہ ایک "ایس۔او۔ایس" SOS پیغام تھا جو چھمب سے بھاگتی ہوئی بھارتی سینا کا کمانڈر اپنی ہائی کمان کو دے رہا تھا اور جسے ہمارے وائرلیس سیٹوں پر بھی سنا گیا۔ (ایس او ایس 'انتہائی مصیبت کے وقت کا پیغام ہوتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے — "ہماری جانیں بچاؤ۔")

بھارت نے حاجی پیر اور کرگل کی چوکیوں پر قبضہ کر کے اور چند روز بعد گجرات کے گاؤں اعوان شریف پر گولہ باری کر کے جارحیت کا ایسا مظاہرہ کیا تھا جس کے خلاف دفاعی کارروائی لازمی ہو گئی تھی ورنہ ملک کی سلامتی سنگین خطرے میں تھی چنانچہ پاک فوج کی پُشت پناہی میں آزاد کشمیر فوج کے دستے اپنی سرحدوں کو محفوظ کرنے کے لئے چھمب کی طرف پیش قدمی کر گئے۔ یہ پیش قدمی بین الاقوامی سرحد کی خلاف ورزی نہیں تھی۔ چھمب متنازعہ علاقہ تھا۔ اس علاقے میں بھارت کے فوجی ٹھکانوں اور اڈوں کو اکھاڑنا لازمی تھا۔

جس بھارتی سینا کی توپوں، مارٹروں اور مشین گنوں نے بڑے طمطراق اور دیدہ دلیری سے پاکستان کی سرحدوں کے اندر آگ اُگل دی تھی وہ توپخانہ اور پلٹنیں پاک فوج کی پیش قدمی کے سامنے ذرا سی دیر کے لئے بھی جم نہ سکیں

پاک فوج نے چند گھنٹوں میں بھارتیوں کے لوہے اور سیمنٹ کے بنکروں کو روند ڈالا. بھارتی پندرہ فرانسیسی ٹینک، تیرہ توپیں، اسلحہ بارود اور جنگی ساز و سامان کا بے اندازہ ذخیرہ پیچھے چھوڑ کر عجلت سے پسپا ہو گئے. پاک فوج کی یت میں آزاد کشمیر فوج بڑھتی چلی جارہی تھی اور بھارتی فوج کے کہیں بھی پاؤں نہیں جم رہے تھے۔

پاک فوج کی جوابی ضرب کو تو ابھی صرف چھ گھنٹے ہی گزر رہے تھے لیکن بھارتیوں کے حوصلے ان چھ ہی گھنٹوں میں دم توڑ گئے. انہیں تو اب اکھنور میں بھی قدم جمانا محال نظر آرہا تھا. بھاگتے ہوئے لاؤ لشکر کو ذرا سا سنبھالا دینے کے لئے بھارتی کمانڈر انڈین ایئر فورس سے فضائی مدد مانگ رہا تھا. اور خفیہ زبان میں وائرلیس پر واویلا کر رہا تھا —— "وسکی کی بوتل بھیجو". ور بھارت کے کسی ہوائی اڈے سے "وسکی کی بوتل" آرہی تھی.

ادھر اطلاع ملی کہ انڈین ایئر فورس کے چند کینبرا اور ویمپائر لڑاکا طیارے شکر گڑھ کے اوپر سے گزر رہے ہیں اور چھمب سیکٹر کی طرف اُڑے جارہے ہیں

پاک فضائیہ کے ہوابازوں کو جب سے اطلاع ملی تھی کہ پاک فوج چھمب ۔۔ علاقے میں پیش قدمی کر گئی ہے اُس وقت سے پاکستان کے تمام ہوائی اڈوں پر ہواباز مستعد اور تیار تھے. گو پاک فوج ابھی اپنی فضائیہ کی ضرورت محسوس نہیں کر رہی تھی مگر انڈین ایئر فورس کے میدان میں اُتر آنے کی صورت میں پاک فضائیہ کا حرکت میں آنا لازمی تھا. چنانچہ پاک فضائیہ کے ہواباز اس توقع پر تیار کھڑے تھے کہ فضائی جھڑپ کسی لمحہ بھی ہو سکتی ہے.

ایک اڈے پر فلائٹ لفٹننٹ امتیاز احمد بھٹی صبح چار بجے سے ڈیوٹی پر تھا. دن کے بارہ بج چکے تھے. اس کی ڈیوٹی ختم تھی لیکن اس کا دل نہ چاہا کہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر چلا جائے جیسے اس کی روح اسے کہہ رہی ہو —— "بھٹی چلے نہ جانا. خدا جانے کس وقت کیا ہو جائے، اپنے طیارے کے قریب رہنا"۔۔

اس وجدانی کیفیت کے علاوہ بھٹی کی بیقراری یہ بھی تھی کہ وہ پاک فضائیہ کی تاریخ کی پہلی جنگی اُڑان اور فضائی جھڑپ میں شریک ہونا چاہتا تھا. گو اسے کچھ علم نہ تھا کہ یہ موقع کب آئے گا یا شاید آئے ہی نہ، لیکن وہ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر بھی وہیں رہا۔

دن کے پچھلے پہر بھٹی کو فضائی گشت (پیٹرول) کی پرواز کی قیادت کرنی تھی. درمیانی وقفہ اس کی فراغت کا تھا لیکن اس نے اُس وقت تک اڈے پر ہی رہنے کا فیصلہ کر لیا. وقت گزرتا گیا. جب گشتی پرواز کا وقت آگیا تو سکواڈرن لیڈر سرفراز احمد رفیقی (شہید) آنکلا اور گشتی پرواز کی قیادت اُس نے خود لے کر بھٹی کو اپنا نمبر ۲ بنا لیا. شام کے پانچ بج رہے تھے. دونو ہوابازوں کے سیبر طیارے فضا میں بلند ہوتے اور گجرات کی سمت نظروں سے اوجھل ہو گئے. ابتدائی ہدایت کے مطابق انہیں صرف گشتی پرواز کرنا تھی.

گجرات کے علاقے پر اُڑتے انہیں صرف دس ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ انہیں اپنے وائرلیس سیٹوں پر زمینی کنٹرولر کی آواز سنائی دی:

ENEMY AIRCRAFT STRAFING OUR TROOPS. ENGAGE

(دشمن کے طیارے ہماری فوج پر فائرنگ کر رہے ہیں. مقابلہ کرو.)

یہی وہ "وسکی کی بوتل" تھی جس کے لئے بھارت کی پسپا ہوتی بری فوج کا کمانڈر واویلا کر رہا تھا. اُسے "وسکی کی بوتل" مل گئی تھی. اِدھر رفیقی اور بھٹی اپنے کنٹرولر کی ہدایت پر تاریخ پاکستان کے پہلے فضائی معرکے کے لئے تیار ہو گئے. انہوں نے وسکی کی بوتل کو چکنا چور کرنے کے لئے طیاروں کا رُخ چھمب کی طرف کر لیا۔

فلائٹ لفٹننٹ امتیاز احمد بھٹی سناتا ہے —— "ہم پاک فضائیہ کا پہلا اور حقیقی معرکہ لڑنے جارہے تھے. ہم دونو پر ہیجانی کیفیت طاری ہو گئی ہم ہر طرح تیار اور لیس تھے. برسوں کی ٹریننگ نے ہم میں کوئی کمی تو نہیں رہنے دی

تھی لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ آنے والے انجانے لمحوں کا انجانا سا خوف دل پر مسلط ہونے لگا۔ ایسا خوف تو انسانی ذہن میں موجود رہتا ہے۔ یہ خوف ایسے مستقبل کا ہوتا ہے جس کے متعلق کچھ علم نہ ہو کہ وہ کیسا ہو گا۔ ہم بھی آخر انسان تھے۔ مجھ میں بے قراری سی پیدا ہو گئی اور میں اس شے کو دیکھ لینے کے لئے بے تاب ہونے لگا جس کا میں خوف محسوس کر رہا تھا۔ ساتھ ہی یہ تجسس بھی پیدا ہوا کہ دیکھ تو لوں ایسے خوف اور خطرے کے آمنے سامنے آکر میرا ردِ عمل کیا ہو گا۔ ایک طرح کی سنگ دلانہ سی خواہش اُبھری کہ دیکھوں تو وہ خوف ہوتا کیا ہے؟ — حقیقی خوف، ایک انسان کا خوف، جب وہ تن و تنہا، موت کے رُوبرُو ہو . . .

"ہم نے طیاروں کی رفتار اور تیز کر دی اور طیارے فضا کو تیروں کی طرح چیرنے لگے۔ ذرا ہی دیر بعد ہم چھمب کی خنک فضا کا سینہ چیر رہے تھے۔ ہمارے نیچے حسین وادی پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے ذرا کی ذرا نیچے کا منظر دیکھا، پھر میری آنکھیں، رفیقی کی طرح، اُفق تا اُفق دُشمن کے طیاروں کو ڈھونڈنے لگیں۔ اچانک فضا میں دُور، جنوب کی طرف، دو دھبے سے دکھائی دیئے۔ میرے دل پر جو اجنبی سی گرفت تھی وہ ان دو دھبوں کو دیکھتے ہی دُور ہو گئی۔ یہی تھی وہ انجانی شے جس نے مجھ پر خوف اور ہیجان کی کیفیت طاری کی تھی۔ اسے دیکھتے ہی میری روحانی اور جسمانی قوتیں، ایک مرکز پر جمع ہو گئیں . . . .

"میں نے رفیقی کو خبردار کیا — 'لیڈر! بائیں طرف سے دو نامعلوم قسم کے طیارے آ رہے ہیں' — رفیقی نے میرا پیغام سُن لیا۔ جب وہ دھبے قریب آئے تو میں نے فوراً پہچان لیا۔ وہ انڈین ایئر فورس کے ویمپائر لڑاکا طیارے تھے۔ وہ ہم سے تین چار ہزار فٹ نیچے اُڑ رہے تھے۔ ہم نے تیل کی فالتو ٹینکیاں گرا دیں اور طیاروں کو دُشمن پر جھپٹنے کے لئے غوطے میں ڈال دیا . . .

"میں نمبر ۲ کے فرائض کے مطابق اپنے لیڈر، رفیقی کو عقب سے محفوظ رکھنے کے لئے اُس کے پیچھے ہو گیا۔ معاً دُشمن کے دو کینبرا طیارے پانچ

چھ ہزار فٹ دُور بائیں جانب سے مجھے اپنی طرف اُڑتے دکھائی دیئے۔ میں نے لیڈر کو ان کے متعلق بھی اطلاع دے کر اس سے اجازت مانگنا چاہی کہ میں ان دونو کو سنبھالوں لیکن مجھے بولنے کا موقع ہی نہ ملا نہ اجازت لینے کی ضرورت محسوس ہوئی کیونکہ میں نے دو اور ویمپائر طیارے رفیقی پر جھپٹتے دیکھے۔ انڈین ایئر فورس دِل کھول کر فضائی قوّت کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ آسمان کینبرا اور ویمپائر طیاروں سے بھرتا جا رہا تھا۔ مجھے اتنی سی جھنجھلاہٹ ضرور ہوئی کہ ہم دو تھے اور وہ چھ۔ تعداد کے علاوہ دُشمن کے طیارے ہمارے طیاروں سے برتر، جدید تر اور تیز تر تھے اور ان کا اسلحہ بھی زیادہ مار کرنے والا تھا، لیکن یہ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ دُشمن کی برتری کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ہم میدان چھوڑ کر بھاگ آتے . . . .

"دو طیارے میرے لیڈر پر جھپٹ رہے تھے۔ میں نے لیڈر کو بتائے بغیر اپنی پوزیشن بدل لی اور جھپٹ کر ان دو طیاروں کے عقب میں ہو گیا۔ اتنے میں رفیقی نے دُشمن کے دو طیاروں میں سے ایک کو شست میں لے لیا تھا۔ اُس نے مشین گنوں کی مختصر سی بوچھاڑ ماری جو ٹھکانے پر لگی۔ دُشمن کے طیارے سے شرارے چمکے اور رفیقی نے انڈین ایئر فورس کے ساتھ پاک فضائیہ کا حساب کھول لیا — بھارتی ہواباز طیارے سے نکل نہ سکا اور طیارے کے ساتھ ہی ناک کے بل نیچے، نیچے اور نیچے، تیزی سے اپنے انجام کو پہنچتا چلا گیا . . .

"رفیقی اب دوسرے طیارے کے پیچھے لگا ہوا تھا اور بھارتی ہواباز اسے اپنے تعاقب سے جھٹکنے کے لئے ہر طرح کے جتن کر رہا تھا۔ وہ کون سا پینترا ہو گا جو اُس نے نہ بدلا لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ اُس کے پیچھے پاک فضائیہ کا منجھا ہوا شاہباز لگا ہوا ہے . . . .

"ادھر میں نے دُشمن کے ایک طیارے کو آگے لگا رکھا تھا اور وہ مجھ

سے بچنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ میں اُسے بتدریج گن سائٹ میں لا رہا تھا۔ آخر وہ میرے رینج RANGE میں آگیا لیکن میں فائر نہ کر سکا کیونکہ میں بٹن دبانے لگا تو دیکھا کہ رفیقی کا طیارہ بھی میری گنوں کی زد میں ہے۔ رفیقی اپنے شکار کے پیچھے لگا ہُوا تھا اور میں بیتاب کہ وہ میرے سامنے سے ہٹے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دُشمن میری زد سے نکل جائے لیکن وہاں صورتِ حال عجیب ہوگئی۔ وہ اس طرح کہ جس طیارے کو میں نے زد میں لے رکھا تھا وہ خطرناک فاصلے پر رفیقی کے پیچھے ہوگیا۔ یہ محض اتفاقیہ بات تھی ورنہ میں اس بھارتی ہواباز کو کبھی مہلت نہ دیتا کہ وہ میرے لیڈر کے تعاقب میں ہوجاتا۔۔۔

"اب رفیقی اتفاقیہ اُس کی زد میں آگیا تو مَیں وائرلیس پر چلایا۔ —— 'لیڈر، بائیں کو ہوجاؤ' —— لیکن رفیقی اپنے شکار میں مگن تھا۔ اُس نے میرا پیغام سُن تو لیا لیکن اپنے شکار پر مشین گنیں فائر کر دیں۔ یُوں لگا جیسے میری آواز اور رفیقی کی مشین گنیں بیک وقت بول اُٹھی ہوں۔ رفیقی نے اس طیارے اور ہواباز کو بھی فضا میں ختم کر دیا۔ وہ اس طرح کہ رفیقی کی گنوں کی بوچھاڑ پڑتے ہی دُشمن کا طیارہ فضا میں پھٹ گیا۔ اس کے ساتھ ہی رفیقی نے نہایت پھُرتی سے اپنے طیارے کو میری وارننگ کے مطابق بائیں کو کر کے اپنے آپ کو اس دُشمن سے بچالیا جس کے پیچھے میں لگا ہُوا تھا۔۔۔

"رفیقی نے پرے ہو کر فوراً میری پوزیشن کا جائزہ لیا اور وائرلیس پر مجھے اطلاع دی YOUR TAIL IS CLEAR (نمبر۲، تمہارا عقب محفوظ ہے) —— دُشمن کے طیارے کو میں نے ابھی تک شست سے نکلنے نہیں دیا تھا۔ مَیں نے اپنی رفتار اور تیز کر کے طیارے کو دُشمن کے قریب کر لیا اور فائرنگ بٹن دبا دیا۔ دُشمن کے طیارے سے شرارے چمکے۔ میرا نشانہ ٹھیک لگا تھا۔ دُشمن کی تیل کی ٹینکیوں سے شعلے اور سیاہ دُھواں اُٹھنے لگا۔ وہ ویمپائر طیارہ تھا۔ انڈین ایئر فورس کا برتر طیارہ ذرا ہی دیر میں رفیقی کے شکار

کی طرح بم کی طرح پھٹا —— چکا چوند ہوئی، دُھوئیں کی کالی گھٹا اُمڈی اور اس گھٹا میں دُشمن کے ویمپائر کے ٹکڑے اُڑتے نظر آئے۔ یہ سب کچھ چند لمحوں میں ہوگیا — میں نے پہلا شکار مار لیا تھا۔۔۔۔

"میری اُس وقت کی جذباتی کیفیت کا اندازہ شاید کوئی بھی نہ کر سکے۔ مَیں خود بھی شاید بیان نہ کر سکوں۔ میں روحانی سا اطمینان محسوس کر رہا تھا اور اطمینان کا یہ تاثر میری رگ رگ میں سرایت کر گیا۔ میں مطمئن کیوں نہ ہوتا؟ میں نے اپنے فرض کی تکمیل کر لی تھی۔ فضائی معرکوں میں موت بہت تیزی سے آتی ہے۔ بہت ہی تیزی سے۔ پلک جھپکتے۔ دُشمن کے ساتھ لڑتے جذبات کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے۔ فضائی معرکے کی صورت بھی مختلف ہوتی ہے۔ لڑاکا ہواباز ٹھنڈے دل سے ہوش ٹھکانے رکھ کر جچی تلی ڈوئیل DUEL کھیلتا ہے۔ اسے حق حاصل ہے کہ وہ دُشمن کو جان سے مار دے لیکن سلیقے اور صفائی سے۔ مرنا مارنا ہی تو ہے، پھر سوچتا ہوں کہ اگر بات مرنے مارنے ہی کی ہے تو یہ کھیل باوقار انداز سے کیوں نہ کھیلا جائے! موت کو اس کا صحیح پس منظر تو ملنا ہی چاہیئے! مرنا مارنا رذیلوں کا نہیں بہادروں کا کام ہے۔۔۔۔

"ہاں تو، فضائی معرکے کی پوزیشن اب یہ تھی کہ فضا میں رفیقی تھا، مَیں تھا اور دُشمن کے چار میں سے صرف ایک ویمپائر باقی رہ گیا تھا۔ میں نے اپنے طیارے کو دُشمن کے اس آخری ویمپائر کے پیچھے ڈال دیا۔ اُس نے میری زد سے بچ نکلنے کے لئے ہر وہ پینترا بدلا جو اُس نے انڈین ایئر فورس میں سیکھا تھا لیکن میں نے بھی پاک فضائیہ میں کچھ داؤ پیچ سیکھے تھے۔ وہ تیزی سے، پلک جھپکتے، دائیں کو گھوم گیا۔ میں بھی اسی تیزی سے طیارے کو گھمانا جانتا تھا۔ مَیں نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور اُسے گن سائٹ میں لینا شروع کر دیا۔ ذرا ہی دیر میں وہ میری سائٹ کے نقطوں کے دائرے میں آگیا۔ میں نے فائرنگ بٹن دبا دیا۔ میری گولیوں کی بوچھاڑ اس کی باڈی میں لگی لیکن

بھارتی ہوا باز نے ہوش ٹھکانے رکھے اور وہ میری دوسری ضرب سے بچنے کی کوشش میں اِدھر اُدھر ہونے لگا۔ مَیں نے اسے زد سے نکلنے نہ دیا۔۔

"ہم دونو چکر کاٹتے، کبھی دائیں کبھی بائیں، پینترے بدلتے، نیچے ہی نیچے ہوتے چلے گئے۔ مَیں نے بلندی کا میٹر دیکھا، میری بلندی تین سو فٹ رہ گئی تھی۔ یہ بلندی بہت خطرناک ہوتی ہے۔ مَیں نے اُسے ایک بار پھر گن سائیٹ میں لے کر گنیں فائر کر دیں۔ وہ مجھ سے بچنے کے لئے اور نیچے چلا گیا۔ وہاں اب اور نیچے جانے کی گنجائش ہی نہیں تھی۔ یہ ہوائی جہاز تھے، ٹرک تو نہیں تھے کہ سڑکوں پر بھی چل پڑتے۔ بھارتی ہوا باز نے طیارے کو اُوپر اُٹھانے کو ضرور سوچی ہوگی لیکن اُسے معلوم تھا کہ مَیں اُسے اُٹھنے نہ دوں گا۔ اتنے میں وہ درختوں کے جھنڈ سے ٹکرا گیا اور بُری طرح تباہ ہوگیا۔ مَیں اپنے طیارے کو اُوپر کھینچ لایا۔ دیکھنے والوں کو میرا طیارہ یقیناً اُس عقاب کی طرح نظر آیا ہوگا جو شکار پر جھپٹ کر فاتحانہ انداز سے آسمان کی رفعتوں کی سمت اُٹھتا ہے۔۔۔۔

"دونو ہوائی بیڑوں کا پہلا معرکہ بری فوج کے عین اُوپر لڑا گیا۔ ہمارے فاتح مجاہدوں نے اپنے دشمن کے چار طیاروں کی تباہی کا دلولہ انگیز منظر اپنی آنکھوں دیکھا۔ بری فوجوں پر اپنی فضائیہ کی برتری کا اثر نفسیاتی ہوتا ہے۔ ان کے حوصلوں میں نئی تازگی آجاتی ہے اور وہ بجا طور پر محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ایک اور قوت بھی ہے جو اُن پر سایہ کئے ہوئے ہے اور وہ آسمانی بلاؤں سے محفوظ ہیں۔ بری سپاہی اس تاثر کے زیرِ اثر جم کر لڑتے ہیں اور سینہ تان کر دشمن پر ٹوٹ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ فضائیہ کا کام دراصل یہی ہے کہ وہ اپنے بری بھائیوں کے حوصلوں میں رُوح پھونکتے رہیں۔۔۔۔

"چاروں ویمپائروں کا کام تمام کر کے ہم دُشمن کے دو کینبرا طیاروں کو ڈھونڈنے لگے۔ وہ لڑنے ہی آئے تھے، تماشہ تو دیکھنے نہیں آتے تھے!

دونو کہیں نظر نہ آئے۔ شاید اپنے چار ساتھیوں کا حشر دیکھ کر وہ کھسک گئے تھے۔ مَیں سوچتا ہوں کہ اچھا ہوا وہ کھسک گئے۔ اس لئے نہیں کہ ہم اُن سے لڑ نہ سکتے تھے بلکہ اس لئے کہ ان میں سے کسی کو زندہ رہنا چاہیئے تھا جو واپس جا کر انڈین ایئر فورس کے کمانڈروں کو یہ تو بتا سکتا کہ پاک فضائیہ کے منہ آنے سے پہلے ذرا سوچ سمجھ لیا کرو، ہم اپنے چار بھائیوں کا حشر دیکھ آئے ہیں۔۔۔۔

"جب ہمیں یقین ہوگیا کہ میدان ہمارے ہاتھ ہے اور آسمان پر پاک فضائیہ کی حکمرانی ہے تو مَیں نے اور رفیقی نے اپنی فاتح پاک فوج کے مورچوں پر غوطہ لگایا اور نیچی پرواز سے ان مجاہدوں کے سروں کے اُوپر سے گزرے اپنے بری بھائیوں کو یہ ہمارا فضائی سلام تھا۔ ہم نے تھراٹل بڑھا دیئے، غوطے سے اُٹھے اور اپنے اڈے کا رُخ کر لیا۔ جب ہم اُترے تو ہمارے کمانڈر انچیف، ایئر مارشل نور خاں، ہمارے منتظر تھے۔ وہ بے چین سے نظر آ رہے تھے۔ ہم نے اُنہیں مفصّل رپورٹ دی تو اُنہوں نے دل کی گہرائیوں سے ہمیں مبارک باد دی۔۔۔۔

"ہم دونوں نے پہلی ہی فضائی جھڑپ میں دُشمن کے چار ویمپائر طیارے مار گرائے جو ہمارے سیبر طیاروں سے بہت برتر تھے۔ پاک فضائیہ کی ٹریننگ کو دیکھتے ہوئے یہ کامیابی غیر متوقع نہیں تھی لیکن یہ ہماری پہلی کامیابی تھی جس نے ہمارے جذبات اور احساسات میں افراتفری مچا رکھی تھی۔ گاہے ہمیں اپنی کامیابی پر حیرت سی بھی ہونے لگتی۔ ہو سکتا ہے اس میں قسمت اور تقدیر کا بھی ہاتھ ہو لیکن جنگی تربیت نے ہم میں جو کمال پیدا کر رکھا تھا یہ اُس کا کرشمہ تھا۔ یہ فضائی معرکہ دو اور چھ کا تھا اور گھمسان کا معرکہ تھا لیکن میں نے اور رفیقی نے ایک دوسرے سے رابطہ نہ ٹوٹنے دیا نہ ایک دوسرے سے بے خبر ہوتے۔ حد یہ کہ ہم ایک دوسرے کو عقب سے "کور" بھی کرتے رہے۔

سکواڈرن لیڈر رفیقی دو بار میرے فائر کی زد میں ایسے وقت آئے جب میں دشمن کے طیارے کو گن سائٹ میں لے کر فائر کرنے لگا تھا۔ وہ ایسا لمحہ ہوتا ہے کہ ہواباز شاید خدا کی آواز پر بھی دھیان نہ دے لیکن میں اس قدر چوکنا تھا کہ فائرنگ بٹن نہ دبایا ورنہ وہاں تو زیر زبر کا فرق ہوتا ہے۔ نظر گن سائٹ سے ہوتی ہوئی دشمن کے طیارے پر اور ہاتھ فائرنگ بٹن پر ہوتا ہے۔"

پاک فضائیہ کا پہلا معرکہ جیتنے اور فضا میں اپنی فضائیہ کی برتری کا جھنڈا گاڑنے والے ان دونوں شاہبازوں کو غیر معمولی شجاعت اور فرض شناسی کے صلے میں ستارۂ جرأت عطا کیا گیا۔ سکواڈرن لیڈر رفیقی چھ ستمبر ۱۹۶۵ء، ہلواڑہ کے ہوائی اڈے پر حملے کے دوران فضائی معرکے میں شہید ہو گئے تھے۔ انہیں بعد از شہادت جرأت مندانہ قیادت کے صلے میں ہلالِ جرأت عطا کیا گیا۔

فلائٹ لفٹننٹ امتیاز احمد بھٹی نے جنگ کے دوران فیروزپور کے قریب دو فضائی جھڑپوں میں دشمن کا ایک نیٹ طیارہ مار گرایا تھا اور دو کو بیکار کر دیا تھا۔

☆

لاہور کا فضائی معرکہ

بھارتی حکمران اقوامِ متحدہ میں غیر مشروط فائر بندی کی التجا کر چکے تھے۔ ادھر انڈین ایئر فورس کے طیارے لاہور کے اُوپر منڈلا رہے تھے۔ اُسی روز اقوامِ متحدہ کے سیکرٹری جنرل نے بھارت کی التجاؤں اور پاکستان کی رضامندی کا اعلان ملکوں کی بھری محفل میں کیا اور اُسی روز انڈین ایئر فورس کے آٹھ طیارے پاکستان پر حملہ کرنے آ گئے۔

پاک فضائیہ کے ہوائی اڈے کے آپریشن روم میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ ڈیوٹی آفیسر نے ریسیور اُٹھایا تو اُسے کنٹرولر کی آواز سنائی دی۔

SCRAMBLE FOUR F-86 (چار ایف ۸۶۔ سیبر۔ فضا میں بھیج دو)——

ڈیوٹی آفیسر نے ریسیور رکھ کر بٹن دبایا۔ دن کا پچھلا پہر تھا۔ اڈے کے ماحول میں سکریمبل SCRAMBLE کے سائرن نے ارتعاش پیدا کر دیا۔ ہواباز طیاروں کی کاک پٹوں میں تیار بیٹھے تھے۔ چشم زدن میں چار ہوابازوں نے اُوپر سے کاک پٹیں بند کر لیں اور چاروں کے انجن گرج اُٹھے —— ذرا سی دیر میں طیارے 'رن وے' کی طرف چل پڑے۔ 'رن وے' پر جا کر انجنوں سے دل دہلا دینے والا شور اُٹھا اور پہلے دو طیارے —— ایک میں سکواڈرن لیڈر شربت علی چنگیزی اور دوسرے میں اس کا ونگ مین (نمبر ۲) فلائٹ لفٹننٹ

اظہر الحق ملک ـــــ 'رن وے' پر سیدھے ہو کر گرجدار زناٹے سے زمین و آسمان کو مرتعش کرتے فضا میں بلند ہو گئے۔ ان کے پیچھے دوسرے دو شاہباز ـــــ فلائٹ لفٹننٹ سیّد نذیر احمد جیلانی اور فلائٹ لفٹننٹ امان اللہ خان ـــــ اپنے طیّاروں کو 'رن وے' پر لے جا کر چنگیزی اور ملک کے پیچھے اُڑا لے گئے۔ چاروں طیّارے چند ہی لمحوں میں دُور افق پر دھبّوں کی مانند نظر آئے، پھر ستمبر کی تپتی فضا میں گم ہو گئے۔

جن ہوابازوں کو اس طرح عجلت میں اُڑا دیا جاتا ہے اُنہیں ہدایات کنٹرولر کی طرف سے فضا میں وائرلیس پر دی جاتی ہیں۔ ان چار ہوابازوں کو بھی بغیر ہدایت کے اُڑا دیا گیا تھا۔ وہ فضا میں دُور نکل گئے تو اُنہیں اڈّے سے کنٹرولر کی آواز سنائی دی ـــــ "بلندی بیس ہزار رکھو۔ قصُور اور لاہور کے علاقے پر گشتی پرواز کرو۔" ـــــ چاروں طیّاروں نے قصُور کا رُخ کر لیا اور بیس ہزار فٹ کی بلندی پر جا کر قصُور کھیم کرن سیکٹر پر جا پہنچے۔

فضا دُھندلائی ہوئی اور بلندی بیس ہزار فٹ تھی۔ زمین پر کچھ نظر نہ آتا تھا۔ جنگ کا چودھواں روز تھا اور پاک فوج کو کھیم کرن پر قبضہ کئے کئی دن گزر گئے تھے۔ کھیم کرن قصُور سے چھ میل دُور بھارت کا ایک اہم قصبہ ہے۔ اُس روز جنگ کھیم کرن سے کئی میل آگے ہو رہی تھی۔

پاک فضائیہ کے ان چار طیّاروں کو گشتی پرواز کرنی تھی۔ وہ کھیم کرن سے گھُومے اور لاہور کا رُخ کر لیا۔ فضا میں امن و امان اور سکُون تھا۔ اس سکون میں ہوابازوں کو اپنے طیّاروں کی مسلسل گونج سنائی دے رہی تھی۔ ہواباز ہر سُو فضا میں دُشمن کے طیّاروں کو تلاش کر رہے تھے۔ وہ گشتی پرواز کی ذمہ داریوں سے خُوب آگاہ تھے۔ نیچے پاک فوج وطن کی آبرو کی خاطر سردھڑ کی بازی لگاتے ہوئے تھی اور بھارتی کمانڈر پاکستانیوں سے کھیم کرن چھین لینے کے لئے زیادہ سے زیادہ کمک جنگ میں جھونک رہے تھے۔ یہ ہوابازوں

کی ذمہ داری تھی کہ وہ اپنے برّی غازیوں کو دُشمن کی ہوائی طاقت سے محفوظ رکھیں۔ وہ چوکس ہو کر لاہور، قصُور، کھیم کرن محور کی فضا کی پاسبانی کر رہے تھے۔ اچانک ان کے طیّاروں کے ریڈیو پر کنٹرولر کی آواز سنائی دی ـــــ "چار نامعلوم قسم کے طیّارے دُشمن کے علاقے سے اُوپر اُٹھتے آ رہے ہیں۔ ان کا رُخ شمال کی طرف ہے۔"

پاک فضائیہ کے یہ چاروں ہواباز فوراً لاہور کے اُوپر چلے گئے۔ دُشمن کے طیّاروں کا شمال کی طرف آنے کا مطلب تھا کہ وہ لاہور کے اُوپر آئیں گے یا اُوپر سے گزُریں گے۔ پاک ہواباز لاہور کے تاریخی شہر کے اُوپر چکر کاٹنے لگے اور آنکھوں پر زور دے دے کر ہر سُو دُشمن کے طیّاروں کو ڈھونڈنے لگے۔ اپنے پروں کے نیچے لاہور شہر کو دیکھ کر چاروں شاہبازوں کی رگ رگ بیدار ہو گئی اور دماغی اور جسمانی قوتیں ایک نقطے پر مرکوز ہو گئیں۔ ان کا خون کھول اُٹھا۔ اسی لاہور پر قبضہ کرنے کے لئے دُشمن نے پُوری قوت سے حملہ کیا تھا اور اب اس کے طیّارے اسی شہر کا رُخ کئے اُڑے آ رہے تھے۔

پاک فضائیہ کے ان ہوابازوں نے لاہور کی سڑکوں پر لوگوں کو چلتے پھرتے دیکھا تو اُنہوں نے اپنے اندر نئی قوت محسوس کی اور اُنہوں نے محسوس کیا کہ قوم ہمارے بھروسے جنگ کے دوران آزادی سے گھوم پھر رہی ہے۔ ان کے سینے فخر، جذبۂ حرّیت اور حُبّ الوطنی سے پھیلنے لگے۔ فرض کی نزاکت اور تقدّس نے ایمان کی چنگاریاں سُلگا دیں ـــــ وہ اور زیادہ چوکس ہو کر فضا میں دُشمن کو تلاش کرنے لگے مبادا وہ بے خبری میں بم گرا جائے۔

امان اللہ کو اپنی بلندی سے نیچے دو متحرک دھبّے نظر آئے۔ وہ وائرلیس پر چلّایا ـــــ "دُشمن کے دو طیّارے، سامنے ذرا بائیں، پانچ ہزار فٹ بلندی پر" ـــــ چاروں ہوابازوں نے پلک جھپکتے بیک وقت نیل کی فالتو ٹینکیاں پروں سے

گرادیں اور مشین گنوں اور گن سائٹوں کے بٹن اور سوئچ وغیرہ چیک کر کے معرکے کے لئے تیار ہو گئے۔ دُشمن کے طیّارے امان اللہ کے سوا کسی اور ساتھی کو نظر نہیں آتے تھے لیکن ذرا ہی دیر بعد لیڈر کے نمبر ۲، جیلانی نے نہ صرف دُشمن کے طیّاروں کو دیکھ لیا بلکہ انہیں پہچان بھی لیا۔ وہ انڈین ایئر فورس کے دو ہنٹر تھے اور ان سے کم بلندی پر پرواز کر رہے تھے۔

دو ہوابازوں نے اپنے طیّاروں کو دُشمن کے طیّاروں پر غوطے میں ڈال دیا۔ سکواڈرن لیڈر چنگیزی کو دُشمن کے دو اور ہنٹر طیّارے نظر آ گئے۔ یہ دونو تقریباً تین ہزار فٹ کے فاصلے سے جیلانی کو زد میں لینے کے لئے اس پر جھپٹ رہے تھے۔ چنگیزی نے (جو بلوچستان کے ہزارہ قبیلے کا جنگجو ہے) تیر کی طرح ان دو ہنٹروں پر ٹوٹ پڑنے کو اپنے طیّارے کا رُخ اُن کی طرف موڑ دیا۔ ملک اس کی عقبی حفاظت کے لئے اُس کے پیچھے تھا۔

لاہور شہر پر فضائی معرکہ شروع ہو گیا۔

ذرا ہی دیر میں معرکے کی صورت خاصی دل چسپ ہو گئی۔ پاک فضائیہ کے دو طیّارے دُشمن کے دو طیّاروں کے تعاقب میں تھے اور دُشمن کے دو طیّارے پاک فضائیہ کے ان دونو طیّاروں کے تعاقب میں تھے اور ان کے عقب میں پاک فضائیہ کے دو طیارے اُنہیں زد میں لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ گویا تمام طیّارے تعاقب میں بھی تھے اور ان کا تعاقب بھی ہو رہا تھا۔ لاہور کی فضا طیّاروں کی مشین گنوں کی ہیبت ناک "رٹ ٹٹ۔ ٹٹ ٹٹ" اور مسلسل دھمک سے گونج رہی تھی۔ نیچے لاہور میں ہوائی حملے کے سائرن واویلا کر رہے تھے لیکن لاہور کے لکھوکھا زندہ دلان خطرے کے سائرن کو یکسر نظر انداز کر کے ہجوم در ہجوم، آسمان کی طرف منہ کر کے اپنے شاہبازوں اور دُشمن کے ہوابازوں کا زندگی اور موت کا معرکہ دیکھ رہے تھے۔ ان کے سینوں سے نعرے توپوں کے دھماکوں کی طرح گونج رہے تھے۔ لاہور کے

زمین و آسمان پر ہیجان طاری تھا اور تکبیر کے نعروں سے فضا کانپ رہی تھی۔ لاہوریوں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ وہ سر پر لڑتے طیّاروں کی مشین گنوں کی زد میں کھڑے ہیں لیکن وہ فضائی معرکے کو یوں دیکھ دیکھ کر نعروں کا واویلا مچا رہے تھے جیسے پتنگ بازی دیکھ رہے ہوں۔

دونوں طرف کے طیّارے ایک دوسرے پر چیخ چیخ اور گرج گرج کر جھپٹ رہے تھے اور مشین گنوں کی بوچھاڑیں فائر کر رہے تھے۔ لڑتے لڑتے جب معرکہ عروج پر پہنچا تو دونو طرفوں کی ترتیب گڈمڈ ہونے لگی۔ لاہور کے آسمان پر قیامت بپا ہو گئی۔ طیّارے ایک دوسرے کے پیچھے غوطوں میں جا رہے تھے۔ ایک دوسرے کے تعاقب میں دائیں بائیں اور اُوپر نیچے ہو رہے تھے۔ قلابازیاں کھا کھا کر پینترے بدل رہے تھے اور ہر لمحہ بعد مشین گنوں کا فائر یُوں سنائی دیتا تھا جیسے بادل گرج رہے ہوں۔

سکواڈرن لیڈر چنگیزی اپنی کاک پٹ میں کمر کو ذرا سا خم دے کر آگے کو جھکا ہوا گن سائٹ میں نظریں جمائے ہوئے تھا۔ اُس نے دُشمن کے ایک طیّارے کو آگے لگا رکھا تھا۔ اس کا شکار اچانک بائیں کو گھوم گیا۔ اُسے توقع تھی کہ وہ چنگیزی کو اپنے تعاقب سے جھٹک ڈالے گا لیکن چنگیزی اُس سے زیادہ پھرتیلا نکلا۔ اُس نے بھی طیّارے کو بائیں طرف گھمایا اور تعاقب سے ایک اِنچ بھی نہ بھٹکا۔ اس نے پھر گن سائٹ میں سے جھانکا۔ دُشمن کا طیّارہ سائٹ کے روشن نقطوں کے حلقے میں آ رہا تھا۔ اُس طیّارے کا ہواباز دراصل پاک فضائیہ کے ایک طیّارے کے تعاقب میں بھی تھا۔ وہ چنگیزی سے بچنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ پاک فضائیہ کے طیّارے کو بھی زد میں لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ پیشتر اس کے کہ وہ پاک ہواباز پر فائر کرتا، چنگیزی نے اُسے رینج میں لے کر فائرنگ بٹن دبا دیا۔ اس کی گولیوں کی تمام تر بوچھاڑ بھارتی طیّارے کی باڈی میں لگی۔

بھارتی ہنٹر زور سے ڈگمگایا لیکن وہ پاکستانی طیارے کے عقب سے نہ ہٹا۔ چنگیزی نے دو تین لمحے انتظار کر کے بڑے تحمل سے ایک اور بوچھاڑ فائر کر دی اور تعاقب میں لگا رہا۔ دُشمن ابھی تک سلامت تھا اور چنگیزی کی زد سے بچ نکلنے کے لئے پینترے بدل رہا تھا۔ وہ طیّارے کو دائیں بائیں، اُوپر نیچے پٹخنیاں دے رہا تھا لیکن چنگیزی نے اُسے زد سے نکلنے نہ دیا اور ایک اور برسٹ فائر کر دیا۔ یہ برسٹ کام کر گیا اور بھارتی ہوا باز چنگیزی کے چنگل سے ہی نہیں، اس دُنیا کے جھنجھٹ ہی سے آزاد ہو گیا۔ بھارتی ہنٹر فضا میں سیاہ کالا دُھواں چھوڑتا پاک سرزمین کی سرحدوں کی سمت گرا اور پھٹ گیا۔ ہوا باز طیّارے سے نکل نہ سکا۔

چنگیزی کا نمبر ۲، ملک، اُس کے پیچھے تھا اور اسے TAIL CLEAR (عقب محفوظ ہے) کے پیغام دیتا رہا تھا لیکن چنگیزی نے محسوس کیا کہ کچھ دیر سے اُسے ملک کی آواز نہیں سنائی دی۔ چنگیزی نے اسے وائرلیس پر بُلایا لیکن اُسے کوئی جواب نہ مِلا۔ جیلانی اور امان اللہ آپس میں بہت باتیں کر رہے تھے۔ ان کے حوصلے عروج پر تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے سے رابطہ قائم رکھے ہوئے اپنے سے دگنی تعداد کے دُشمن سے جم کر لڑ رہے تھے لیکن ان آوازوں میں چنگیزی کو ملک کی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اس نے ملک کو پھر پُکارا لیکن ملک خاموش رہا۔ چنگیزی کے دل پر بوجھ سا آ پڑا۔ اُسے اپنی نہیں ملک کی فکر تھی لیکن ملک کی آواز فضا میں سنائی نہیں دے رہی تھی۔

ملک دراصل لاہور ہی کے آسمان میں تھا اور تن تنہا دُشمن کے چار نیٹ طیّاروں سے زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہا تھا۔ دُشمن کے چار نیٹ طیّارے اچانک اُس پر جھپٹ پڑے۔ یہ نیٹ اچانک ہی کہیں سے آ گئے تھے۔ انہوں نے ملک کو اتنی مہلت ہی نہ دی کہ وہ اپنے لیڈر کو بتا سکتا کہ میری آزمائش کی گھڑی آ پہنچی ہے اور اب تم اپنے عقب کا خود ہی دھیان رکھنا۔ اگر ملک ان طیّاروں

کو اپنے اُوپر جھپٹتا دیکھ لیتا تو بات اور تھی لیکن معرکہ گھمسان کا تھا اور ملک کو اپنے لیڈر کے عقب کا زیادہ خیال تھا اور دُشمن اُس پر بے خبری میں ٹوٹ پڑا تھا۔ اُسے اُس وقت پتہ چلا جب اس کے طیّارے کے دائیں پَر پر گولیوں کی بوچھاڑ آ گی اور اُس کے طیّارے کو جھنجھوڑ کر پار ہو گئی۔ ملک نے چونک کر دیکھا، دو نیٹ طیّارے اس پر غوطے میں تھے اور ایک نے اس پر فائر کیا تھا۔ ملک نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھا۔ اُسے دو اور نیٹ طیّارے اپنے اُوپر جھپٹے میں نظر آئے۔ ایک نیٹ کی گنیں اس پر فائر کر رہی تھیں۔ ملک کے طیّارے نے شدید چوٹیں کھائیں۔ ملک گھبرانے والا ہوا باز نہیں تھا۔ اُس نے ۷ ستمبر کے روز سرگودھا کے تاریخی فضائی معرکے میں دُشمن کا ایک مسٹیئر طیارہ مار گرایا تھا۔

ملک نے چوٹیں کھا کر طیّارے کو تیزی سے ایک طرف کر لیا اور دُشمن کی مزید بوچھاڑوں کی زد سے نکل آیا۔ بھارتی ہوا باز نے ملک کے موڑ کی راہ میں آ کر زاویے سے فائر کیا پھر نیچے سے ملک کے طیّارے کی راہ میں آنے کی کوشش کی اور ایک اور برسٹ فائر کر دیا۔ یہ برسٹ خاصا لمبا تھا جو ملک کے طیّارے میں لگا۔ ملک کے لئے خطرہ پیدا ہو گیا کہ اُس کا طیّارہ بے قابو ہو کر چکراتا ہوا نیچے آ رہے گا لیکن ملک نے طیّارہ سیدھا کر لیا۔ گو اُسے توقع بہت کم تھی کہ اس قدر مجروح طیّارہ سیدھا ہو سکے گا لیکن ملک کی ہمّت تھی کہ اس نے بیکار طیّارے کو قابو میں کر لیا مگر اس کی کاک پٹ میں دُھواں بھرنے لگا۔

ملک نے ہوش ٹھکانے رکھے اور ٹھنڈے دل سے فیصلہ کر لیا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے۔ دُشمن کے چار طیّارے اس پر جھپٹ رہے تھے لیکن ملک نے طیّارے کو گہرے غوطے میں ڈال دیا۔ کاک پٹ میں دُھواں زیادہ ہوتا جا رہا تھا اور طیّارے کو قابو میں رکھنا ممکن نہ تھا۔ ملک نے اپنے لیڈر کو وائرلیس پر بلانے کی کوشش کی لیکن وائرلیس سسٹم تباہ ہو چکا تھا۔ ملک لڑنے کے قابل

نہ رہا تھا۔ طیّارہ اس قدر تباہ ہو چکا تھا کہ اُس کا فضا میں رہنا ہی محال تھا لیکن ملک طیّارے کو اڈّے پر لانے کے جتن کرنے لگا۔

بات بن نہ سکی۔ وہ دُشمن کو جُل دے کر نکل تو آیا لیکن اڈّے کو واپس جاتے ہوئے اُسے محسوس ہونے لگا کہ طیّارہ واپس نہ پہنچ سکے گا۔ ملک کو طیّارہ اپنی جان سے زیادہ عزیز تھا۔ اگر اُسے کوئی یقین دلا دیتا کہ اگر وہ جان دے دے تو طیّارہ محفوظ رہے گا تو پاک فضائیہ کے ایک طیّارے کی خاطر اپنی جان دے دیتا۔ اُس نے طیّارے کو ہوا میں رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن طیّارہ آخری ہچکیاں لے رہا تھا۔ ملک کے لئے اب ایک ہی صورت تھی کہ اپنے عزیز اور وفادار ساتھی سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو جائے۔ کاک پٹ دُھوئیں سے بھر گئی تھی اور کسی بھی لمحے طیّارہ پھٹ سکتا تھا۔ ملک نے بوجھل دِل سے، دَم توڑتے طیّارے کے پَروں پر نگاہ ڈالی۔ اُسے دُکھ ہُوا۔ اس طیّارے نے اُس کا بہت ساتھ نبھایا تھا۔ اس طیّارے نے پاکستان کے دفاع کے لئے بہت سی جنگی پروازیں کی تھیں اور دشمن سے خونریز جھڑپیں لڑی تھیں۔ ملک نے کاک پٹ کو آخری بار دیکھا اور کاک پٹ کی کینوپی اُڑا کر سیٹ کو ایجیکٹ EJECT کر دیا۔ وہ سیٹ سمیت کئی فٹ دُور اُوپر اُڑ گیا۔ پیراشوٹ کھُلا، سیٹ بھی جسم سے الگ ہو چکی تھی اور وہ دل پر طیّارے کی جدائی کا بار لئے زمین پر آ رہا اور شام کے وقت بخیریت اڈّے پر پہنچ گیا۔

اُدھر لاہور کی فضا میں پاک فضائیہ کے تین سیبر طیّارے اور دُشمن کے سات (تین ہنٹر اور چار نیٹ) طیّاروں میں معرکہ جاری تھا۔ جیلانی اور امان اللہ دو ہنٹر طیّاروں کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ نیٹ طیّارے ان پر بوچھاڑ پہ بوچھاڑ فائر کر رہے تھے۔ امان اللہ، جیلانی کو عقب سے "کوَر" کر رہا تھا۔ اپنے سے تین گُنا دُشمن کے ساتھ لڑتے ہوئے یہ دونوں شاہباز حاضر دماغی اور یکسوئی سے ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ قائم کئے ہوئے تھے۔ وار کرنا بھی بہادری

ہے لیکن چاروں طرف سے دُشمن کے گھیرے میں آ کر وار پہ وار بچانے کے لئے غیر معمولی قابلیّت اور شجاعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی ان دونوں شاہبازوں کا کمال تھا۔ اس کے باوجود وہ دُشمن پر وار بھی کر رہے تھے۔

امان اللہ کو دو نیٹ طیّارے اپنے اُوپر جھپٹتے نظر آئے۔ وہ نہایت تیزی سے اس کے قریب آ رہے تھے لیکن اس نے پھُرتی سے ایک طرف ہو کر ایسا پینترا بدلا کہ دونوں طیّاروں کا جھپٹا رائیگاں گیا۔ جیلانی دو ہنٹروں کے پیچھے لگا ہُوا تھا۔ ایک ہنٹر کے ہواباز نے اچانک ایک داؤ کھیلا اور یک لخت گھُوم کر امان اللہ کے عقب میں آنے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ کسی حد تک اپنے داؤ میں کامیاب رہا بلکہ اُس نے قریب ہو کر امان اللہ پر ایک بوچھاڑ فائر کر دی لیکن امان اللہ تیزی سے طیّارے کو بائیں کر کے اُس کی شِست سے نِکل چکا تھا۔ دُشمن کی بوچھاڑ فضا میں بکھر گئی اور ہنٹر آگے نِکل گیا۔

جیلانی نے دوسرے ہنٹر کا تعاقب نہ چھوڑا۔ اس ہنٹر کا ہواباز ہوشیار اور تجربہ کار معلوم ہوتا تھا۔ وہ فضائی معرکے کی سُوجھ بوجھ رکھتا تھا۔ اُس نے جیلانی کو عقب سے جھٹکنے کے لئے قابلِ داد داؤ کھیلے اور کمال پھُرتی سے طیّارے کو دائیں بائیں اور اُوپر نیچے کرتا رہا لیکن جیلانی اس سے بھی زیادہ ہوشیار تھا۔ وہ اس کی دُم کے ساتھ چپکا رہا اور اس کے قریب ہوتا چلا گیا۔ ہنٹر آہستہ آہستہ جیلانی کی گن سائٹ میں آ رہا تھا۔ آخر جیلانی نے اُسے گن سائٹ میں لے لیا اور فائرنگ بٹن دبا دیا۔ اس کی چھ مشین گنوں نے آہن شکن اور آتشیں گولیاں اُگلیں۔ بھارتی طیّارہ سیاہ دُھواں اُگلنے لگا پھر شُعلے بھڑکے اور وہ جلتا ہُوا لاہور کے علاقے میں گر پڑا۔ ہواباز طیّارے سے نِکل نہ سکا۔

باقی بھارتی ہوابازوں نے اپنے دو ہنٹر طیّاروں کو ہوابازوں سمیت یُوں ختم ہوتے دیکھا تو اُنہوں نے نِکل بھاگنا ہی بہتر سمجھا اور وہ فضا میں بکھر کر اپنی اپنی راہ بھاگ گئے اور ہمارے تینوں شاہبازوں نے اپنے اڈّے کا رُخ

کرلیا اور چوتھا (نٹ) شام کو پہنچ گیا۔

نیچے لاہور کی سڑکوں اور چھتوں پر، باغوں اور میدانوں میں لکھوکھا انسان طیاروں کی برستی گولیوں کی بوچھاڑوں میں کھڑے گلے پھاڑ پھاڑ کر نعرے لگا رہے تھے ——— "وہ مارا۔ بو کاٹا۔ نعرۂ تکبیر۔ اللہ اکبر۔ پاکستان زندہ باد۔ وہ مارا۔ بو کاٹا۔ پاکستان ایئر فورس زندہ باد" ——— ہجوم اور زیادہ گھنے ہو گئے تھے۔ جب انہوں نے دشمن کا یہ دوسرا طیارہ جلتا ہوا لاہور کے مضافات میں گرتے دیکھا تو نعرے لگاتے اس سمت بھاگ اُٹھے جس طرف طیارہ گرا تھا۔ طیارہ شالامار سے پرے گرا اور دیکھتے ہی دیکھتے لاہور کی مخلوق طیارے کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں پر ٹوٹ پڑی۔ جس کے ہاتھ جو لگا وہ پاک فضائیہ کے فاتحانہ کارنامے کی یادگار کے طور پر اُٹھا لایا۔ جن لوگوں کے ہاتھ طیارے کا ذرا سا ٹکڑا بھی نہ آیا وہ اس جگہ کی جلی ہوئی مٹی ہی اُٹھا لائے جہاں طیارہ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔

بھارتی ہواباز کی کھوپڑی جسم سے کٹ کر دُور پرے پڑی تھی اور اس کا باقی جسم طیارے کے ساتھ جل گیا تھا۔

یہی ایک طریقہ ہے جس سے بھارتی کھوپڑی میں ذرا سی عقل ڈالی جا سکتی ہے۔

٭

پاک فضائیہ کیسے بنی، کس نے بنائی!

پاک فضائیہ کے شاہینوں نے قدم قدم پر عالمی ریکارڈ قائم کئے ہیں اور دُنیا بھر سے خراجِ تحسین حاصل کیا ہے۔ ان شاہین بچوں نے جو کچھ کر دکھایا اور فضائی معرکوں کے عالمی ماہرین کو جس طرح انگشت بدنداں کر دیا وہ بقول اقبال، فیضانِ نظر تھا مکتب کی کرامت نہیں تھی۔ ان کے راہنما گھسے پٹے، کتابی قاعدے نہیں بلکہ رُوح کی گہرائیوں سے اُبلنے والا جذبہ تھا۔ یہ جذبہ بدر کے یوم الفرقان سے لے کر دسمبر ۱۹۷۱ء تک اندر ہی اندر اسلام کی جوتے رواں سے پرورش پاتا چلا آیا اور پرورش پاتا چلا جائے گا۔ بدر، حنین، قادسیہ، چھمب، واہگہ، سیالکوٹ، چونڈہ، سرگودھا اسی ایک نکتۂ ایمانی کی تفسیریں ہیں۔ مردِ مومن اس نکتۂ ایمانی کی تفسیر اپنے خون سے کرتا چلا آیا ہے اور کرتا چلا جائے گا تاآنکہ زمین اپنے رب کے نُور سے جگمگا اُٹھے گی۔

ستمبر ۱۹۶۵ء اور دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگوں ہی میں نہیں پاک فضائیہ کے شاہبازوں نے ابتدا

ہی میں غیر معمولی جوہر دکھانے شروع کر دیئے تھے۔ پاک فضائیہ اور انڈین ایئر فورس کا مسلح تصادم ستمبر ۶۵ء میں ہوا ہے لیکن دونوں ایئر فورسوں کا ایک عجیب و غریب فضائی معرکہ اٹھارہ برس پہلے کشمیر کی فضا میں لڑا جا چکا ہے۔

اس معرکے کا دلچسپ پہلو یہ تھا کہ ایک طرف انڈین ایئر فورس کے دو لڑاکا طیارے تھے جن میں سے ہر ایک میں چار چار بیس بیس ملی میٹر (پون انچ) دہانے کی مشین گنیں لگی ہوئی تھیں اور ان کے مقابلے میں پاک فضائیہ کا ایک ڈکوٹہ طیارہ تھا جو لڑاکا تھا نہ بمبار بلکہ ٹرانسپورٹ طیارہ تھا جس کے ساتھ ایک بھی گن نہیں تھی۔ یعنی طیارہ بالکل نہتہ تھا۔

یہ واقعہ ۱۹۴۸ء کا ہے جب کشمیر کی پہلی جنگ کے دوران بھارت اپنی پوری کی پوری ہوائی قوت استعمال کر رہا تھا۔ اس کے پاس ٹمپسٹ TEMPEST اور سپٹ فائر SPITFIRE قسم کا لڑاکا بمبار طیارے تھے جنہیں وہ بے دریغ استعمال کر رہا تھا لیکن پاکستان نے مجاہدینِ آزادی کی مدد کے لئے ایک بھی طیارہ استعمال نہیں کیا تھا۔ اسی دوران میں پاک فضائیہ کا ایک ڈکوٹہ (باربردار) طیارہ کشمیری مجاہدین کے لئے دوائیاں اور انسانی بھلائی کا سامان پیراشوٹوں سے پھینکنے کے لئے گیا تو بھارت کے دو ٹمپسٹ لڑاکا طیاروں نے اسے گھیر لیا۔ ان کے ہوابازوں نے ڈکوٹہ کے ہواباز کو "ہتھیار ڈال کر" ان کے ساتھ بھارت کے کسی اڈے پہ چلنے کو کہا۔ وہ جانتے تھے کہ ڈکوٹہ نہتہ طیارہ ہے لہٰذا اس کے ہواباز کو مزاحمت کی جرأت ہی نہیں ہو سکتی۔ ایسے طیاروں کے لئے ایک ہی راستہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو دشمن کے لڑاکا طیاروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں یا بھاگنے کی کوشش کریں اور دوسرے لمحے لڑاکا طیاروں کی مشین گنوں کا شکار ہو جائیں۔ ڈکوٹے کی رفتار بھی کم تھی۔

پاک فضائیہ کے ڈکوٹے کے ہواباز نے بھارتی ہوابازوں کو جواب دیا ــــ "ہمت ہے تو ساتھ لے چلو، میں طیارہ تمہارے اڈے پہ نہیں لے جاؤں گا" ــــ جب وہ ان کے ساتھ ریڈیو ٹیلیفون RT پہ بات کر رہا تھا، انڈین ایئر فورس کا ایک لڑاکا طیارہ اس کے اوپر اور دوسرا اس کے پروں تلے اُڑ رہا تھا۔ پاک فضائیہ کے ہواباز نے مہیب ترین فیصلہ کیا جسے خودکشی کے سوا

اور کوئی نام نہیں دیا جا[illegible]۔ اس نے ڈکوٹے کے دونوں تھراٹل پیچھے کر دیئے جس سے دونوں انجنوں کی رفتار صفر سے ذرا ہی زیادہ رہی۔ (ڈکوٹے میں دو انجن ہوتے ہیں)۔ ڈکوٹے کی رفتار تھم گئی تو دونوں لڑاکا طیارے آگے نکل گئے۔ ڈکوٹہ ناک کے بل نیچے آیا۔ نیچے دریائے سندھ کی تنگ وادی تھی۔ اونچی پہاڑیوں کے دامن میں گھنے جنگل میں چھپی ہوئی چٹانیں تھیں۔ وادی اس قدر تنگ کہ ڈکوٹے جیسے بڑے طیارے کے لئے گھومنے اور سنبھلنے کے لئے جگہ ہی نہیں تھی۔ طیارے کی تباہی بظاہر یقینی تھی لیکن جب ڈکوٹہ درختوں کو چھونے لگا تو اس کے ہواباز نے تھراٹل کھول دیئے اور طیارے کو اس قدر خطرناک غوطے سے اُٹھا لیا۔ ڈکوٹے میں پاک فوج کی سپلائی کور کا نائک محمد دین اور تین چار سپاہی بیٹھے ہوئے تھے۔ محمد دین کو پتہ چل چکا تھا کہ ڈکوٹہ دشمن کے نرغے میں آگیا ہے۔ وہ ہواباز کے پاس گیا اور بولا ــــ "میں جانتا ہوں آپ لڑ نہیں سکتے لیکن جہاز دشمن کے حوالے نہ کرنا۔ پہاڑ سے ٹکر مار کر تباہ کر دو۔ ہم سب جہاز کے ساتھ مرنے کو تیار ہیں۔ جہاز دشمن کے ہاتھ نہ آئے" ــــ ہواباز ہنس پڑا اور نائک محمد دین سے کہا "آپ پیٹی باندھ کے آرام سے بیٹھ جائیں۔ جہاز انشاء اللہ پاکستان جائے گا" ــــ محمد دین اپنی سیٹ پر آگیا اور اپنے جوانوں سے کہا ــــ "جوانو! ہم سب اپنے ڈکوٹے کے ساتھ مر رہے ہیں لیکن جہاز دشمن کو نہیں دیں گے۔ دعا کرو جہاز بچ جائے ورنہ پروا نہیں۔ یہ شہادت کا رتبہ ہے" ــــ اور جوانوں کے چہرے چمک اُٹھے۔

ان میں سے ایک سپاہی سے ملاقات ہوئی تو اُس نے سارا واقعہ سُنا کر کہا ــــ "خون بہت کھولا۔ اگر میرے پاس مشین گن نہ سہی رائفل ہی ہوتی تو میں ڈکوٹے کا شیشہ توڑ کر دشمن کے طیاروں پہ دو چار گولیاں تو چلا سکتا۔ ہم لڑ کر مرنے والے سپاہی ہیں۔ ہمارا دشمن پہلی بار سامنے آیا تھا لیکن ہم بے بس تھے۔ کاش ہندو زمین پہ آمنے سامنے آتے۔"

بھارتی ہوابازوں نے جب پاکستانی ڈکوٹے کو اپنی حراست سے غائب پایا تو اُنہوں نے اِدھر اُدھر، اُوپر نیچے دیکھا۔ انہیں وادی میں ڈکوٹہ نظر آگیا۔ دونوں نے اپنے طیارے اس پر غوطے میں ڈال دیئے اور فائرنگ شروع کر دی۔

انڈین ایئر فورس اور پاک فضائیہ کا پہلا فضائی معرکہ شروع ہوگیا۔

پاکستانی ہواباز اس معرکے میں صرف یہ کمال دکھا سکتا تھا کہ بھارتی ہوابازوں کے وار بچاتے اور طیارے کو گنوں کی زد میں نہ آنے دے لیکن یہ کمال کوئی ایسا سہل نہیں ہوتا، خصوصاً اس صورت میں کہ دو مسلح لڑاکا طیاروں کے مقابلے میں صرف ایک طیارہ ہو اور وہ بھی غیر مسلح۔ نشانہ باندھ کر فائر کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ دُشمن کے جھپٹے سے بچنے کے لئے فضائی معرکوں کی فنی مہارت کے علاوہ دِل گُردے، جذبے، حاضر دماغی اور یکسوئی کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ ذرا سی گھبراہٹ اور ہلکی سی لغزش طیارے کو ہواباز سمیت لے مرتی ہے۔ جب مسلح لڑاکا طیاروں کے ہوابازوں کو علم ہو کہ ان کا مدِمقابل غیر مسلح ہے تو ان کے حوصلے اور زیادہ بڑھ جاتے ہیں، وہ قریب آکر اور ہر زاویے سے فائر کرتے ہیں۔

پاکستانی ہواباز نے وادی سے ڈکوٹے کو اُٹھایا تو اُس پر دو طیاروں کی آٹھ مشین گنیں فائر کر رہی تھیں۔ اُس نے ڈکوٹے کو مکمل حاضر دماغی سے ایسی پٹخنی دی کہ دشمن کا فائر فضا میں ضائع ہوگیا۔ ڈکوٹے میں ہواباز کے ساتھ معاون ہواباز بھی ہوتا ہے۔ دونوں کاک پٹ میں پہلو بہ پہلو بیٹھتے ہیں۔ اس ڈکوٹے کے معاون ہواباز نے بھی ڈکوٹے سے سر باہر نکال کر (جو ایک خطرناک حرکت ہوتی ہے) دشمن کے طیاروں پر نظر رکھی۔ دشمن کے طیارے جب ایک ناکام حملے کے غوطے سے اُٹھتے تھے تو ڈکوٹے کے دونو ہواباز انہیں دیکھتے رہتے تھے۔ وہ جب دوسرے حملے کے لئے ان پر آتے تھے تو وہ نہایت پھرتی

سے ڈکوٹے کو اِدھر اُدھر پٹخ کر وار بچا جاتے تھے۔

بھارتی ہوابازوں نے جب پاکستانی ہوابازوں کے کامیاب دفاعی پینترے دیکھے تو اُنہوں نے مختلف سمتوں سے حملے شروع کر دیئے۔ ایک دائیں طرف سے آتا تو اُس کے معاًبعد دوسرا پیچھے سے یا بائیں پہلو سے جھپٹا مارتا اور دونو کی مشین گنیں بکتر شکن، آتشیں، ٹریسر اور گرنیڈ کی طرح پھٹنے والی گولیاں HIGH EXPLOSIVE اُگلتی چلی جاتیں۔ پھر ایک نیچے سے اُوپر کو جھپٹا مارتا اور دوسرا اُوپر سے غوطہ لگاتا اور ان کی گنیں ڈکوٹے کے پرخچے اُڑانے کے لئے بھونکتی چلی جاتیں۔ یہ ایسی صورت تھی کہ ڈکوٹے کے ہوابازوں کے لئے فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا کہ وہ کِس کے حملے سے بچیں۔ بعض اوقات ان پر ایک طیارہ حملہ کرتا تو اُنہیں معلوم نہ ہوتا کہ دوسرا کدھر سے حملہ آور ہو رہا ہے۔ ان پاکستانی شاہبازوں نے ڈکوٹے جیسے وزنی اور بڑے طیارے کو فضا میں کاغذ کے پُرزے کی طرح جِس طرح چاہا لیکن انتہائی خطرناک پٹخنیاں دیں ــــ کبھی عمودی غوطے میں ڈالا، کبھی درختوں کی بلندی سے سیدھا اُوپر کھینچ کر سُرعت سے جھٹک کر دائیں اور بائیں کیا ــــ اُنہوں نے وہ وہ پینترے بدلے جو صرف لڑاکا طیارے سے بدلے جا سکتے ہیں۔ 'کتاب' میں لکھا ہے کہ ڈکوٹہ فضا میں ایسی نقل و حرکت نہیں کر سکتا نہ اس پر اتنا زور ڈالا جائے کیونکہ طیارے کے ڈھانچے کے ٹوٹ پھوٹ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے لیکن پاکستانی ہواباز اور اس کے معاون نے 'کتاب' کو سندھ کی وادی میں پھینک ڈالا ــــ وہ اب 'کتاب' کی نہیں جذبے کی جنگ لڑ رہے تھے۔

بھارتی طیاروں نے مکمل پینتیس (۳۵) منٹ، ہر زاویے سے ڈکوٹے پر فائرنگ کی۔ ان کے ایمونیشن میں (HIGH EXPLOSIVE گرنیڈ کی طرح پھٹنے والی گولیاں) تھیں جو ڈکوٹے میں ایک بھی لگ جاتی تو بھارتی معرکہ مار لیتے۔ اس کے علاوہ ان کے ایمونیشن میں ٹریسر گولیاں بھی تھیں جو پیچھے

روشنی کی لکیر چھوڑتی جاتی ہیں۔ ان سے ہواباز کے لئے نشانہ بازی آسان ہو جاتی ہے لیکن پاکستانی ہواباز کے دفاعی پینتیروں کی وجہ سے ٹریسر ایمونیشن بھی بھارتی ہوابازوں کے لئے بیکار ثابت ہوا۔

فضائی معرکے کے پینتیس (۳۵) منٹ، پینتیس دِنوں کے برابر ہوتے ہیں۔ اس قدر فضائی نقل وحرکت، ٹیڑھے ترچھے اور تیز پینترے اور عمودی غوطہ زنی اور اُوپر اُٹھنا ہواباز کے اعصاب کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ ڈکوٹے کے ہوابازوں اور پیچھے بیٹھے پاک فوج کے نائک اور جوانوں کی جسمانی حالت بھی بدتر ہوتی جارہی تھی۔ آخر ایک بھارتی طیّارے کی چند گولیاں ڈکوٹے کے بڑے دروازے (باڈی کے ذرا نیچے) لگ گئیں جن میں سے دو گولیاں پھٹیں۔ ان کے ٹکڑوں نے نائک محمد دین کو شدید زخمی کر دیا۔ بھارتیوں کے پاس شاید ایمونیشن ختم ہوگیا تھا یا شاید دم خم نہ رہا تھا، وہ معرکے سے منہ موڑ گئے —— پاکستانی ہوابازوں نے معرکہ جیت لیا —— اُنھوں نے ڈکوٹے کو سنبھالا، سمت دیکھی اور رسالپور جا اُترے۔ ڈکوٹے کو جو نقصان پہنچا تھا اُسے گراؤنڈ کریو نے ذرا سی دیر میں ٹھیک کر دیا اور اگلے روز ڈکوٹہ پھر کشمیر کی فضا میں اُڑ رہا تھا لیکن پاک فوج کا جو نائک زخمی ہوگیا تھا وہ ہسپتال کے راستے میں ایمبولینس میں شہید ہوگیا —— وہ فضائی جنگ کا پہلا شہید تھا۔

اس فضائی معرکے کی مثال بالکل ویسی ہے کہ پستولوں سے مسلّح دو آدمی ایک نہتے آدمی کو گھیر کر اُس پر گولیاں چلانے لگیں لیکن انجام اس قدر شرمناک ہو کہ پستول خالی ہوجائیں اور نہتہ آدمی ہنستا کھیلتا اپنی راہ لگ جائے۔

یہ تو مسلّح بھارتی ہوابازوں کا چیلنج تھا جسے نہتے پاکستانی ہوابازوں نے قبول کر کے پاک فضائیہ کی تاریخ میں ایسی روایت قائم کر دی جس نے ستمبر کی جنگ میں پاک فضائیہ کے ہوابازوں کو بین الاقوامی شہرت عطا کی۔

جہاں تک بین الاقوامی شہرت کا تعلق ہے، پاکستانی ہوابازوں نے دراصل

ابتدائی دَور میں ہی اقوامِ عالم کے صفِ اوّل کے ہوابازوں میں بلند مقام حاصل کر لیا تھا۔ بین الاقوامی جنگی مشقوں میں پاک فضائیہ کے ہوابازوں نے فنی مہارت کا لوہا منوایا ہے۔ پاکستان کی عمر ابھی چند برس تھی جب انگلستان میں دولتِ مشترکہ کے تمام ممالک کے ہوابازوں کا راکٹ اور مشین گن فائرنگ کا فضائی مقابلہ ہوا تھا۔ اس مقابلے میں دوسری جنگِ عظیم کے تجربہ کار ہواباز، ان کے ہاتھوں تربیت یافتہ ہواباز، کینیڈا کے مشہور ہواباز اور بھارت کے ہواباز بھی شامل تھے۔ یہ حقیقت آج بھی دولتِ مشترکہ کے ریکارڈ میں محفوظ ہے (اور ہمیشہ محفوظ رہے گی) کہ اس مقابلے میں پاکستانی ہواباز اوّل آتے تھے۔

جب پاک فضائیہ کو پہلے پہل امریکی طیّارے دیئے گئے تو اُن کی پرواز کی تربیّت کے لئے ہمارے چند ایک ہوابازوں کو امریکہ بھیجا گیا لیکن امریکہ کے فضائی انسٹرکٹروں نے جب پاکستانی ہوابازوں کی ہنرمندی دیکھی تو وہ بے ساختہ کہہ اُٹھے کہ انہیں یہاں بلا کر تربیت دینے کی ضرورت نہیں، انہیں صرف طیّارے دے دو۔ ہمارے ان "زیرِ تربیت" ہوابازوں نے راکٹ اور گن فائرنگ اور پرواز میں امریکی انسٹرکٹروں کے منہ پھیر دیئے تھے۔

۱۹۵۸ء کے آخر میں پاک فضائیہ کے ہوابازوں نے فضائی کرتب کا ایک ایسا کمال کر دکھایا تھا جسے دُنیا کی کسی بھی ایئر فورس کے ہواباز دُہرا نہیں سکے نہ کسی نے اس سے پہلے ایسی جرأت کی تھی۔ یہ کرتب تھا —— ڈائمنڈ فارمیشن لُوپ DIAMOND FORMATION LOOP سولہ (۱۶) جیٹ طیّارے چوکور ہیرے کی شکل میں اُڑ کر انہیں اسی شکل میں اُلٹا کر کے سیدھا کرنا۔ کمال یہ تھا کہ بجائے ایک ایک طیّارے کو الگ الگ اُلٹا کر کے سیدھا کرنے کے پُوری کی پُوری فارمیشن اپنی ترتیب بدلے بغیر اُلٹی ہو کر آہستہ آہستہ سیدھی ہوتی اور آگے نکل گئی۔ کوئی ایک بھی طیّارہ اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر نہ ہُوا۔

یہ مظاہرہ کراچی میں کیا گیا تھا۔ انگلستان کی طیّارہ ساز فیکٹریوں کے

دو مشہور جریدوں "فلائٹ" اور "ایروپلین" کے نامہ نگار جو خود منجھے ہوئے ہواباز ہیں، وہاں موجود تھے۔ یہ کرتب دیکھ کر ان کی آنکھیں اور منہ حیرت سے کھل گئے تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ انگلستان میں یہ کرتب دکھایا جا چکا ہے لیکن سولہ طیاروں سے نہیں صرف چار طیاروں سے۔ روسی اور امریکی نمائندوں نے بھی ایسے ہی بے ساختہ تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہمارے ہواباز اتنی جرأت نہیں کر سکتے۔

ایسی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں جو اس قابلِ فخر امر کی مظہر ہیں کہ پاک فضائیہ کے ہواباز روزِ اوّل ہی سے شاہباز تھے۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ پاک فضائیہ کے طیارے تمام ممالک کے فضائی بیڑوں کے مقابلے میں بہت کم کریش ہوتے ہیں۔ طیارے کسی نہ کسی خرابی یا ہواباز کی غلطی سے کریش ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن پاک فضائیہ کے سالانہ اعداد و شمار ہمیشہ بہت کم رہے ہیں۔ اس میں ہوابازوں کی چابکدستی کے علاوہ گراؤنڈ کریو کی مہارت کو خصوصی دخل ہے۔ بہت کم طیارے فضا میں انجن یا کسی اور خرابی کی وجہ سے گرے ہیں۔

پاک فضائیہ کے کارناموں کو دیکھتے ہوئے یقین سا ہونے لگتا ہے کہ پاکستانی ہوابازوں کو نہایت موزوں حالات میں بہترین طیاروں پر، جدید تربیتی سازوسامان سے تجربہ کار ہوابازوں کے ہاتھوں تربیت ملی ہوگی اور شاید پاک فضائیہ کو دوسری جنگِ عظیم کا تجربہ بھی ہوگا ۔۔۔ جی نہیں! پاکستان ایئر فورس بے مائیگی میں معرضِ وجود میں آئی اور اوّلیں ہوابازوں نے بے مائیگی میں تربیت حاصل کی تھی۔ میں اُس دَور اور اُن حالات کا عینی شاہد ہوں جن میں پاکستان ایئر فورس بنی تھی۔ میں اُس وقت رائل انڈین ایئر فورس میں ایئرمین تھا۔ جب خدائے ذوالجلال نے ہمیں پاکستان کی سرزمین عطا فرمائی تھی ہم معدودے چند ایئرمین تھے جو پاکستان ایئر فورس کے حصے میں آئے تھے۔ جب ہندو، سکھ

او[illegible]تی عیسائی بھارت چلے گئے تھے تو پشاور میں ہم گنتی کے چند مسلمان ایئرمین رہ گئے تھے۔ تمام سینئر ہواباز اور ایئرمین اور زیادہ تر طیارے بھارت کے حصے میں آئے تھے کیونکہ ایئر فورس میں مسلمانوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر تھی اور ہواباز تو انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ برطانوی ہند میں تعصب کا یہ عالم تھا کہ مسلمانوں کو ہواباز بننے کے مواقع سے اکثر محروم رکھا جاتا تھا۔ رائل انڈین ایئر فورس دراصل غیر مسلم ایئر فورس تھی۔ ہندو ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کو ایئر فورس میں داخل نہ ہونے دیا جاتے۔

ایئر ہیڈکوارٹر، گروپ ہیڈکوارٹر، سلیکشن بورڈ اور بھرتی دفتر ہندوؤں کے قبضے میں تھے۔ ایئر فورس کے اندر کا یہ عالم تھا کہ ایئرمین میس اور سٹیشن لائبریریوں میں کانگرس کے جھنڈے اور گاندھی کی تصویریں آویزاں کی جاتی تھیں۔ لائبریریوں میں مسلمانوں کے مطلب کی ایک بھی کتاب نہیں رکھی جاتی تھیں۔ زیادہ تر کتابیں انگریزی کی یا کانگرسی پروپیگنڈے کی ہوتی تھیں۔ انگریز افسروں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا جاتا تھا۔ تمام مذاہب کے ایئرمینوں کے لئے ایک ہی میس میں کھانا پکتا تھا جہاں بکرے حلال ہو کر آتے تھے لیکن ۱۹۴۶ء میں جب مسلم لیگ ایک حقیقت بن کر ہندو ذہنیت کے لئے مہیب خطرہ بن گئی تو ہندو افسروں اور دیگر عملے نے میسوں میں جھٹکے کا بندوبست کر دیا۔ جب مسلمانوں نے احتجاج کیا تو ان میں کئی ایک کے کورٹ مارشل کر کے جیلوں میں بھجوا دیا گیا یا سروس سے نکال دیا گیا۔

کوہاٹ میں سکواڈرن لیڈر اعوان کے خلاف سازش کر کے کورٹ مارشل کے سامنے کھڑا کر دیا گیا اور جھوٹی شہادتوں کے بل بوتے پر اُسے دو سال سزائے قید دلا دی گئی اور جب مسلم لیگ مرکزی تمام مسلم نشستوں پر قابض ہو گئی اور ہر صوبے میں مسلم لیگ نے انتخابات جیت لئے تو رائل انڈین ایئر فورس میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ بعض فضائی اڈوں پر مسلمانوں کو اس

قدر مشتبہ قرار دے دیا گیا کہ بارکوں میں بھی ان پر نظر رکھی جانے لگی
۱۹۴۶ء کے آخر میں مسلمان ایئرمین اس حد تک پریشان ہوئے کہ ہمارا
ایک وفد دہلی میں قائدِ اعظم علیہ رحمۃ سے ملا اور انہیں انڈین ایئر فورس میں

مسلمان ہوابازوں اور گراؤنڈ کریو کی حالتِ زار جا سنائی۔ جنگ ختم ہو چکی تھی اور ریلیز کا سلسلہ جاری تھا۔ مسلمان لڑکوں نے قائدِ اعظم سے کہا کہ ہم اس قدر تنگ آگئے ہیں کہ بیشتر مسلمان 'ریلیز' لے کر انڈین ایئر فورس سے نکلنا چاہتے ہیں۔ قائدِ اعظم نے کمال خود اعتمادی اور پدرانہ شفقت سے کہا — "تمام مسلمان ہوابازوں اور دیگر سٹاف سے کہہ دو خواہ کچھ ہو جائے ایئر فورس سے نہ نکلیں۔ پاکستان بہت جلد بننے والا ہے۔ پاکستان کو مضبوط ایئر فورس کی ضرورت ہو گی۔ پاکستان ایئر فورس کی بنیاد تمہیں ہی رکھنی ہو گی۔ ہندو اور انگریز کی سختیاں برداشت کرو۔ تم بہت جلد آزاد ہونے والے ہو۔"

بخدا ہمیں توقع نہیں تھی کہ ہم بہت جلد آزاد ہونے والے ہیں لیکن قائدِ اعظم کی باتوں اور پُراعتماد انداز نے ہمیں اُسی روز پاکستان دکھا دیا۔ قائدِ اعظم کا پیغام ذاتی خطوط کے ذریعے ہندوستان کے گوشے گوشے میں بکھرے ہوئے مسلمان ہوابازوں تک پہنچا دیا گیا۔

ہندو لیڈروں کو پاکستان بنتا نظر آگیا تھا۔ اسی خطرے کے پیشِ نظر وہ رائل انڈین ایئر فورس سے (جو دراصل انگریز کا فضائی بیڑہ تھا) مسلمانوں کو نکالنا چاہتے تھے تاکہ پاکستان بنے تو اس کی ایئر فورس کے لئے بنیادی سٹاف ہی نہ ہو۔ بھارت کی پاکستان دشمنی پاکستان بننے تک ہی نہیں بعد بھی رہی۔ اس کی بدترین اور شرمناک مثالیں پاک فضائیہ کے ابتدائی اور کٹھن ترین باب میں ہمیشہ یاد کی جایا کریں گی۔ ہمارے حصے میں دقیانوسی قسم کے چند ایک ٹمپسٹ TEMPEST طیارے آئے۔ ان کی دیکھ بھال کے لئے زمینی سٹاف اس قدر قلیل تھا جو ان چند ایک طیاروں کے لئے بھی ناکافی تھا۔ ہندو، سکھ اور بھارتی

عیسائی پاکستان بنتے ہی بھارت جانے لگے تھے۔ سوائے پشاور کے پاکستان کے حصے میں آتے ہوئے تمام فضائی اڈے (رسالپور، چک لالہ، ڈرگ روڈ اور ماری پور) ویران ہو گئے۔ وہاں ایئر ٹریفک کنٹرول بلڈنگ اور اِکا دُکا طیارہ رہ گیا یا سٹوروں میں سامان پڑا تھا۔ غیر مسلم ایئرمین سٹوروں سے سامان نکال کر ساتھ لے گئے اور طیاروں کے سپیئر پارٹس تک نکال لے گئے۔ ان اڈوں پر اچھے بھلے ایک آدھ طیارے کے علاوہ بعض ایسے بیکار طیارے بھی پڑے تھے جن کے انجن یا دیگر حصے کام آسکتے تھے لیکن غیر مسلم ایئرمین ان کے انجنوں میں برقی ڈرِلوں سے سوراخ کر کے بیکار کر گئے اور بعض جگہ انہوں نے آگ تک لگا دی۔ چک لالہ میں بمبار طیاروں کے نئے انجن پڑے تھے جو برطانوی فضائیہ چھوڑ گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ پاکستان کے تھے لیکن ہندو افسروں نے جاتے جاتے یہ انجن کباڑیوں کے ہاتھ بیچ ڈالے یا بعض کو بالکل برباد کر گئے۔ ایئر ٹریفک کنٹرول کے وائرلیس سسٹم کو بھی وہ بالکل ناکارہ کر گئے۔

ان قیمتی جگہوں اور سامان کی چوکیداری کون کرتا؟ ہم چند ایک مسلمان پشاور میں تھے اور مسلمان ہواباز جنہیں پاکستان آنا تھا وہ ابھی بھارت کے ہوائی اڈوں پر بکھرے ہوتے تھے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا تھا اور ہمیں کسی بھی مسلمان ہواباز کے زندہ آجانے کی توقع کم تھی۔ پاکستان بن چکا تھا۔ پشاور کے فضائی اڈے پر پاکستان ایئر فورس کا جھنڈا لہرایا کرتا تھا

جسے ہم رُک رُک کر اور ٹکٹکی باندھ کر عقیدت بھری نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ اس جھنڈے کی خاطر مسلمانوں نے ایک صدی کی جنگ لڑی تھی۔ اس جھنڈے کو دیکھ کر ہم اُن مسلمان ہوابازوں کا انتظار اور زیادہ بے تابی سے کیا کرتے تھے جو جانے کس حال میں ابھی بھارت میں پھنسے ہوتے تھے۔ ان میں بیشتر بھارت خصوصاً مشرقی پنجاب کے رہنے والے تھے۔ ان کے

خویش واقارب ہندوؤں اور سکھوں کی مسلمان دشمنی اور بربریت کی نذر ہو چکے تھے یا ہو رہے تھے۔ مسلمان ہوا باز اور ایئر مین کسی نہ کسی طور پاکستان پہنچ گئے لیکن انہیں اپنے عزیزوں کے متعلق کچھ علم نہ تھا کہ وہ کس حال میں ہیں۔ کہاں ہیں۔ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ ایک طرف ان پر پاک فضائیہ کی بنیادیں رکھنے کا مقدس بار تھا دوسری طرف اپنے عزیزوں کا غم کھائے جا رہا تھا۔ پاک فضائیہ نے ان لوگوں کی دستگیری کی اور ان سب کو لاہور میں جمع کر کے جتنے ٹرک ملے، ان کے حوالے کر دیئے اور انہیں رائفلیں اور سٹین گنیں دے کر تھوڑے تھوڑے آدمیوں کو بھارت سے اپنے عزیزوں کو لانے کے لئے بھیجنا شروع کر دیا۔ بعض اپنے کنبوں کو لے آتے اور بعض روتے چلاتے خالی ہاتھ لوٹ آتے۔ کنبے تو دور کی بات ہے انہیں اپنے جلے ہوئے مکانوں میں اپنے عزیزوں کی لاشیں بھی نہ ملیں۔

ایسے بدنصیبوں کی ذہنی حالت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے لیکن انہوں نے اللہ کا شکر ادا کر کے توجہ پاک فضائیہ کی طرف کر دی اور ان حالات میں وہ پاک فضائیہ کی بنیادیں رکھنے لگے، لیکن بنیاد رکھی کس زمین پر جاتی؟ اپنے پاس نہ کوئی فلائنگ ٹریننگ سکول تھا، نہ کوئی ٹیکنیکل ٹریننگ سنٹر، نہ کوئی تربیتی طیارہ، نہ کوئی انسٹرکٹر۔ برصغیر میں پرواز کے دو تربیتی مرکز تھے۔ ابتدائی پرواز کے لئے جودھ پور اور اعلیٰ پرواز کے لئے انبالہ۔ یہ دونوں بھارت میں تھے۔ ان دونو مرکزوں میں ٹریننگ کے لئے تمام تر جدید لوازمات اور انسٹرکٹر موجود تھے۔ بھارت کو تو دراصل بنی بنائی ایئر فورس مل گئی تھی۔ تربیتی مرکز سے لے کر منظم لڑاکا سکواڈرنوں تک اس کی ایئر فورس مکمل تھی۔ وہاں تو روزمرہ کے معمولات میں ذرہ برابر فرق نہ آیا تھا۔ چنانچہ جونہی کشمیر میں حریت پسندوں نے مسلح بغاوت کی، اور قبائلی پٹھانوں نے ڈوگروں پر یلغار کر دی تو انڈین ایئر فورس فوراً حرکت میں آگئی۔

پاکستان کی فضائی طاقت نہ ہونے کے برابر تھی۔ پندرہ بیس طیارے کوئی طاقت تو نہیں ہوتی۔ جو سازوسامان پاکستان کے حصے میں آیا تھا وہ ابھی تک بھارت میں پڑا تھا وہ بھارت سرکار نے روک لیا۔ یہ سب کچھ سردار پٹیل کے اس بیان کے مطابق ہو رہا تھا جس میں اس نے کہا تھا ——"ہم پاکستان کو پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بننے ہی نہیں دیں گے، اور عسکری لحاظ سے ہم اسے اس قدر نہتہ رکھیں گے کہ بھارت کا ایک وار بھی نہ سہہ سکے"۔

ایک روز ہمیں پشاور میں خوش خبری ملی کہ بھارت سے ہمارے حصے کا بہت سارا ایمونیشن آرہا ہے۔ چھوٹے ایمونیشن کے علاوہ ہمارے حصے میں راکٹ اور طیاروں کی مشین گنوں کا ایمونیشن (بیس ملی میٹر) آیا تھا۔ جب یہ ایمونیشن ہمارے پاس پہنچا تو کئی بکسوں اور پیٹیوں میں سے پتھر نکلے۔

پھر ایک روز خوش خبری ملی کہ پاک فضائیہ کے حصے میں آٹھ ٹائیگر ماتھ طیارے آئے ہیں جو جودھ پور کے ہوائی اڈے پر پڑے ہیں۔ انڈین ایئر فورس کے ہیڈ کوارٹر نے اطلاع دی ——"اپنے طیارے جودھ پور سے لے جاؤ"۔ ٹائیگر ماتھ دو پروں والا وہ طیارہ ہے جو پہلی جنگ عظیم (۱۸ - ۱۹۱۴ء) سے ذرا پہلے "ایجاد" ہوا تھا۔ اس کی پرواز ہوا اور موسم کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ مخالف سمت سے ہوا کا تیز جھونکا آجاتے تو ٹائیگر ماتھ ہوا میں معلق رہ جاتا ہے اور ڈگمگانے لگتا ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے یہ قدیم طیارے ابتدائی تربیت کے لئے استعمال کئے جاتے تھے۔ ابتدائی تربیت کا مرکز جودھ پور میں تھا چنانچہ یہ طیارے بھی وہیں تھے۔ انڈین ایئر فورس کا یہ کہنا کہ "اپنے ٹائیگر ماتھ جودھ پور سے لے جاؤ" دراصل مطلب یہ رکھتا تھا کہ انہیں جودھ پور ہی میں پڑا رہنے دو، اتنی دور اڑا کر کیسے لے جا سکو گے! ٹائیگر ماتھ کی انتہائی رفتار موافق اور پرسکون موسم میں ایک سو میل فی گھنٹہ سے زیادہ نہیں ہوتی اور اگر موسم کے تیور بدل جائیں تو اسے اتار

لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوتا۔ اس کی ایک اُڑان بمشکل ایک سو میل تک ہوتی ہے۔ ان آٹھ ٹائیگر ماتھوں کو جودھ پور سے ہزاروں میل دُور رسالپور لانا تھا۔ پاک فضائیہ کے پاس ابھی اتنے ہواباز نہیں پہنچے تھے جو انہیں جا کے اُڑا لاتے۔ مُسلمان ہواباز ابھی بھارت میں بکھرے ہوئے تھے —— انڈین ایئر فورس نے پاک فضائیہ کے ساتھ عملی مذاق کیا تھا۔

پاک فضائیہ کو تربیت دینے کے لئے ان طیّاروں کی ضرورت تھی۔

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ یہ طیّارے بھارت کو بخش دیئے جاتے۔ آخر پاک فضائیہ نے انتہائی خطرناک فیصلہ کیا جس کے تحت پاک فضائیہ کا ایک ڈکوٹہ (مسافر بردار) طیّارہ فلائنگ آفیسر کے عہدے کے دو ہوابازوں اور زمینی عملے کے دو آدمیوں کو لے کر جودھ پور پہنچ گیا۔ وہاں چند ایک مُسلمان کیڈٹ (زیرِ تربیت ہواباز) تھے جنہیں پاکستان آنا تھا۔ ان کی تربیتی پرواز مجموعی طور پر ابھی چند گھنٹے بھی نہیں ہوئی تھی۔ اُنہوں نے ابھی بمشکل کنٹرول تھامنا سیکھا تھا۔ کراس کنٹری اُڑانیں تو ابھی بہت بعد کی بات تھی۔ ان کی حالت اُن بچوں کی سی تھی جنہوں نے ابھی کھڑے ہونا سیکھا ہو لیکن ان سے دوڑنے کی توقع رکھی جاتے۔ کوئی اور صورت نہیں تھی۔ ان ہی شاہین بچوں کو ٹائیگر ماتھوں کی ہزاروں میل کی مسلسل پرواز کا انتہائی نازک اور پُرخطر فرض سونپ دیا گیا۔ دو طیّاروں کو دونو فلائنگ افسروں نے سنبھال لیا اور باقی چھ میں ایک ایک کیڈٹ بیٹھ گیا۔ ڈکوٹے میں پٹرول کے چند کنستر رکھ لئے گئے۔

بھارت والوں کا فرض تھا کہ ان طیّاروں کو جگہ جگہ پٹرول مہیا کرتے لیکن اُنہوں نے عداوت کی ایسی مکروہ فضا پیدا کر رکھی تھی کہ جب ہمارے ہواباز ڈکوٹہ لے کر جودھ پور پہنچے تو ہندو انہیں نہ صرف گھور گھور کر دیکھتے تھے بلکہ انہیں ایک گھونٹ پانی پلانے سے بھی گریز کرتے تھے۔ ان حالات میں ایک ڈکوٹے اور آٹھ ٹائیگر ماتھوں کا فضائی قافلہ جودھ پور سے روانہ ہو گیا۔

ڈکوٹے کی رفتار ٹائیگر ماتھوں سے کئی گنا تیز ہوتی ہے، بھلا وہ ان چھوٹے چھوٹے طیّاروں کا ساتھ کس طرح دیتا؟ چنانچہ ڈکوٹہ ان کے اُوپر چکر کاٹ کاٹ کر ان کا ساتھ دے رہا تھا۔

نیچے بھارتی ہواباز یقیناً ہنس رہے ہوں گے اور اس خبر کا انتظار بے تابی سے کر رہے ہوں گے کہ آٹھوں ٹائیگر ماتھ راستے میں ہی تباہ ہو گئے ہیں۔ اگر وہ ہنسے تھے تو حق بجانب تھے۔ اُنہوں نے ان کی تباہی کا سامان کر رکھا تھا جس کا انکشاف راستے میں اس طرح ہُوا کہ فضا میں ایک ٹائیگر ماتھ کا انجن بند ہو گیا۔ کیڈٹ طیّارے کو بند انجن سے ہی گلائیڈ کر کے اُتار لایا۔ خوش قسمتی سے نیچے ہموار علاقہ تھا، جنگل یا پہاڑ نہیں تھے۔ پٹرول ڈکوٹے میں تھا لیکن یہ جگہ ڈکوٹے جیسے بڑے طیّارے کے اُترنے کے لئے موزوں نہیں تھی۔ پھر بھی ہوابازوں نے خطرہ مول لیا اور ڈکوٹے کو اُتار لائے۔ جب ٹائیگر ماتھ میں پٹرول ڈالنے لگے تو دیکھا کہ ٹینکی میں پٹرول تو ہے لیکن رُکا ہُوا ہے کیونکہ ہندوؤں نے ٹینکی میں چینی ڈال دی تھی۔ چینی ایسی چیز ہے جو پٹرول میں حل نہیں ہوتی اور نالیوں کو بند کر دیتی ہے۔ گراؤنڈ کریو ساتھ تھے۔ اُنہوں نے ٹینکی صاف کر دی اور پٹرول ڈال کر طیّارے کو اُڑا لایا گیا۔

اس دوران دوسرے ٹائیگر ماتھ آگے نکل گئے۔ ذرا آگے جا کر ایک اور ٹائیگر ماتھ کا انجن بند ہو گیا۔ اُسے بھی بند انجن سے محفوظ اُتار لیا گیا۔ دیکھا تو اُس کی ٹینکی میں ریت پڑی ہوئی تھی۔ کوشش کے باوجود ٹینکی سے ساری ریت نہ نکالی جا سکی۔ بہت سی ریت نالیوں میں بھی چلی گئی تھی۔ طیّارہ بیکار تھا چنانچہ اسے بھارت کے علاقے میں پھینک دیا گیا اور اس کا کیڈٹ ہواباز ڈکوٹے میں بیٹھ گیا۔

اب سات ٹائیگر ماتھ رہ گئے جو ڈکوٹے کے نیچے جھومتے، ڈولتے، ڈگمگاتے اُڑے جا رہے تھے۔ راجپوتانہ کے اُوپر کا سفر کٹھن اور خطرناک تھا۔

نیچے ریگزار تھا جہاں طیارہ اُتر تو سکتا تھا لیکن وہاں سے اُٹھ نہ سکتا تھا کیونکہ پہیئے ریت میں دھنس جاتے ہیں اور طیارہ رفتار نہیں پکڑ سکتا۔ وہاں ٹائیگر ماتھوں کا باری باری پٹرول ختم ہُوا اور اُنہیں نیچے اُتارا گیا۔ ڈکوٹے جیسے وزنی اور بڑے طیارے کو اُترنے کے لئے یہ جگہ بالکل موزوں نہیں تھی چنانچہ ڈکوٹے کو ایسی جگہ اُتارا گیا جو ٹائیگر ماتھوں سے بہُت دُور تھی۔ ڈکوتے کے ہوا باز، کیڈٹ اور گراؤنڈ کریو کنستر اُٹھا کر پیدل ٹائیگر ماتھوں تک پہنچے، پٹرول ڈالا اور انہیں بعد دقت ریگستان سے اُڑایا گیا۔

مشرقی پنجاب کے اُوپر سے اُڑ کر آنا اور زیادہ خطرناک تھا کیونکہ نیچے ہندو اور سکھ مُسلمانوں کے قتلِ عام میں مصروف تھے۔ وہاں طیاروں کو پٹرول کے لئے اُتارنا خودکشی کرنے والی بات تھی۔ چنانچہ طیارے سندھ کے اُوپر سے اور میانوالی کی طرف سے رسالپور پہنچائے گئے لیکن دو ٹائیگر ماتھ راستے ہی میں پھینکنے پڑے ـــــ بھارتیوں کی چینی اور ریت کام کر گئی تھی۔

چند دنوں میں بھارت سے تمام مُسلمان ہوا باز (فضائی اور زمینی) پاکستان پہنچ گئے۔ ان کی تعداد قلیل تھی۔ ان ہی کے کندھوں پر پرواز کے تربیتی سکول کا بوجھ ڈال دیا گیا۔ جس روز یہ چھ ٹائیگر ماتھ رسالپور پہنچے اس کے تیسرے ہی روز رسالپور ہی میں پرواز کی باقاعدہ ٹریننگ کی ابتدا کر دی گئی۔ ایئر مارشل اصغر خاں (ریٹائرڈ) جو اُس وقت ونگ کمانڈر تھے، اس سکول کے پہلے کمانڈنٹ بنے اور ایئر کموڈور یوسف جو اُس وقت سکواڈرن لیڈر تھے، پہلے چیف انسٹرکٹر مقرر ہوئے۔ اتنے میں مشرقی اور مغربی پاکستان سے ہوا بازی کے لئے نوجوان بھرتی ہونے کے لئے آنے لگے جن کے انتخاب کے لئے سلیکشن بورڈ قائم کر دیا گیا۔

رسالپور فلائنگ ٹریننگ سکول تربیت کے ساز وسامان سے محروم تھا [illegible] رہی اور مطلوبہ سامان اور جدید طرز کے تربیتی طیاروں

کے حصول کی مہم شروع کر دی گئی۔ ۱۹۴۸ء میں جب قائدِ اعظمؒ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے پہلے سرکاری دورے پر رسالپور تشریف لائے تو ہوا بازوں کی پہلی جماعت پاس آؤٹ ہو کر فلائنگ وِنگ حاصل کر چکی تھی۔ یہ پاک فضائیہ کا بے مثال کارنامہ تھا۔ قائدِ اعظمؒ اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اس سکول کو فلائنگ ٹریننگ کالج بنا دیا۔ جب ان اوّلیں شاہین بچوں کو بال و پر عطا ہوتے تو ان کے انداز بتا رہے تھے کہ مفلسی اور بے بسی میں پلے ہوئے ان بچوں کے سینوں میں ایمان کا الاؤ دہک رہا تھا۔

جب یہ شاہین تربیت حاصل کر کے لڑاکا سکواڈرنوں میں گئے تو وہاں انہیں پرانی قسم کے وہ ٹمپسٹ طیارے دیئے گئے جن کے انجنوں کی عمر تقریباً ختم ہو چکی تھی لیکن ہوا بازوں نے انہی طیاروں کو اُڑا اُڑا کر خود کو لڑاکا ہوا باز بنا لیا، لیکن یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ چند ایک ہوا باز تیار کر لینے سے ایئر فورس مکمل نہیں ہو سکتی۔ ایک ہوا باز کو ہوا میں بھیجنے کے لئے ایک وسیع اور سلسلہ در سلسلہ مشینی اور انسانی نظام درکار ہوتا ہے۔ گراؤنڈ کریو سٹاف جو فضائیہ کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے، ابتدا میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ پاکستان میں کوئی تربیتی سکول بھی نہ تھا جہاں نوجوانوں کو بھرتی کر کے فنی تربیت دی جاتی ـــــ نہ ساز وسامان تھا نہ انسٹرکٹر۔ وقت ضائع کئے بغیر جو کچھ پاس تھا اسی پر کوہاٹ، ڈرگ روڈ اور کورنگی میں ٹیکنیکل سکول کھول دیئے گئے اور بڑے بڑے شہروں میں بھرتی دفتر کھولنے کے علاوہ بھرتی کرنے والے افسروں نے قصبوں کے دَورے کر کر کے نوجوانوں کو بھرتی کر لیا۔ پرانے افسروں اور نان کمشنڈ افسروں کی ضرورت دراصل لڑاکا سکواڈرنوں اور سروسنگ ورکشاپوں میں تھی لیکن ان میں سے بیشتر کو ٹریننگ سنٹروں میں انسٹرکٹر بنا کر بھیج دیا گیا۔ اس کے علاوہ غیر مُلکی انسٹرکٹروں اور تربیت کے ماہرین کی خدمات بھی حاصل کی گئیں۔

پاک فضائیہ کی تشکیل و تنظیم انتہائی کٹھن کام تھا۔ ہر مُلک کو فضائی بیڑے کی ضرورت ہوتی ہی ہے لیکن پاکستان کے لئے فضائی بیڑے کی ضرورت شدید بھی تھی اور فوری بھی کیونکہ بھارتی سیاستدان روزِ اوّل سے ہی پاکستان کو ختم کرنے کے درپے تھے اور اُنہوں نے کشمیر کی جنگِ آزادی میں پُورے کا پُورا فضائی بیڑہ جھونک دیا تھا۔ کشمیر کے بہانے انڈین ایئر فورس کے طیّارے گجرات کے سرحدی دیہات پر اکثر بم باری، راکٹ یا گن فائرنگ کر جاتے تھے۔ حد یہ کہ ایک بار اُنہوں نے مری پر بھی بمباری کی۔ انڈین ایئر فورس سے اپنی سرحدوں کو محفوظ کرنے کے لئے پاکستان کو کارگر فضائی بیڑے کی شدید ضرورت تھی۔ بھارت کو تو تیار بر تیار فضائی بیڑہ مل گیا تھا اور اُس کے پاس گراؤنڈ کریو سٹاف کے لئے اور ہوابازوں کی تربیت کے لئے بھی سکول اور سنٹر موجود تھے۔ پاکستان کے بن جانے سے ان کے روزمرّہ کے معمول میں کوئی فرق نہیں آیا تھا سوائے اس کے کہ مُسلمان ہواباز اور گراؤنڈ کریو اُدھر سے اِدھر آ گئے تھے۔ انڈین ایئر فورس کے پاس ٹمپسٹ کے علاوہ ہری کین HURRICANE اور سپٹ فائر SPITFIRE لڑاکا طیّارے بھی تھے۔ اس کے علاوہ انڈین ایئر فورس نے پاکستان کے حصے کا ساز و سامان بھی ہڑپ کر لیا تھا۔ اس کے برعکس پاکستان کو اپنی فضائیہ کی نئی بُنیاد رکھنی پڑی۔

آج بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ پاک فضائیہ کے کارندوں نے اپنی فضائیہ کا ابتدائی ڈھانچہ کباڑخانے SALVAGE سے تیار کیا تھا۔ وطن کے ان اوّلین عاشقوں کے پاس سوائے جذبۂ حُب الوطنی کے اور کچھ نہ تھا۔ میں وہ وقت کبھی نہ بھول سکوں گا کہ ہم اکثر سیلویج ڈمپ میں سپیئر پارٹس ڈھونڈتے رہتے تھے۔ یہ جُملہ ہمارا نعرہ بن گیا تھا ——"کہیں نٹ یا بولٹ پڑا مِل جائے تو اُٹھا کے سٹور میں جمع کرا دو"—— اسی دَور کی ایک بات یاد آتی ہے کہ پاک فضائیہ کا ایک وِنگ کمانڈر گھومتا پھرتا میرے سکواڈرن کی طرف آ نکلا۔ اُس نے مجھے بلایا

اور ایک طرف اشارہ کر کے کہا ——"وہ دیکھو، جاؤ اُٹھا لو، بڑے کام کی چیز ہے"—— میں بھاگا گیا اور وہ چیز اُٹھا لایا۔ وہ کیا تھا؟ طیارے کی مشین گن کی نالی صاف کرنے والے کپڑے کا صرف دو انچ ٹکڑا! یہ خاص قسم کا کپڑا ہوتا ہے جسے ہم اپنی زبان میں 'فور بائی ٹو' 4x2 کہا کرتے تھے یعنی چار انچ لمبا اور دو انچ چوڑا کپڑا—— اُس دَور میں وہ واقعی بڑے کام کی چیز تھی ورنہ مجھے یاد ہے کہ جب ہم رائل انڈین ایئر فورس میں انگریزوں کے ساتھ ہوتے تھے تو ایسے کپڑے گزوں کے حساب سے بلاوجہ استعمال کر کے ضائع کر دیا کرتے تھے۔

ایک بار پتہ چلا کہ چک لالہ کے ہوائی اڈے میں طیّاروں کے کچھ سپیئر پارٹس اور بعض حصّے بیکار پڑے ہیں۔ دو تین گراؤنڈ کریو (ایئر مین) اپنے خرچ پر چک لالہ گئے اور کئی کام کی چیزیں ہوائی اڈے کے کباڑخانے سے اُٹھا لائے۔ ایسی مثالیں بہت ہیں کہ گراؤنڈ کریو نے بیکار طیّاروں کو سیلویج سے اُٹھا کر اُڑنے کے قابل بنا دیا تھا۔ یہی جذبہ تھا جس نے پاک فضائیہ کی بُنیادوں کو تقویت دی اور تھوڑے ہی عرصے میں پاکستان ایئر فورس اس قابل ہو گئی کہ اپنی سرحدوں کی حفاظت کر سکے۔ چنانچہ شمال مغربی سرحد کے قبائلی علاقے میں بھارت نے براہِ دگر جو مسلّح بدامنی اور جنگی پیمانے پر شر انگیزی کے مظاہرے کئے تھے اُنہیں پاک فضائیہ کے چند ایک طیّاروں نے ہی ختم کیا تھا۔ وہاں پاک فوج کی ایک بھی چوکی نہیں تھی کیونکہ قائدِ اعظمؒ کے حکم کے مطابق قبائلی علاقے سے تمام فوج کو واپس بلا لیا گیا تھا اور رزمک، وانا اور ڈومیل جیسی چوکیاں قبائلیوں کے حوالے کر دی تھیں۔

☆

جنگِ دسمبر ۱۹۷۱ء

- □ ۳؍دسمبر ۱۹۷۱ء کی شام پاک فضائیہ کا بھارت کے پندرہ ہوائی اڈوں پر پہلا طوفانی حملہ۔
- □ چند فضائی معرکے مغربی اور مشرقی پاکستان کی فضا کے۔

۳ر دسمبر ۱۹۷۱ء

ــــ بھارت کے ہوائی اڈوں پر پاک فضائیہ کا پہلا حملہ

دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں بھارت کے فضائی بیڑے کے طیاروں کی تعداد پاک فضائیہ کے مقابلے میں پانچ گنا تھی اور اس کے طیارے جدید ترین اور برتر تھے جن میں ایس یو سیون خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جب ۳ر دسمبر ۱۹۷۱ء کی شام مشرقی محاذ کی جنگ مغربی محاذ تک آ گئی تو غیر ملکی مبصروں کا یہ کہنا کہ پاک فضائیہ بھارت جیسے طاقت ور فضائی بیڑے کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اور دو دنوں میں فضا سے غائب ہو جائے گی بے بنیاد نہیں تھا، مگر پاک فضائیہ نے جب دشمن پر پہلا وار کیا تو مبصر اپنی رائے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور ہو گئے۔ پاک فضائیہ کے شاہبازوں نے یہ وار ایسی حیران کن جلدی سے کیا کہ بھارتی حکومت کا یہ واویلا صحیح معلوم ہونے لگا کہ پاک فضائیہ کے بمبار طیارے پہلے ہی فضا میں موجود تھے۔ انہوں نے انڈین ایئر فورس کو پہل کرنے کی مہلت نہ دی۔ یہی پاک فضائیہ کی کامیابی تھی ورنہ انڈین ایئر فورس کے پاس اتنے زیادہ طیارے تھے کہ وہ پہلے ہی ہلے میں ہمارے فضائی اڈوں کا صفایا کر جاتے اور پاک فوج کے لئے مصیبت بن جاتے۔

یہ اطلاع ملتے ہی کہ مغربی محاذ پر بھی جنگ شروع ہو گئی ہے، پاک فضائیہ کے بمبار اور لڑاکا بمبار طیارے اُڑے اور سرحد پار کر گئے۔ ٹارگیٹ پہلے سے ہی طے تھے۔ ہر ایک شاہباز نے نقشے پر اپنے ٹارگیٹ کا محلِ وقوع، فاصلہ اور نوعیت ذہن نشین کر رکھی تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاک فضائیہ تیار اور چوکس تھی۔ جنگ کے پہلے چھ گھنٹوں میں پاک فضائیہ کے باون (۵۲) طیاروں نے جن میں بمبار اور لڑاکا بمبار شامل تھے، بھارت کے تمام ہوائی اڈوں پر کامیاب بمباری کی۔ ان میں آگرہ، سرسہ، جودھپور، امرتسر، انبالہ، آدم پور، پٹھانکوٹ، آدنی پور، سرینگر، فریدکوٹ، جام نگر، جیسلمیر، ہلواڑہ، بیکانیر، اور اُترلائی شامل ہیں۔

ان تمام حملوں کو الگ الگ بیان کرنا ضروری معلوم نہیں ہوتا کیونکہ تمام حملوں کی تفصیلات تقریباً ایک جیسی ہیں۔ ہم ہر ایک حملے کے قائد کے تاثرات اُسی کی زبانی آپ کو سنا دیتے ہیں۔

آگرہ

سب سے زیادہ دُور ٹارگیٹ آگرہ تھا۔ بھارتیوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ پاکستانی اتنی دُور اندر آ کر بمباری کر جائیں گے۔ یہاں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ بمبار طیارہ کسی دُور دراز مقام تک جا کر واپس آ سکتا ہے، بشرطیکہ اسے سیدھا لے جایا اور واپس لایا جائے۔ گھما پھرا کر راستہ لمبا نہ کیا جائے، مگر جنگی پرواز میں دشمن ناک کی سیدھ میں اُڑنے نہیں دیا کرتا۔ پہلے تو بمبار کو ٹارگیٹ پر کئی ایک بار غوطے میں جا کر بم گرانے ہوتے ہیں۔ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ ہر چکر میں بم گرا سکے کیونکہ طیارہ شکن توپیں بھی اس پر فائر کر رہی ہوتی ہیں۔ رات کے وقت یہ دشواری ہوتی ہے کہ ٹارگیٹ ڈھونڈنا پڑتا ہے۔ لہٰذا اسے خاصی دیر ٹارگیٹ پر اُڑنا پڑتا

ہے۔ اگر دشمن کے لڑاکا طیارے فضا میں ہوں تو وہ اسے مار گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ فضائی معرکے میں اس کا بہت سا تیل خرچ ہو جاتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا تیل بالکل ہی ختم ہو جائے اور وہ واپس اپنے اڈے تک پہنچ ہی نہ سکے۔ یہی وہ خطرے ہوتے ہیں جن کے پیشِ نظر طیاروں کو آگرہ جیسے دُور ٹارگیٹ پر بھیجنے سے گریز کیا جاتا ہے، مگر پاک فضائیہ نے ملک و ملت کی سلامتی کی خاطر یہ خطرہ مول لیا اور بمبار آگرہ تک چلے گئے۔

بمباری کی جو پرواز آگرہ کا ہوائی اڈہ تباہ کرنے گئی تھی اس کے قائد ونگ کمانڈر محمد یونس تھے۔ قارئین کو یاد ہو گا۔ ۱۹۵۹ء کی عید الفطر کی صبح انڈین ایئر فورس کا ایک کینبرا بمبار طیارہ پاکستان کی فضا میں آ گیا تھا۔ لوگ عید کی نماز پڑھ رہے تھے۔ طیارے کے ہوا باز کو ہمارے ایک ہوائی اڈے سے وائرلیس سے للکارا گیا تو وہ واپس جانے یا یہ کہنے کی بجائے کہ وہ غلطی سے آ گیا ہے اور اندر آ گیا حتیٰ کہ راولپنڈی کے اُوپر چلا گیا۔ ہمارا ایک شاہباز سیبر طیارے میں اُڑا اور بھارتی کینبرا کو فضا میں للکارا۔ بھارتی ہوا باز کی اُڑان کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ کینبرا کے مقابلے میں سیبر کو کچھ بھی نہیں سمجھتا۔ آخر ہمارے شاہباز نے اُسے شست میں لے کر مشین گنیں فائر کر دیں اور اُسے مار گرایا۔ راولپنڈی اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں نے بھارتی طیارے کو دھوئیں کی لپیٹ میں گرتے اور ہوا باز کو پیراشوٹ کے ذریعے اُترتے دیکھا۔ عید کے روز یہ تماشہ زیادہ ہی دلچسپ معلوم ہو رہا تھا۔

وہ شاہباز جس نے سیبر سے کینبرا کو گرایا تھا، محمد یونس تھا۔ بارہ سال بعد ونگ کمانڈر محمد یونس آگرہ کی سمت جا رہا تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی۔ چاندنی پھیکی پھیکی سی تھی۔ ونگ کمانڈر محمد یونس

کی فارمیشن بہت کم بلندی پر بھارت کی فضا میں اُڑی جا رہی تھی۔ بھارت کے عوام انہیں شاید اپنے طیارے سمجھ رہے ہوں گے۔ وہ اس قدر کم بلندی پر جا رہے تھے جہاں سے انہیں بھارت کے جدید ریڈار نہیں دیکھ سکتے تھے۔ ونگ کمانڈر محمد یونس دشمن کو بے خبری میں جالینا چاہتے تھے اور وہ آگرہ کی فضا میں داخل ہونے تک دشمن کے لئے ناگہانی آفت بننے میں کامیاب رہے۔ انہیں دُور سے تاج محل نظر آنے لگا۔ مُغلوں کے دَور کی مَرمَر کی رومان انگیز سپیدی ہلکی ہلکی چاندنی میں چمک رہی تھی۔ بلندی کم ہونے کی وجہ سے تاج محل انہیں اچھی طرح نظر آ رہا تھا۔

ونگ کمانڈر محمد یونس اپنے اُس وقت کے تاثرات جب انہیں تاج محل نظر آیا، ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں — "مجھے جب طلسماتی سی چاندنی میں پُرعظمت تاج محل نظر آیا تو میرے دل کی حرکت ایک ثانیے کے لئے رُک سی گئی۔ جھلمل کرتی چاندنی کے سائے مَرمَر کے میناروں پر رقص کر رہے تھے۔ میں مسلمانوں کے عظیم ماضی میں کھو چلا تھا۔ میرا ذہن اُس دَور کو یاد کرنے لگا جب ہمارے آباؤ اجداد نے یہاں تاج محل جیسی پُرشکوہ یادگاریں تعمیر کی تھیں۔ آج وہ سرزمین ہماری دشمن ہو گئی تھی جہاں ہماری عظمت نے کبھی راج کیا تھا۔۔۔۔ تاج محل نے مجھ پر طلسم طاری کر دیا تھا لیکن میں نے اپنے ذہن کو اس طلسم سے نکال لیا۔ میں کسی اور مشن پر آگرے آیا تھا — اپنے آباؤ اجداد کی عظمت کے تحفظ کی خاطر میں بڑے ہی خطرناک مشن پر آیا تھا۔ یادوں میں اُلجھنے کا وقت نہیں تھا۔۔

"ہم آگرے تک بڑا طویل اور کٹھن سفر طے کر کے پہنچے تھے۔ راستے میں کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ وائرلیس پر ہمیں خاموشی برقرار رکھنی تھی۔ ہمیں ایک دوسرے کے طیارے کو نظر سے دیکھنا تھا۔ ہم ایک دوسرے

کو بلا نہیں سکتے تھے تاکہ دشمن کا کوئی وائرلیس سیٹ سُن نہ لے۔۔۔۔ ہم اپنے اس مقصد میں کامیاب تھے کہ دشمن کو بے خبری میں جالیں گے۔ دشمن بے خبر تھا۔ آگرہ کے ہوائی اڈے کے رَن وے کے دونوں طرف بتّیاں جل رہی تھیں۔ کسی ایک بھی طیارہ شکن گن نے فائر نہ کیا۔"

کوئی طیارہ شکن گن فائر کرتی بھی کیسے! بھارتیوں کو توقع ہی نہیں تھی کہ پاکستانی اتنی دُور تک بمباری کے لئے پہنچ جائیں گے۔ آگرہ کو بھارتی پاک فضائیہ کی دسترس سے بہت دُور سمجھتے تھے اسی لئے اُنہوں نے انڈین ایئر فورس کا بمبار ونگ آگرے میں رکھا تھا۔ وہاں اور بھی بہت کچھ تھا۔ آگرہ دراصل انڈین ایئر فورس کا اعصابی مرکز تھا مگر آگرہ کے رن وے کی بتّیاں جل رہی تھیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بھارتی آگرے کو پاک فضائیہ سے پوری طرح محفوظ سمجھتے تھے مگر ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کی شام پاک فضائیہ کے شاہباز بھارتیوں کی توقعات کا مذاق اُڑا رہے تھے۔

ونگ کمانڈر محمد یونس نے اپنے شاہبازوں کو وائرلیس پر ٹارگیٹ بتاتے ہوئے خاموشی کو توڑا اور اپنے طیارے کو حملے کے لئے اُوپر کھینچا۔ طیارہ تیر کی طرح اُوپر گیا اور مطلوبہ بلندی پر جا کر اڈے کی طرف گھوما۔ پھر بھی کسی طیارہ شکن گن نے فائر نہ کیا۔ انڈین ایئر فورس کے اعصابی مرکز والے بھارتی ہمارے طیاروں کو اپنے ہی کسی سکواڈرن کے طیارے سمجھ رہے ہوں گے۔ جب ونگ کمانڈر محمد یونس کے بموں کی پہلی کھیپ رَن وے کے درمیان پڑی اور دھماکوں سے سارا آگرہ ہل گیا تو بھارتی خوش فہمیوں سے نکل آئے۔ بتّیاں گل ہو گئیں اور طیارہ شکن مشین گنوں اور توپوں کے دہانے کھل گئے لیکن ہمارے شاہبازوں کو یہ بے ہنگم فائر ٹارگیٹ سے ہٹا نہ سکا۔

فائر بہت زیادہ تھا۔ فضا میں ٹریسر ایمونیشن کی گولیوں کی لکیروں نے جال تن دیا تھا اور بڑی گنوں کے پھٹتے گولوں کے مرغولوں سے فضا بھرتی جا رہی تھی۔ دوسرے غوطے میں سکواڈرن لیڈر مظہر آئے۔ فائر نے ان کا راستہ روک رکھا تھا۔ مظہر فائر میں چلے گئے اور پورے اطمینان سے بم گرا دیئے۔ ونگ کمانڈر یونس باقی بم گرانے کے لئے گئے۔ اب نیچے مکمل بلیک آؤٹ تھا۔ انہوں نے فائر کی شدت کی پروا نہ کرتے ہوئے بم گرا دیئے۔

سکواڈرن لیڈر مظہر بم گرا چکے تو دونوں نے واپسی کا رُخ کر لیا۔ مظہر کہتے ہیں —"ہم جب واپس آ رہے تھے تو دشمن کا ایک طیارہ ہمارے تعاقب میں آ رہا تھا۔ ہم بہت کم بلندی پر اُڑے جا رہے تھے۔ دشمن کا طیارہ میرے تعاقب میں تھا۔ میں اپنے طیارے کو اِدھر اُدھر کر کے اُسے دھوکہ دیتا رہا۔ وہ اِتنا قریب نہ آ سکا جہاں سے وہ مجھے شست میں لے سکتا۔ پاکستان میں داخل ہونے تک وہ میرے پیچھے رہا۔ آخر وہ واپس چلا گیا۔ میں نے سکون کا سانس لیا مگر اپنے اڈے پر پہنچا تو ایک اور مشکل کا سامنا ہوا۔ ہمارے اڈے پر دشمن کا ہوائی حملہ آ رہا تھا۔ ریڈار نے قبل از وقت اطلاع دے دی تھی۔ ونگ کمانڈر یونس تو اُتر گئے میں ابھی دُور تھا۔ اڈے پر پہنچا تو اپنی طیارہ شکن گنوں نے میرا استقبال کیا۔ وہ مجھے دشمن سمجھ رہے تھے۔ میرے طیارے میں کچھ گولیاں لگیں۔ خوش قسمتی سے کوئی نقصان نہ ہوا۔ میں نے طیارہ خیریت سے اُتار لیا۔ طیارے کو اپنے گنروں کی گولیوں سے معمولی سا نقصان پہنچا تھا۔"

سرسہ

جب ونگ کمانڈر محمد یونس اور سکواڈرن لیڈر مظہر آگرہ میں انڈین

ایئر فورس کے اعصابی مرکز کو تباہ کر رہے تھے، پاک فضائیہ کے طیارے بھارت کے دوسرے ہوائی اڈوں پر بمباری کر رہے تھے۔ یہ بمباری چھ گھنٹوں تک جاری رکھی گئی تھی۔ سرسہ کے ہوائی اڈے پر سب سے آخر میں حملہ کیا گیا تھا اور یہ پہلے چھ گھنٹوں کی ضرب کاری کی آخری کڑی تھی — سرسہ بھٹنڈہ سے پینتیس میل دُور انڈین ایئر فورس کا ایک بڑا اڈہ ہے۔

بمباری کے اس مشن کے قائد سکواڈرن لیڈر علوی تھے۔ وہ جب سرسہ کے لئے روانہ ہوئے تو رات آدھی گزر گئی تھی۔ چاند اُفق کے پیچھے غائب ہو گیا تھا۔ سکواڈرن لیڈر علوی اپنے مشن کی کارروائی اِن الفاظ میں سُناتے ہیں —"چاند چھپ جانے سے رات تاریک ہو گئی تھی۔ ہم سرسہ تک پہنچ گئے مگر تاریکی میں ہوائی اڈہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ آلات یہی بتا رہے تھے کہ ہم ٹارگیٹ کے اُوپر ہیں لیکن اندھیرے میں اڈے کی نشاندہی نہیں ہو رہی تھی۔ ہم کچھ دیر اُڑتے اور نیچے دیکھتے رہے تاکہ کوئی ایسا نشان نظر آ جائے جو سرسہ کی سمت دکھا دے یا نشاندہی کر دے....

"میرا نیوی گیٹر فلائٹ لفٹننٹ علی وائرلیس پر چلّا اُٹھا — وہ دیکھو ایک ریل گاڑی سامنے کی بتّی جلائے بھٹنڈہ سے سرسہ کی طرف جا رہی ہے"— میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اُس کی ذاتِ باری نے بھارتیوں کو اتنی سی عقل نہیں دی کہ جنگ چھیڑ کر گاڑی کے انجن کی بتیاں جلا کر چل رہے ہیں۔ میں نے گاڑی کے رُخ کے مطابق طیارے کا رُخ سرسہ کی طرف کر دیا۔ وہاں پہنچ کر بھی اڈہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ گھُپ اندھیرا تھا۔ طیارے کو اور نیچے لے جا کر اور آنکھیں سکیڑ سکیڑ کر دیکھنے سے مجھے رَن وے نظر آ گیا۔ اُس وقت تک طیارہ شکن گنیں خاموش تھیں۔ میں طیارے کو بم

گرانے کے لئے لے گیا اور بٹن دبایا ہی تھا کہ تمام طیارہ شکن گنیں بیدار ہو گئیں۔ فضا کا کوئی ایک انچ بھی محفوظ نہ رہا۔ میں دوسرے حملے کے لئے آیا۔ اب کے بم گرا کر خیریت سے گزر جانا ممکن نہ تھا لیکن اسی آگ میں سے گزر کر مجھے اپنے وطن کا دفاع کرنا تھا۔ میں نے اللہ کو یاد کر کے پورے تحمل سے طیارے کو بمباری کے زاویے پر رکھا اور بم گرا دیئے....

"اللہ نے بہت مدد کی۔ میں نے جب بلندی پر جا کر نیچے دیکھا تو کئی جگہوں سے شعلے اٹھ رہے تھے۔ میری بمباری تاریکی کے باوجود کامیاب تھی۔ طیارہ شکن گنوں نے سرسہ کی فضا کو جہنم بنا رکھا تھا۔ میں کامیاب حملے کے بعد طیارے کو وہاں سے نکال لایا۔ ابھی واپس جانے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ مجھے اُس ریل گاڑی کا خیال آ گیا جو سرسہ کی طرف جا رہی تھی اور جس کے انجن کی بتی نے مجھے سرسہ کی سمت دکھائی تھی۔

میں نے سوچا کہ وہ یقیناً مال گاڑی تھی۔ اب تک سرسہ پہنچ چکی ہو گی۔ یہ میرے مشن میں شامل نہیں تھی لیکن جنگ میں مال گاڑی کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ میں نے بلندی کم کر دی اور ریلوے سٹیشن کے اُوپر چلا گیا۔ گاڑی سٹیشن پر کھڑی تھی۔ اب اس کی بتی بجھی ہوئی تھی۔ مجھے اس کا ہیولا نظر آیا۔ میرے پاس اب بم تو کوئی نہیں تھا مشین گنیں بھری ہوئی تھیں۔ میں نے گاڑی پر مشین گنیں فائر کیں اور واپس آ گیا۔"

سکواڈرن لیڈر علوی بتاتے ہیں کہ ایک بھارتی ہواباز کو جنگ کے دوران پکڑ لیا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ جب سکواڈرن لیڈر علوی نے سرسہ کے ہوائی اڈے پر بمباری کی وہ اسی اڈے پر تھا۔ اس نے کہا — "بموں نے رن وے پر گہرے گڑھے بنا دیئے تھے اور وائرلیس کا سارا نظام تباہ ہو گیا تھا۔ صبح کے وقت ہمارا کمانڈنگ آفیسر ہم سب ہوابازوں

کو رن وے پر لے گیا اور ہمیں گڑھے دکھا کر کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم بھی پاکستان کے ہوائی اڈوں کا یہی حشر کرو۔"

قارئین کرام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ضروری نہیں ہوتا کہ ہوائی اڈے پر طیارے ہی تباہ کئے جائیں۔ اگر تمام طیارے سلامت رہیں اور صرف رن وے پر بم گرا کر گڑھے پیدا کر دیئے جائیں تو تمام طیارے بیکار ہو جاتے ہیں۔ وہ کم از کم تین دن تک اُڑ نہیں سکتے۔ رن وے اُس چوڑی سڑک کو کہتے ہیں جس پر طیارے دوڑ کر فضا میں بلند ہوتے ہیں۔ ان کا گڑھوں کو بھرا جاتا ہے لیکن لڑاکا طیارے بھیج کر مرمت پارٹیوں پر مشین گنیں فائر کی جاتی ہیں اور بم گرا کر گڑھوں میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ ڈھاکہ میں ہمارے طیارے تباہ نہیں ہوئے تھے لیکن وہ محض بیکار تھے کیونکہ بھارتی ہوابازوں نے رن وے تباہ کر دیئے تھے۔ بھارتی ہوائی اڈوں پر جو پہلی بمباری کی گئی تھی اس سے زیادہ تر نقصان رن وے کو پہنچایا گیا تھا۔ اس سے انڈین ایئر فورس اپنی پوری طاقت کا نصف بھی مغربی پاکستان پر استعمال نہیں کر سکی تھی۔

جودھ پور

۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کی رات کے ابتدائی حصے میں بمباری کی ایک پرواز جودھ پور کا اڈہ تباہ کرنے کے لئے بھیجی گئی۔ اس پرواز کے قائد سکواڈرن لیڈر منصور تھے۔ جب وہ ٹارگیٹ پر پہنچے تو چاند ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ سکواڈرن لیڈر منصور سناتے ہیں — "حسب معمول ہماری بلندی بہت کم تھی۔ چاندنی اتنی تھی کہ اس بلندی سے ہمیں زمین کے خدوخال نظر آ رہے تھے۔ ٹارگیٹ سے ہم نصف منٹ دُور تھے کہ میرے نیوی گیٹر نے مجھے جودھ پور کے ہوائی اڈے کا رن وے دکھایا جو صاف

نظر آرہا تھا۔ یہاں تک کہ طیاروں کو رکھنے کی جگہیں بھی صاف نظر آرہی تھیں جنہیں پَین کہتے ہیں۔ بمباری کے لئے ٹارگیٹ کا یہ اہتمام نہایت اچھا تھا۔ میں رَن وے پر گیا اور بم گرادیئے جو رَن وے پر ہی گرے۔ جونہی بم پھٹے طیارہ شکن گنوں نے بے ہنگم فائر کھول دیا لیکن بیکار تھا۔

بم گرائے جا چکے تھے۔ جو تباہی ہونی تھی ہو چکی تھی اور ہم طیارہ شکن گنوں کی زد سے نکل کر واپس آرہے تھے....

"ہماری بلندی کم تھی۔ پیچھے دیکھا تو ایک صحرائی راستے پر مجھے کم و بیش چالیس فوجی ٹرک سرحد کی طرف جاتے نظر آئے۔ نہایت خوبصورت ٹارگیٹ تھا۔ اسے چھوڑا نہیں جا سکتا تھا۔ ہم نے ان پر جھپٹا مارا اور مشین گنوں سے ایک بھی گاڑی سلامت نہ چھوڑی۔ بہت سی جلنے لگی تھیں۔"

ہلواڑہ

جالندھر سے چالیس میل جنوب میں ہلواڑہ کا ہوائی اڈہ ہے۔ جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء کے دوران ہلواڑہ کا ذکر اتنا زیادہ ہوتا رہا تھا کہ ہلواڑہ تباہی کے معنوں میں استعمال ہونے لگا تھا۔ مثلاً "ہمارے طیاروں نے دشمن کے اتنے طیاروں کا ہلواڑہ کر دیا ہے"۔ ہلواڑہ کو اس لئے بھی تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی ہے کہ سکواڈرن لیڈر سرفراز احمد رفیقی اور فلائٹ لفٹننٹ یونس حسن ہلواڑہ کی فضا میں شہید ہوئے تھے۔ ان کے تیسرے ساتھی فلائٹ لفٹننٹ (اب سکواڈرن لیڈر) سیسل چوہدری نے اکیلے آٹھ بھارتی طیاروں سے مقابلہ کیا تھا۔ تینوں کا مقابلہ چودہ طیاروں سے تھا جن میں سے تینوں نے چھ طیارے مار لئے تھے۔

۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کی شام ہلواڑہ پر بمباری کی گئی۔ پرواز کے قائد سکواڈرن لیڈر باسط تھے۔ انہوں نے بمباری کے اس پہلے مشن کی

روئیداد مختصر ترین الفاظ میں یوں سنائی ۔۔"ہمیں ٹارگیٹ پر ساڑھے آٹھ بجے پہنچنا تھا۔ دشمن کے ریڈار سے بچنے کے لئے ہم زمین کے ساتھ ساتھ اُڑتے گئے تھے۔ ایک خاص مقام تک پہنچ کر ہم نے ہلواڑہ کا کورس سیٹ کر لیا۔ آلات اور اندازے کے مطابق ہم ٹارگیٹ پر پہنچ گئے مگر ٹارگیٹ کے خدوخال بالکل ہی نظر نہیں آتے تھے۔ رَن وے کو کاموفلاج کر دیا گیا تھا یعنی اس کا رنگ زمین جیسا تھا جس سے یہ نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے اندازے کے مطابق طیارے کو اور نیچے کر لیا حالانکہ اس کی بلندی پہلے ہی بہت کم تھی۔"

سکواڈرن لیڈر باسط کی جرأت کی یہ انتہا تھی کہ وہ رات کے وقت طیارے کو اتنی کم بلندی تک لے گئے تھے جہاں سے وہ رَن وے کو دیکھنا چاہتے تھے۔ زمین سے ٹکرانے کے علاوہ کسی اونچی عمارت یا وائرلیس ٹرانسمٹرز کے بلند کھمبوں سے ٹکرانے کا خطرہ بھی تھا اور سب سے بڑا خطرہ تو یہ تھا کہ اتنی کم بلندی پر طیارہ شکن گنیں انہیں آسانی سے زد میں لے سکتی تھیں لیکن یہ فرض شناسی کا بڑا ہی دلیرانہ مظاہرہ تھا جو سکواڈرن لیڈر باسط نے کیا۔

"طیارہ شکن گنیں بالکل خاموش تھیں"۔ سکواڈرن لیڈر باسط نے کہا۔۔"دشمن کی اس خاموشی کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ مجھے گمراہ کیا جائے۔ ایک بھی گولی فائر ہوتی تو مجھے یقین ہو جاتا کہ میں ہلواڑہ کے اڈے پر ہوں۔ میں نے واپسی کا رُخ کیا اور طیارے کو اس جگہ تک لے آیا جہاں سے ہم نے ہلواڑہ کا کورس سیٹ کیا تھا۔ وہاں سے میرے نیوی گیٹر سکواڈرن لیڈر غلام احمد خان نے از سرِ نو ہلواڑہ کا کورس سیٹ کیا۔ اب کے ہم ٹارگیٹ پر پہنچے تو سکواڈرن لیڈر غلام احمد کو ہلواڑہ کے اڈے کے دھندلے دھندلے خدوخال نظر آ گئے۔ میں طیارے کو بمباری کے لئے آگے لے

گیا۔ طیارہ شکن گنیں اب بھی خاموش تھیں مگر اب دشمن ہمیں نہیں بلکہ ہم دشمن کو دھوکہ دے رہے تھے۔ گنیں خاموش رہیں اور میرے بموں نے اڈے کے دونوں رَن وے کے درمیان جہاں رَن وے ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں، پھٹ کر دونوں رَن وے بیکار کر دیئے۔ ہم نے بمباری ختم کی اور واپس آ گئے۔"

انبالہ

بمباری کی جو پرواز انبالہ بھیجی گئی اس کے قائد وِنگ کمانڈر رئیس احمد رفیع تھے۔ انہیں جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء میں فضائی جنگ میں خصوصی جرأت کے صِلے میں ستارۂ جرأت دیا گیا تھا۔ اُس جنگ کے دوران بھی وہ انبالہ پر بمباری کے لئے گئے تھے۔ جنگِ دسمبر ۱۹۷۱ء کی پہلی فضائی ضرب کے لئے بھی انہیں انبالہ ہوائی اڈے کا ٹارگیٹ دیا گیا۔ ان کے ساتھ دوسرا بمبار طیارہ وِنگ کمانڈر رفیروز اُڑا رہے تھے۔

وِنگ کمانڈر رئیس احمد رفیع نے اپنے بمباری کے مشن کے متعلق سنایا — "انبالے تک ہم خاموشی سے اور بغیر کسی رکاوٹ کے پہنچ گئے۔

بلندی بہت کم رکھی۔ انبالہ پہنچے تو سارے شہر کو بلیک آؤٹ کی تاریکی میں گُم پایا۔ انبالے کے متعلق ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھی سُنا تھا کہ وہاں میزائل ہیں۔ اب بھی میزائیلوں کا خطرہ تھا۔ میں جب ٹارگیٹ پر پہنچا تو میری نظریں بار بار اُفق کو کھوج رہی تھیں کہ کوئی میزائل تو نہیں آ رہا۔ مجھے رَن وے نظر نہیں آ رہا تھا۔ طیارہ شکن گنیں خاموش تھیں۔ نیچے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک طیارہ شکن گنیں پھٹ پڑیں۔ بڑا ہی ظالم فائر تھا۔ اس سے مجھے یہ فائدہ ہُوا کہ ٹارگیٹ کی نشاندہی ہو گئی۔ میں نے آنکھیں سکیڑ کر دیکھا تو مجھے رَن وے نظر آنے لگا۔ میں رَن وے سے ذرا دائیں طرف تھا۔ طیارہ شکن فائر کا

یہ عالم تھا کہ گولیوں کی بوچھاڑیں زناٹوں سے میرے قریب سے گزر رہی تھیں اور توپوں کے گولے میرے اِرد گِرد پھٹ کر طیارے کو جھنجھوڑ رہے تھے....

"میں نے ایسے ظالمانہ اور بے رحم فائر میں طیارے کو دُور لے جا کر نہیں بلکہ وہیں سے پیچھے کو موڑ دیا اور رن وے کی سیدھ پر ہو گیا۔ میں نے کم بلندی سے ہی بم گرا دیئے اور مجھے مار گرانے کے لئے گنوں نے فائر میں مزید شدّت پیدا کر دی۔ میں دوسرے حملے کے لئے آیا تو بلندی بہت ہی کم کر دی۔ میں اب پہلے سے بھی کم بلندی کی بمباری کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بم گراتے اور طیارے کو اپنے بموں کے دھماکوں سے بچانے کے لئے اُوپر کھینچا۔ بم پھٹے تو دھماکے کے شدید دھکے نے میرے طیارے کو جھنجھوڑ ڈالا۔"

وِنگ کمانڈر رفیروز نے بھی اپنے لیڈر کی طرح ایسے بے پناہ طیارہ شکن فائر میں جا کر بم گرائے اور دونوں نے انبالہ کے ہوائی اڈے کو طیاروں کے لئے بے کار کر دیا۔ واپسی کے وقت وِنگ کمانڈر رفیع کو کچھ ٹرک نظر آئے جو انبالہ کی طرف جا رہے تھے۔ انہوں نے ان ٹرکوں پر مشین گن فائرنگ کی اور سبھی ٹرک شعلوں میں تبدیل ہو گئے۔

امرتسر

سرحد سے سب سے زیادہ قریب بھارتی اڈہ امرتسر ہے اور یہ بھی ایک مستحکم اور بڑا فضائی اڈہ ہے۔ جنگ شروع ہوتے ہی پاک فضائیہ کے میراج اور سٹار فائٹر F-104 طیارے اس اڈے پر ٹوٹ پڑے تھے۔ یہ اڈہ لاہور کے دفاع کے لئے اور ہمارے قریبی ہوائی اڈوں کے لئے خاصا بڑا خطرہ تھا۔ جونہی بھارتی فوج نے پہلی گولی

فائر کی۔ پاک فضائیہ کے میراج اور سٹار فائٹر اُڑے اور امرتسر کے فضائی مرکز کو راکٹوں اور مشین گنوں سے مفلوج کر دیا۔ ان کے بعد وہاں کے رن وے اور دیگر تنصیبات کو پوری طرح بے کار کرنے کے لئے وزنی بمباری کی ضرورت محسوس کی گئی۔

بمباری کے لئے فلائٹ لفٹننٹ جاوید اقبال گئے۔ ان کے نیوی گیٹر فلائٹ لفٹننٹ ملک تھے۔ یہ دونوں شاہباز اپنے مشن کی روئیداد سنانے کے لئے ہم میں موجود نہیں۔ اسی قدر وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کا بمباری کا یہ مشن کامیاب تھا۔ جنگ کے دوران دونوں اکٹھے ایک اور مشن پر گئے اور واپس نہیں آسکے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں اور کس طرح گرے۔ اتنا یقین ضرور ہے کہ قید نہیں ہوئے۔ خیال ہے کہ شہید ہو گئے ہوں گے۔ دونوں کو تمغۂ جرأت دیا گیا ہے۔ فلائٹ لفٹننٹ جاوید اقبال کے اعزاز کے ساتھ جو سرکاری سند لکھی گئی ہے اس میں تحریر ہے ــــ "اس نے غیر معمولی جرأت، فرض شناسی اور جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ وہ سکواڈرن میں سب سے جونیئر ہوا باز تھا۔ وہ ہر ایک مشن پر رضاکارانہ طور پر جاتا تھا۔ اس نے اپنی جان کی پروا کبھی بھی نہ کی۔ اس کا یہ پُرجوش اور بے لوث رویّہ سکواڈرن کے ہر فرد کے لئے مثال تھا۔"

فلائٹ لفٹننٹ ملک کی سند میں لکھا گیا ــــ "وہ ایک قابل اور منجھا ہوا بمبار نیوی گیٹر (راہنما) تھا۔ وہ دو بار دشمن کے ایسے ہوائی اڈوں پر بمباری کے لئے گیا جن کا دفاع بہت ہی سخت اور حملہ آوروں کے لئے تباہ کن تھا۔ اس نے جان کی پروا نہ کرتے ہوئے غیر معمولی حوصلے اور جرأت سے بمباری کے مشن پورے کئے۔"

بیکانیر، اُترلائی، جام نگر

سکواڈرن لیڈر بہار الحق جنہوں نے بعد میں بھارتی نیوی کے ایک بہت اہم اڈے اوکھا پر نہایت کامیاب بمباری کی تھی، جنگ کی پہلی شام بیکانیر کے اڈے پر بمباری کی۔

اُترلائی کا اڈہ ونگ کمانڈر اختر بخاری کے حصے میں آیا۔ انہوں نے وہاں اتنی تباہی مچائی کہ اڈہ کچھ دنوں کے لئے بیکار ہو گیا جس سے انڈین ایئر فورس کا یہ بازو مفلوج رہا۔

جام نگر ایک اور مضبوط اور اہم بھارتی ہوائی اڈہ ہے۔ جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء میں اسے بھی بہت شہرت ملی تھی۔ کراچی کے بحری اور فضائی اڈوں کے لئے جام نگر بہت بڑا خطرہ تھا۔ وہاں سے ہمارے بحری جنگی جہازوں کو بھی زد میں لیا جا سکتا تھا۔ اپنی بحریہ کا راستہ صاف کرنے کے لئے جام نگر کو بیکار کرنا اور فوراً بیکار کرنا ضروری تھا۔ کاٹھیاواڑ کے ساحل پر واقع اس اڈے پر پہلی بمباری کے لئے جو پرواز گئی، اس کے قائد فلائٹ لفٹننٹ اعجاز سید تھے۔ انہوں نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کئے ــــ "میں جب کاٹھیاواڑ کی فضا میں پہنچا تو میں زمین کے ساتھ ساتھ اُڑ رہا تھا۔ اس خطے کا حسن مجھے مسحور کرنے لگا۔ میں نے اڈہ دیکھنے کے لئے اس علاقے پر ایک دو چکر لگائے۔ چاندنی میں مجھے رن وے صاف نظر آنے لگے۔ میں نے طیارے کا رُخ اُدھر کیا اور حملے کے لئے طیارے کو بلندی پر کھینچا۔ طیارہ شکن گنوں نے قیامت بپا کر دی۔ ہم اسی آگ کے جال میں سے گزرے اور بم گراتے چلے گئے۔ ہمارے کچھ بم تیل پٹرول کے ذخیرے میں گرے۔ لال رنگ کے شعلے دُور اُوپر تک آئے اور جب آگ ارد گرد پھیل رہی تھی تو ہم واپس آ گئے۔"

لڑاکا بمباروں کا پہلا حملہ

یہ تو بمبار طیاروں B-57 کے حملے تھے۔ ان کے علاوہ لڑاکا بمبار طیاروں نے بھی پہلی فضائی ضرب میں حصہ لیا۔ ان میں میراج، سٹار فائٹر (ایف ۱۰۴) اور سیبر شامل تھے جن کی تعداد بتیس (۳۲) تھی۔ انہوں نے آدم پور، پٹھانکوٹ، سری نگر، اونتی پور، فرید کوٹ اور امرتسر کو نشانہ بنایا۔

امرتسر

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، امرتسر کا ہوائی اڈہ مغربی سرحد کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے بہت ہی خطرناک تھا۔ یہ چونکہ لڑاکا بمباروں کی زد میں آسانی سے لایا جا سکتا تھا اس لئے جنگ شروع ہوتے ہی میراج اور سٹار فائٹر اس اڈے پر جھپٹ پڑے۔ ہم صرف ایک حملے کے قائد کے تاثرات بیان کریں گے۔

میراج طیاروں کی جو فارمیشن حملے کے لئے گئی اس کے قائد ونگ کمانڈر حکیم اللہ تھے۔ انہوں نے اڈے کے بڑے رن وے میں گہرے اور وسیع گڑھے بنا کر اڈے کو بیکار کر دیا تھا۔ باقی تباہی دوسری پروازوں اور بعد میں بمبار طیاروں نے برپا کی تھی۔ ونگ کمانڈر حکیم اللہ اپنے الفاظ میں سناتے ہیں —"ہم درختوں کی بلندی تک اُڑتے امرتسر اڈے تک پہنچے۔ تارگیٹ تلاش کرنے میں کوئی دِقت پیش نہ آئی کیونکہ دشمن نے رن وے کی بتیاں جلا رکھی تھیں۔ بتیوں کو دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ تاہم دشمن بے خبر نہیں تھا۔ سات ہی منٹ پہلے ہمارے سٹار فائٹروں نے امرتسر کے ریڈار پر حملہ کیا تھا۔ ریڈار ہوائی اڈے سے دس میل دُور تھا۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے سٹار فائٹروں کا مقابلہ کرنے کے لئے اڈے سے کچھ لڑاکا طیارے چڑھائے

گئے تھے۔ انہیں اتارنے کے لئے رن وے کی بتیاں جلائی گئی تھیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ہمارے طیاروں کی آواز کو اپنے طیاروں کی آواز سمجھ کر انہوں نے بتیاں جلا دی ہوں۔ بہرحال بھارتیوں نے میرے لئے سہولت پیدا کر دی تھی....

"میں نے اپنے ہوابازوں کو تارگیٹ دکھا کر اپنا طیارہ حملے کے لئے بلندی پر کھینچا۔ میراج تیر کی طرح اُوپر گیا۔ مطلوبہ بلندی سے میں نے طیارے کو تیزی سے موڑا اور بم گرانے کے لئے بڑے رن وے کی سیدھ میں لے گیا۔ یکلخت رن وے کی بتیاں بجھ گئیں اور بے شمار طیارہ شکن مشین گنوں اور توپوں کے دہانوں سے شرارے چمکنے اور فضا کو بھرنے لگے۔ ٹریسر ایمونیشن کی لکیریں ڈراؤنی تھیں۔ میں نے ان سے نگاہیں پھیر کر تارگیٹ پر توجہ مرکوز کر لی۔ میں نے بم گرا دیئے اور طیارے کو اُوپر کھینچا۔ وہیں سے میں نے طیارہ دائیں کو جھکا دیا تاکہ اپنے بموں کو پھٹتا دیکھ سکوں۔ پہلے تو کچھ بھی نظر نہ آیا۔ فوراً ہی رن وے کے جنوبی سرے کی طرف شعلے اور گرد و غبار کی گھٹائیں اُوپر کو اٹھیں — میرے بم ضائع نہیں ہوئے تھے۔ میرے پیچھے فارمیشن کے دوسرے ہوابازوں نے بھی بم گرا دیئے تھے۔

فارغ ہو کر ہم امرتسر شہر کے اُوپر سے گزرے۔ جگہ جگہ طیارہ شکن گنیں لگی ہوئی تھیں جن کا اندھا دھند فائر ہمارا تعاقب کر رہا تھا۔ اُس وقت تک رات گہری ہو گئی تھی۔ میں نے اپنے ہوابازوں کو وائرلیس پر بلایا۔ نمبر تین اور نمبر چار سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا نہ وہ مجھے نظر آ رہے تھے۔ میں پریشان ہونے لگا۔ اڈے پر پہنچا تو یہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ تمام طیارے خیریت سے اپنے اڈے پر اُتر آئے ہیں۔"

پٹھانکوٹ

۲۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کے روز لاہور کی فضا میں ایک فضائی معرکہ لڑا گیا تھا جس میں دشمن کے دو طیارے گرا لئے گئے تھے۔ ایک طیارہ فلائٹ لفٹننٹ جیلانی نے گرایا تھا۔ دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ شروع ہوئی تو جیلانی ونگ کمانڈر تھے۔ ۳۔ دسمبر کی شام دشمن پر پہلی ضرب لگانے کے لئے انہیں پٹھانکوٹ کا ہوائی اڈہ دیا گیا۔ جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء میں پٹھانکوٹ کا اڈہ پاک فضائیہ کی اہمیت اور جرأت کی علامت بن گیا تھا۔ ہمارے آٹھ سیبر طیاروں نے اسی اڈے کو جنگ کے پہلے روز اس طرح تباہ کیا تھا کہ تمام مِگ ۲۱ طیاروں کو زمین پر ہی بھسم کر دیا تھا۔

ونگ کمانڈر جیلانی نے سنایا ــ "جوں ہی سورج غروب ہُوا ہم پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ دشمن کو بالکل ہی توقع نہیں تھی کہ ہم اس طرح اچانک اور اتنی جلدی وار کرنے کے لئے پہنچ جائیں گے۔ ہم نے حملے کے لئے طیارے بلندی پر کھینچے تو پٹھانکوٹ کا دفاع بیدار ہو گیا۔ زمین کا چپّہ چپّہ ہم پر آگ اُگل رہا تھا۔ ایسا بے پناہ فائر تھا کہ اس میں سے گزر جانا ممکن نظر نہیں آتا تھا۔ میں نے اسی فائر میں جا کر ٹارگیٹ پر بم گرا دیئے اور میرے پیچھے میرے تمام ہوابازوں نے طیارہ شکن فائر کو یکسر نظر انداز کر کے ٹھکانے پر بم گرائے۔ میری فارمیشن کے نمبر ۳، ونگ کمانڈر جی اے خان کو پہلی بار بم گرانے میں کوئی دشواری پیش آ گئی تھی۔ وہ ٹارگیٹ پر گئے۔ بم گرانے والا بٹن دبایا مگر بم نہ گرے۔ ہم سب بم گرا کر واپس آ رہے تھے۔ ونگ کمانڈر جی اے خان ایسے بے پناہ فائر میں ایک بار پھر چلے گئے۔ اب کے ان کے بم طیارے سے الگ ہو گئے۔ وہ بم گرا کر ہم سے آملے اور میری فارمیشن کے تمام طیارے خیریت سے اڈے پر اُتر آئے۔"

سرینگر، آدنتی پور

۲۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کے روز لاہور شہر کے اُوپر جو فضائی معرکہ لڑا گیا تھا اس میں سکواڈرن لیڈر شربت علی چنگیزی بھی تھے جو فارمیشن کے قائد تھے۔ اُنہوں نے بھی ایک طیارہ مار گرایا تھا۔ اب شربت علی چنگیزی ونگ کمانڈر تھے اور وہ ۱۲ سیبر طیاروں سے بیک وقت دو ہوائی اڈوں، سرینگر اور آدنتی پور پر حملے کے لئے جا رہے تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ وہ سرینگر ہوائی اڈے پر حملے کے لئے روانہ ہوئے تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ چار طیارے سرینگر کے لئے گئے اور آٹھ آدنتی پور کے لئے۔ سری نگر پہنچے تو روشنی اتنی کم ہو گئی تھی کہ اڈہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ بڑی اچھی طرح کاموفلاج کیا گیا تھا۔ شاہباز اڈے کے خدوخال کو پہچاننے کی کوشش کر رہے تھے کہ طیارہ شکن گنوں نے فائر کھول دیا۔ اس سے خطرہ تو پیدا ہو گیا لیکن اڈے کی نشاندہی ہو گئی۔ چاروں سیبر طیاروں نے باری باری ٹارگیٹ پر بم گرا دیئے۔

باقی آٹھ طیارے ونگ کمانڈر شربت علی چنگیزی کی قیادت میں آدنتی پور پر حملے کے لئے گئے۔ وہاں بھی طیارہ شکن فائر بہت ہی زیادہ تھا۔ ایک گولی ونگ کمانڈر چنگیزی کے طیارے کے سامنے والے حصّے میں لگی۔ سب نے پورے سکون اور تحمّل سے بم گرا دیئے اور بارہ کے بارہ طیارے اپنے اڈے پر واپس آ گئے۔

اِن حملوں کا حاصل کیا تھا؟

جنگ کے پہلے چھ گھنٹوں کے حملوں کا حاصل معلوم کرنے سے پہلے وہ دشواریاں اور خطرات دیکھئے جن کا سامنا ہمارے شاہبازوں کو ہُوا۔ جنگِ ستمبر میں ہمارے شاہبازوں نے بھارت کے جس اڈے پر بھی

حملہ کیا، وہاں انہیں زمین پر طیارے کھڑے نظر آتے جنہیں وہ تباہ کر آئے مگر جنگِ دسمبر میں بھارتی عبرت حاصل کر چکے تھے۔ اب انہوں نے طیارے کنکریٹ کے ایسے بنکروں میں رکھے ہوئے تھے جن پر راکٹ بھی بے اثر تھے۔ یہ بنکر دُور دُور بکھرے ہُوئے تھے۔ لہٰذا اب کسی طیارے کو زمین پر تباہ کرنا جنگِ ستمبر جتنا آسان نہ تھا۔ اس کے علاوہ بھارت کے ہر اڈے کا دفاع بے حد مضبوط اور تباہ کن تھا۔ ہر اڈے پر حملے کی اطلاع قبل از وقت دینے کے لئے جدید ریڈار سسٹم تھا۔ طیارہ شکن گنیں ریڈار سے چلتی تھیں۔ زمین سے فضا میں مار کرنے والے روسی میزائل الگ تھے اور اس دفاعی سسٹم کے علاوہ اڈوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ اب وہاں پندرہ بڑے اڈے تھے جن پر پاک فضائیہ کو مغربی پاکستان سے حملے کرنا اور انہیں بیکار کئے رکھنا تھا۔

ان دشواریوں اور خطرات کے باوجود زمین پر طیارے تباہ کئے گئے، گو تعداد کم تھی۔ البتہ دوسری کامیابی حاصل کی گئی، یعنی رَن وے اور دیگر تنصیبات جن میں ریڈیو اور ریڈار سسٹم اور تیل پٹرول کے ذخیرے بھی شامل تھے، تباہ کی گئیں۔ پھر ان اڈوں پر حملے جاری رکھے گئے تاکہ دشمن کو رَن وے کی مرمت کی مہلت نہ مِل سکے۔ پاک فضائیہ کی اس کامیابی کا ثبوت انڈین ایئر فورس کی ویسٹرن ایئر کمانڈ کے کمانڈر ایئر مارشل انجینئر کے ان الفاظ سے ملتا ہے جو اس نے ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کی صبح اپنی کمانڈ کو "آرڈر آف دی ڈے" کی صورت میں تحریر کر کے بھیجے تھے۔ اُس نے لکھا کہ انڈین ایئر فورس نے پندرہ دنوں کی جنگ میں تین ہزار جنگی پروازیں کی ہیں یعنی ایک دن میں دو سو پروازیں۔

یاد رہے کہ ایک طیارے کی ایک پرواز کو ایک سارٹی (پرواز) کہا جاتا ہے۔ اندازے کے مطابق انڈین ایئر فورس کے ان طیاروں کی تعداد چھ سو سے زیادہ تھی جو مغربی پاکستان کے لئے استعمال کی گئی تھی۔ اس حساب سے دو سو کی بجائے ہر روز بارہ سو یا کم از کم ایک ہزار پروازیں ہونی چاہئیں تھیں۔ صرف دو سو پروازوں تک انڈین ایئر فورس جسے دُنیا کی چوتھی بڑی ایئر فورس ہونے کا اعزاز حاصل ہے، کی سرگرمیوں کو محدود کر دینا پاک فضائیہ کی بہت بڑی کامیابی ہے جو رَن وے، ریڈار سٹیشن، ریڈیو سسٹم اور دیگر اہم تنصیبات پر تباہ کن حملے جاری رکھ کر حاصل کی گئی۔ یہ مشن ایسا تھا جس نے پاک فضائیہ کے بیشتر طیاروں کو مصروف رکھا۔ اگر یہ مشن کامیاب نہ ہوتا تو انڈین ایئر فورس کے حملوں کی تعداد بھیانک ہو جاتی۔

لندن کے مشہور اخبار "ٹائمز" میں اس کے وقائع نگار جان فرکر کا دونوں ملکوں کے طیاروں کی تعداد کے متعلق تجزیہ شائع ہُوا تھا جس میں انڈین ایئر فورس کے طیاروں کی تعداد ایک ہزار اور پاک فضائیہ کے طیاروں کی تعداد تقریباً دو سو بتائی گئی ہے۔ طاقت اور تعداد کے تناسب کو دیکھتے ہُوئے پاک فضائیہ کی کارکردگی کے اعداد و شمار بھی ملاحظہ فرمایئے۔ انڈین ایئر فورس کے طیاروں کی تعداد چھ سو سے کسی صورت کم نہ تھی جسے جان فرکر نے ایک ہزار بھی کہا ہے۔ اتنی زیادہ تعداد سے انڈین ایئر فورس نے تین ہزار پروازیں کیں۔ اس کے مقابلے میں پاک فضائیہ نے سرکاری ریکارڈ کے مطابق دو سو طیاروں سے دو ہزار نو سو چودہ جنگی پروازیں کیں، یعنی صرف چھیاسی پروازوں کا فرق ہے۔ گویا ہمارے پائلٹ فضا میں ہی رہے، آرام نہ کر سکے۔

دو ہفتوں کی جنگ میں انڈین ایئر فورس کو چھبیس طیاروں کے مقابلے میں ایک سو اکتالیس طیاروں کا نقصان پہنچایا گیا۔ اپنے جو چھبیس طیارے تباہ ہُوئے تھے، ان میں انڈین ایئر فورس نے تیرہ تباہ کئے تھے۔ ڈھاکہ ہوائی اڈے پر گیارہ طیارے پاک فضائیہ نے خود جلاتے اور دو اپنی

ہی گنوں کا نشانہ بن گئے۔ یہ اعداد و شمار پاک فضائیہ کے خلاف تمام شکوک رفع کر دیتے ہیں۔

☆

ڈھاکہ کی فضا میں

ــــــ غیر ملکی صحافیوں نے دیکھا اور سنایا

۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کے روز جب جنگ ملک کے دونوں حصوں میں پھیل گئی تو بھارتی ایئر فورس کے گیارہ سکواڈرن مشرقی پاکستان پر ٹوٹ پڑے۔ بھارتیوں کو معلوم تھا کہ وہاں پاکستان کا صرف ایک سکواڈرن اور ڈھاکہ کا صرف ایک ہی ہوائی اڈہ ہے جسے وہ ایس یو سیون، مگ ۲۱۔ اور ہنٹر طیاروں سے چند منٹوں میں نہیں تو چند گھنٹوں میں تباہ و برباد کر دیں گے لیکن پاک فضائیہ کے شاہینوں نے سیبر جیسے دقیانوسی اور سست رفتار سولہ طیاروں سے اپنے سے گیارہ گنا طاقتور اور برتر فضائی بیڑے کا مقابلہ اس حیران کن انداز سے کیا کہ دشمن ان کے صرف پانچ طیارے تباہ کر سکا جن میں سے ایک ہمارے اپنے ہی زمینی توپچیوں کی زد میں آگیا تھا۔ شاہبازوں نے فضائی معرکوں میں انڈین ایئر فورس کا جو حشر کیا وہ اُن غیر ملکی وقائع نگاروں کی زبانی سنیئے جو ڈھاکہ کے انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کی چھت پر کھڑے یہ تماشہ دیکھ رہے تھے۔

اس سوال کا جواب تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں دے سکتا کہ حکومتِ پاکستان نے مشرقی پاکستان میں صرف ایک ہوائی اڈہ کیوں بنایا؟ اور وہ بھی

اتنا چھوٹا جہاں صرف ایک سکواڈرن رکھا جا سکتا تھا۔ اس کی ذمہ داری پاک فضائیہ پر عائد نہیں ہوتی کیونکہ اڈے بنانا پاک فضائیہ کے فرائض میں شامل نہیں۔ اس سوال کا جواب ہمارے سابق حکمران دے سکتے ہیں جو دیکھ رہے تھے کہ بھارت مشرقی پاکستان کے مغرب میں، کلکتہ کے گرد و نواح میں اور مشرق میں آسام میں زیادہ سے زیادہ فضائی بیڑہ رکھنے کے لئے ہوائی اڈے بناتا چلا جا رہا ہے مگر ہمارے حکمرانوں نے وہاں ایک سے دوسرے سکواڈرن کے لئے جگہ پیدا نہ کی۔ اس کمی کو پاک فضائیہ کے شاہبازوں نے جذبے اور بے خوفی سے جس طرح پورا کرنے کی کوشش کی اس کا آنکھوں دیکھا حال غیر ملکی عینی شاہدوں سے سنیئے۔

بین الاقوامی خبر رساں ایجنسی "یونائیٹڈ انٹرنیشنل" کا نامہ نگار جوزف گیلوئے لکھتا ہے:

"ڈھاکہ ۴، دسمبر ۱۹۷۱ء ـــ آج مشرقی پاکستان میں پہلی فضائی جنگ میں سکور ۱۶-۲ ہے۔ بھارت کے سولہ اور پاکستان کے دو طیارے گرے۔ بھارتی بہت پیچھے ہیں....

"ڈھاکہ ہوائی اڈے سے دو میل دور انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کی چھت پر کھڑے بہت سے غیر ملکی نامہ نگاروں نے اپنی آنکھوں بھارت کے پانچ مگ اور ایس یو سیون شعلوں کی صورت میں نیچے آتے اور تباہ ہوتے دیکھے ہیں۔ ڈھاکہ کے شفاف آسمان میں فضائی معرکے لڑے جاتے رہے اور بھارت کے لڑاکا بمبار طیارے موجوں کی صورت میں ڈھاکہ کے ہوائی اڈے، پندرہ میل دور تیل پٹرول کے ذخیرے اور ایسو آئیل ریفائنری چٹاگانگ پر حملوں کے لئے آتے رہے۔ پاکستان کے زمینی طیارہ شکن توپچیوں نے بھارتیوں کا خوب شکار کھیلا ہے۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے آسمان کو اپنی گنوں کے لال گولوں اور پھٹتے گولوں کے دھوئیں کے مرغولوں سے

بھرے رکھا....

"ایک بھارتی ہواباز پیراشوٹ سے نکل آیا۔ زمین پر اترتے ہی شہریوں کا ایک بپھرا ہوا ہجوم اس پر ٹوٹ پڑا۔ پاک فوج نے مشکل سے اسے اس ہجوم کے قہر اور غضب سے بچایا اور اسے قید کر لیا....

"بھارت کی ایئر فورس کے حملے صبح تین بجے شروع ہو گئے تھے۔ انہوں نے بلندی سے بم گرائے جن کا نشانہ ہوائی اڈہ تھا لیکن بم اڈے سے کئی میل دور گرے۔ فی الواقع کئی میل دور....

"جونہی صبح کا اجالا نکھرا، پاکستان کے کوریا کی جنگ کے دور کے سست رفتار اور قدیم سیبر طیارے بھارت کے تیز اور جدید مگ ۲۱، ہنٹر اور ایس یو سیون طیاروں کے مقابلے میں فضا میں پہنچ گئے۔ بھارتی ہوابازوں نے پاکستانی طیاروں کو فضائی معرکوں میں الجھا لیا اور ہوائی اڈے پر راکٹ بھی فائر کرتے رہے جن سے گھاس کو آگ لگی، دو گاڑیاں زد میں آگئیں اور اقوامِ متحدہ کے دو چھوٹے چھوٹے طیارے جو ریلیف کام کے لئے کھڑے تھے تباہ ہو گئے۔

"بھارت کو اپنی ایئر فورس کے اس سکور کی بہت قیمت ادا کرنی پڑی۔ ڈھاکہ کا ہوائی اڈہ ابھی سلامت تھا....

"دنیا بھر کے ستر (۷۰) اخباری نمائندے اور غیر ملکی خبر رساں ایجنسیوں کے نامہ نگار ڈھاکہ میں جمع ہو چکے تھے کیونکہ مشرقی پاکستان تیزی سے جنگ کی لپیٹ میں آ رہا تھا۔ اب یہ ستر صحافی انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کی چھت پر بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔ بیرے وہیں چائے اور بیئر لا رہے تھے۔ ٹیلی ویژن کمپنیوں کے کیمرہ مین فضائی معرکوں اور بھارت کے جل جل کر گرتے ہوئے طیاروں کی فلمیں لے رہے تھے۔ فضا اور زمین دھماکوں سے لرز رہی تھی....

دیکھتے ہی دیکھتے بھارت کا ایک اور مگ ۲۱، ڈھاکہ کے اڈے کے رن وے پر گیا جیسے اتر رہا ہو مگر وہ گر رہا تھا اور جب وہ گرا تو ایک مہیب شعلہ

اور سیاہ دھوآں آسمان کی طرف اُٹھا . . . .

"دن کے پچھلے پہر پاک فوج کے افسر غیر ملکی صحافیوں کو ڈھاکہ ہوائی اڈے پر لے گئے جہاں انہوں نے اس مگ اور بھارت کے متعدد دوسرے طیّاروں کے جلے ہوئے ڈھانچے دکھائے۔ ہم یہ دیکھ ہی رہے تھے کہ بھارت کے دو مگ طیارے ایک اور حملے کے لئے آ گئے اور زنّاٹے سے ہمارے اُوپر سے گزر گئے۔ ہم سب نے یہ تماشا دیکھا کہ دو میں سے ایک مگ سیاہ دھوئیں کے بادل میں لپٹا ہوا نیچے آ رہا تھا۔ زمین سے اوپر ہی وہ لال شعلہ بن گیا۔ طیارہ اُلٹا ہوا اور پانچ میل دُور گر کر راکھ ہو گیا . . . .

"ہم ہوائی اڈے کے نقصان کو دیکھنے لگے۔ اچانک مگ طیّاروں کی ایک اور موج آ گئی جس نے راکٹ اور مشین گن فائرنگ شروع کر دی۔ اسی حملے میں اقوامِ متحدہ کے دو طیارے جلے تھے۔ ان بھارتی ہوابازوں نے چار حملے کئے جن سے اقوامِ متحدہ کے ان دو طیّاروں کے علاوہ صرف یہ نقصان ہوا کہ ہوائی اڈے کے دو شہری ملازم مارے گئے۔ ایک راکٹ ان کی خندق میں جا پڑا تھا۔"

ایک اور بین الاقوامی خبر رساں ایجنسی "رائٹر" کے وقائع نگار سدر لینڈ نے اپنی رپورٹ میں لکھا:

"ڈھاکہ ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء — جنگی مبصروں اور شاہدوں کی نگاہ میں ڈھاکہ کے اہم ہوائی اڈے پر بھارتیوں کا پہلا ہوائی حملہ بُری طرح ناکام بنایا گیا ہے۔ بھارتی بے دریغ بمباری، راکٹ اور مشین گن فائرنگ سے بھی اڈے کو کوئی قابلِ ذکر نقصان نہ پہنچا سکے . . . .

"بھارت کے چھ جیٹ طیارے گرا کر پاکستانی 'اللہ اکبر' اور 'پاکستان زندہ باد' کے نعرے لگانے لگے۔ دوپہر کے بعد تک ڈھاکہ ہوائی اڈے پر پینتیس حملوں کے باوجود اڈے کا کچھ نہ بگڑا۔ بھارتیوں سے ہر کسی کو توقع

تھی کہ اتنے زیادہ اور ایسے جدید طیّاروں سے پاکستان کے سیبر طیّاروں کے مقابلے میں بہت نقصان پہنچائیں گے مگر پاکستانی ہوابازوں نے سیبر جیسے سُست اور پرانی قسم کے طیّاروں سے بھارتی طیّاروں کو مار گرایا . . . .

"اخباری نمائندے اور نامہ نگار انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کی چھت پر کھڑے بھارتی اور پاکستانی ہوابازوں کی فضائی جھڑپیں دیکھ رہے ہیں۔"

امریکہ کے مشہور اخبار "نیویارک ٹائمز" کا نامہ نگار جیمز سٹربا لکھتا ہے:

"ڈھاکہ ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء — حکومتِ پاکستان کے انفارمیشن آفیسر داؤد خان نے ہمیں بتایا کہ آج مشرقی اور مغربی پاکستان میں بھارت کے اکتیس (۳۱) طیارے گرائے گئے ہیں مگر اس پر کوئی بھی یقین نہیں کر رہا۔ ان میں سے تیرہ کو مشرقی پاکستان میں گرایا گیا ہے . . . .

"دو پاکستانی سیبر طیّارے گرے ہیں۔ ان میں سے ایک اپنی ہی فوج کے طیارہ شکن توپچیوں کی زد میں اُس وقت آ گیا جب وہ ایک مگ کا تعاقب کر رہا تھا۔ پاک فوج کے ایک اور افسر نے کہا۔ 'ہمارا یہ طیارہ کم از کم دشمن کے ہاتھوں تباہ نہیں ہوا' . . . .

"انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل میں رہنے والے تمام لوگ ہوٹل کی چھت پر چڑھ آئے ہیں۔ ڈھاکہ کے ہزاروں شہری فضائی معرکے دیکھ رہے ہیں . . . .

"باہر کے ٹیلیویژن کیمروں والے فضائی معرکوں کی اور بھارت کے جلتے ہوئے طیّاروں کی فلمیں لے رہے ہیں۔ انہوں نے دو پاکستانی طیّاروں کو بھارت کے ایک مگ کا تعاقب کرتے اور مگ کو شعلوں کی لپیٹ میں آتے فلما لیا۔ پھر انہوں نے بھارتی طیّاروں کو ہوائی اڈے پر حملہ کرتے اور ایک کو گرتے فلمایا۔ ایک بوڑھے کیمرہ مین نے کہا کہ دوسری جنگِ عظیم کے بعد یہ سب سے بڑا فضائی معرکہ ہے جو اُس نے فلمایا ہے۔"

برطانیہ کے اخبار "آبزرور" کے نامہ نگار گیون ینگ نے اپنی رپورٹ

ہیں یہ الفاظ لکھے :

"ڈھاکہ ۸ ستمبر ۱۹۷۱ء — آج شام پاک فضائیہ کے تین پائلٹ ہوٹل میں آئے۔ ان کے چہروں پر مسرت اور شگفتگی تھی۔ میں ان سے پہلے بھی مل چکا تھا۔ ایک نے کہا کہ اُس نے پہلے دن انڈین ایئر فورس کے دو طیارے مارے اور ایک کو کومیلا کی فضا میں تباہ کیا ہے۔ اس نے کہا — 'مجھے افسوس ہے کہ میں نے برطانیہ کا بنا ہوا ایک طیارہ تباہ کر دیا ہے' — (ہنٹر برطانوی طیارہ ہے اور گیون ینگ برطانوی اخبار کا نامہ نگار ہے)

لندن کے ایک اور مشہور اخبار "ڈیلی ایکسپریس" کے نامہ نگار سٹیفن ہارپر کی طویل رپورٹ کا ایک اقتباس یوں ہے :

"ڈھاکہ ۸ دسمبر ۱۹۷۱ء — میں نے چار طیاروں کو گرتے دیکھا ہے۔ ایک فضائی معرکے میں گرا اور تین طیارہ شکن توپچیوں نے چینی طیارہ شکن گنوں سے گرائے۔ پہلے دن بھارت کے مگ، ہنٹر، نیٹ اور ایس یو سیون دو سو فٹ کی بلندی تک موج در موج حملوں کے لئے آتے رہے اور پاکستانی انہیں اڈے کے ارد گرد گراتے رہے۔"

☆

مشرقی پاکستان کا ایک فضائی معرکہ

— اکیلا چھ پر جھپٹ پڑا

۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کی صبح پاک فضائیہ کا ایک نوجوان شاہباز فلائنگ آفیسر محمد شمس مشرقی پاکستان کی فضا میں دشمن کے چھ لڑاکا طیاروں پر جھپٹ پڑا۔ دشمن کے طیاروں میں دو ایس یو سیون اور چار ہنٹر تھے۔ فلائنگ آفیسر شمس سیبر طیارہ اُڑا رہا تھا۔ اُس نے چھ میں سے تین طیاروں کو مار گرایا۔ ان میں دو ہنٹر اور ایک ایس یو سیون تھا۔ پھر دشمن کے دو مگ ۲۱ طیارے آئے۔ اُس وقت شمس کی مشین گنیں خالی ہو چکی تھیں۔ اُس نے خالی مشین گنوں سے ایک مگ کا تعاقب کر کے اُسے بھگا دیا۔ یہ معرکہ جذبے کے زور سے لڑا گیا تھا ورنہ سیبر کو جیٹ لڑاکا طیاروں میں قدیم طیارہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایس یو سیون روس کا جدید ترین طیارہ ہے جس کی انتہائی رفتار ایک ہزار ساٹھ میل فی گھنٹہ اور گولی کی موٹائی ایک انچ سے زیادہ ہوتی ہے جب کہ سیبر طیارے کی انتہائی رفتار ۶۷۸ میل فی گھنٹہ اور گولی کی موٹائی نصف انچ ہے۔ ہنٹر کی مشین گنوں کی بھی گولیوں کی موٹائی ایک انچ سے زیادہ ہوتی ہے جس کی تباہ کاری سیبر کی گولیوں سے بدرجہا زیادہ ہوتی ہے۔ ہنٹر کی انتہائی رفتار سیبر سے تقریباً ایک سو میل فی گھنٹہ زیادہ ہے۔

بھارتی طیاروں کی اس برتری کے علاوہ ان کی تعداد چھ تھی اور فلائنگ آفیسر شمس کے ساتھ اس کا ونگ مین فلائنگ آفیسر شمشاد تھا جو دوسرے سیبر میں اُڑ رہا تھا۔ ونگ مین کا کام ہوتا ہے کہ فارمیشن لیڈر کے عقب کا خیال رکھے اور دشمن کے طیاروں پر نظر رکھے اور اپنے لیڈر کو آگاہ کرتا رہے کہ اُس کے عقب میں کوئی خطرہ ہے یا اُس کا عقب محفوظ ہے۔

مغربی محاذ پر بھی جنگ شروع ہو چکی تھی اور یہ جنگ کی پہلی سحر تھی جو ابھی تاریک تھی۔ آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے۔ فلائنگ آفیسر شمس اپنے ہوائی اڈے پر باہر بیٹھا ہوا تھا۔ اُسے اچھی طرح احساس تھا کہ دشمن نے مشرقی پاکستان کے دونوں طرف لڑاکا بمبار طیاروں کے گیارہ سکواڈرن رکھے ہوئے ہیں جن کے مقابلے میں پاکستان کا صرف ایک سیبر سکواڈرن ہے۔ —— اور جنگ ملک کے دونوں حصوں میں شروع ہو چکی ہے۔ اس صورتِ حال اور دشمن کی برتری نے شاہبازوں کی رگ رگ کو بیدار کر دیا تھا۔ انہیں اب سیبروں کے بھروسے پر نہیں ایمان کی قوت اور جذبۂ حُب الوطنی کے جنون سے لڑنا تھا۔

فلائنگ آفیسر شمس سُناتا ہے:

"میں تیاری کی حالت میں ہوائی اڈے پر باہر بیٹھا تاروں بھرے آسمان کو دیکھ رہا تھا۔ طبیعت میں بیقراری اور بے کلی تھی۔ جی میں رہ رہ کے آتی تھی کہ مجھے فضا میں ہونا چاہیے۔ سحر کی تیرگی میں مجھے اپنا سیبر طیارہ سیاہ سائے کی طرح کھڑا نظر آ رہا تھا۔ میں کچھ زیادہ ہی بے چین ہونے لگا اور کمرے کے اندر جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سحر کا گہرا دھندلکا چھٹنے لگا۔ ہوائی اڈے پر صبح کا اُجالا نکھرنے لگا۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے جھپٹ کر ریسیور اُٹھایا۔ مجھے اُڑنے اور فضا میں اگلے حکم کا انتظار کرنے کا حکم ملا۔ فلائنگ آفیسر شمشاد کو میرا ونگ مین (جسے نمبر ٢ بھی کہتے ہیں) مقرر کیا گیا...

"میں ایک لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے طیارے میں بیٹھا اور چند لمحوں بعد میں فضا میں اُڑ رہا تھا۔ میرے نمبر دو، فلائنگ آفیسر شمشاد کا سیبر طیارہ ذرا دیر بعد فضا میں پہنچا۔ میں جُوں ہی فضا میں گیا مجھے زمین سے وائرلیس پر ہدایت ملی ——"دو میل دائیں طرف سے دُشمن کے دو طیارے آ رہے ہیں" —— ابھی یہ پتہ نہ چل سکا تھا کہ طیارے کون سی قسم کے ہیں۔ شمشاد میرے ساتھ مِل چکا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ دشمن کے طیاروں کی طرف جاؤ... میں ابھی اسے ہدایت دے ہی رہا تھا کہ دو ایس یُو سیُون طیارے ہمارے عقب میں آ گئے۔ ایک میرے اور دوسرا شمشاد کے پیچھے۔ ہواباز کے لیے یہ صورت خاصی خطرناک ہوتی ہے...

"میں نے اپنے طیارے کو پھرتی سے دُشمن کے طیارے کے آگے سے ہٹا لیا۔ ایس یُو سیُون آگے نکل گیا۔ اس کا جھپٹا ضائع گیا تھا۔ وہ جُوں ہی آگے نکلا میں نے اپنے سیبر کو گھما کر اُس کے پیچھے لگا دیا۔ تب میں نے دیکھا کہ ایک ایس یُو سیُون شمشاد کے عقب میں بھی ہے۔ میں نے شمشاد کو وائرلیس پر خبردار کیا تو میری ہدایت پر وہ اپنے طیارے کو دُشمن کے طیارے کے سامنے سے نکال لایا۔ میں نے تیل کی فالتو ٹینکیاں جو میرے طیارے کے پَروں کے ساتھ لگی ہوئی تھیں گرا دیں اور پَروں کے اندر والی ٹینکیوں سے تیل لینے لگا....

"میں نے دیکھا کہ جو ایس یُو سیُون شمشاد کے پیچھے تھا اُس نے شمشاد کے طیارے پر دو میزائل فائر کیے تھے لیکن دونوں میزائل آگے نکل گئے تھے۔ میں نے دوسرے ایس یُو سیُون سے دو میزائل نکلتے دیکھے جو بھارتی ہواباز نے مجھ پر فائر کیے تھے۔ میں بر وقت میزائلوں کی زد سے نکل گیا۔ میزائل سے بچنا ایک معجزہ ہوتا ہے۔ ہم دونوں نے حاضر دماغی اور پھرتی سے اپنے طیارے بچا لیے....

"سیبر اور ایس یُو سیُون کا تو مقابلہ ہی کوئی نہیں لیکن ہمیں سیبروں سے

ہی لڑتا تھا۔ میں نے بہت تیزی سے اپنے طیّارے کو گھمایا اور ایک ایس یُو سیون کے عقب میں ہوگیا۔ مشین گنوں کا سوِچ آن کیا اور دُشمن کے طیّارے کو شِست میں لینے لگا۔ اس کمبخت کی رفتار بے پناہ تھی میں اٹھارہ سو فٹ دُور تھا۔ وہیں سے مشین گنیں فائر کر دیں لیکن گولیاں ضائع جاتی نظر آئیں۔ بھارتی ہواباز نے مجھے اپنے عقب سے جھٹنے کی کوشش میں اپنے طیّارے کو بہت دائیں بائیں ہٹایا لیکن میں اس کے قریب ہوتا گیا اور جب فاصلہ چار سو فٹ رہ گیا تو میں نے اس پر مشین گنیں فائر کیں۔ ایس یُو سیون کے بائیں پَر سے دھواں نکلنے لگا اور وہ ناک کے بل زمین سے جا ٹکرایا اور اپنے ہواباز سمیت تباہ ہوگیا۔۔۔۔

”میں نے اس سے فارغ ہوکر دیکھا کہ دوسرا ایس یُو سیون شمشاد کے عقب میں تھا۔ میں نے اپنے طیّارے کا رُخ اُس کی طرف کر دیا لیکن میری مشین گنیں فائر ہونے سے پہلے ہی بھارتی ہواباز نے مجھے دیکھ لیا اور اپنے طیّارے کو شمشاد کے عقب سے ہٹا لیا۔۔۔

”زمین سے مجھے وائرلیس پر اطلاع ملی کہ ہمارے پیچھے چار ہنٹر آ رہے ہیں۔ میں نے ایس یُو سیون کے تعاقب کو ترک کر دیا۔ ہنٹر دو دو کی ترتیب میں تھے یعنی دو دو اکھٹے اُڑتے آ رہے تھے۔ میں نے جلدی سے شمشاد کو ہدایت دی اور ہم دونوں نے بیک وقت ایسے پینترے بدلے کہ ہم دونوں ہنٹروں کی ایک ایک جوڑی کے پیچھے ہو گئے۔ فضائی معرکوں میں حاضر دماغی اور غیر معمولی پھُرتی کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک لمحے کی تاخیر تباہی کا باعث بن جایا کرتی ہے۔۔۔۔

”میرے سامنے والے دو ہنٹر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے۔ میں نے ایک کا تعاقب نہ چھوڑا۔ وہ مجھ سے چھ سو فٹ دُور تھا۔ میں نے فائرنگ بٹن دبا دیا۔ گولیاں خطا نہ گئیں۔ ہنٹر دھوئیں کے بادل اُگلنے لگا۔ اس

کا ہواباز پھُرتیلا تھا۔ فوراً پیراشوٹ سے طیّارے سے نکل گیا۔ وہ تو بچ گیا لیکن اس کا طیّارہ تباہ ہوگیا۔۔۔

”میں نے شمشاد کو دیکھا وہ ابھی تک ایک ہنٹر کے تعاقب میں تھا اور اُس پر فائر کر رہا تھا۔ اِتنے میں زمین سے مجھے اطلاع دی گئی کہ ایک اور ہنٹر فضا میں ہے۔ میں نے اِدھر اُدھر دیکھا اور مجھے وہ ہنٹر نظر آ گیا۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ کیوں غوطے میں چلا گیا۔ میں نے اپنے طیّارے کی رفتار تیز کر دی اور دوسرے دو ہنٹروں پر جھپٹ پڑا۔ میری مشین گنیں خالی ہو چکی تھیں لیکن ایک میزائل باقی تھا۔ میں ایک ہنٹر کے عقب میں ہوگیا اور اس کا تعاقب کرنے لگا۔ وہ اب بارک پور (کلکتہ) کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اس کی بلندی تقریباً چار سو فٹ تھی۔ میں بھی اسی بلندی پر اُڑ رہا تھا۔۔۔

”وہ اپنی سرحد کے اندر دس گیارہ میل چلا گیا مگر میں نے اس کا تعاقب نہ چھوڑا۔ وہ بلندی کم کرتا گیا اور میں بھی اپنے طیّارے کو نیچے ہی نیچے لے جاتا گیا حتیٰ کہ ہم درختوں کی بلندی تک پہنچ گئے۔ بھارتی ہواباز اپنے اڈے کی طرف بُری طرح بھاگا جا رہا تھا۔ میں اسے میزائل کی زد میں لینے کے لئے شِست لینے لگا۔ جب یقین ہوگیا کہ میزائل ضائع نہیں ہوگا میں نے میزائل فائر کر دیا۔ میں نے اپنے میزائل کو جاتے دیکھا۔ پہلے تو وہ ذرا نیچے گیا لیکن فوراً ہی ہنٹر کے عقب سے نکلتی ہوئی حرارت کی کشش سے اُس کی سیدھ میں ہوگیا اور اُس کے ایگزاسٹ (EXHAUST) (جہاں سے جلے ہوئے تیل کا دھُواں نکلا کرتا ہے) میں داخل ہوگیا۔ فوراً ہی بھارت کا ہنٹر طیّارہ پھٹتے ہوئے نیپام بم کی طرح شعلہ بن گیا۔ میں نے میزائل کو طیّارے میں لگتے ہوئے پہلی بار دیکھا تھا۔ مجھ پر بھی ایس یُو سیون نے میزائل فائر کئے تھے جن سے میں نے اپنے آپ کو بچا لیا تھا مگر ہنٹر کا ہواباز طیّارے کو میرے میزائل سے بچا نہ سکا۔۔۔۔

ہیں واپس آگیا۔ شمشاد نے ایک ہنٹر کو بہت نقصان پہنچایا تھا۔ اُسے شمشاد کی گولیاں لگی تھیں۔ وہ بھی اپنے علاقے کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ اس کی اُڑان بتاتی تھی کہ اسے بہت نقصان پہنچا ہے۔ میں نے شمشاد سے کہا کہ چلو اپنے اڈے پر اتر جاؤ۔ اڈہ دور نہیں تھا۔ شمشاد طیارہ اتار رہا تھا۔ میں نے بائیں طرف دیکھا تو مجھے ایک اور ہنٹر نظر آیا۔ میں نے تیزی سے رُخ موڑا اور اُس کے پیچھے ہو گیا۔ میں نے دُور تک اس کا تعاقب کیا اور وہ میرے آگے بھاگتا رہا، مگر میرے پاس نہ کوئی گولی تھی نہ میزائل۔ میں نے تعاقب کے دوران ڈھاکہ ہوائی اڈے سے وائرلیس پر کہا کہ فوراً دو طیارے فضا میں بھیج دو۔ میرا ایمونیشن ختم ہو چکا ہے ....

"جوں ہی میرے دو اور ساتھی فضا میں آئے مجھے اطلاع ملی کہ دشمن کے دو اور طیارے آ رہے ہیں۔ میں نے ہنٹر کا تعاقب ترک کر دیا اور اپنے اڈے پر اپنا طیارہ اتارنے لگا۔ میں 'رن وے' سے ابھی تقریباً دو سو فٹ دُور تھا کہ مجھے کنٹرول نے اطلاع دی کہ میرے پیچھے تقریباً آٹھ ہزار فٹ دُور دشمن کے دو مِگ ۲۱ طیارے آ رہے ہیں۔ لینڈنگ کے وقت دشمن کے طیارے مجھے آسانی سے مار سکتے تھے۔ میں نے لینڈنگ (طیارے کو اُتارنا) ترک کر دی اور اسی بلندی پر رفتار تیز کر کے آگے نکل گیا۔ تب میں نے دیکھا کہ ایک مِگ مجھ سے پانچ ہزار فٹ پیچھے آ رہا ہے۔ میں نے پھُرتی سے اپنا طیارہ ایک طرف کر لیا۔ دونوں مِگ آگے نکل گئے۔ میرے پاس ایمونیشن نہیں تھا....

"دو منٹ بعد کنٹرول نے مجھے اطلاع دی کہ ایک مِگ میرے دوسرے دو ساتھی شاہبازوں میں سے ایک کے پیچھے چلا گیا ہے۔ میرے یہ ساتھی ابھی ابھی اُڑے تھے۔ میں نے اس مِگ کو دیکھ لیا اور خالی مشین گنوں سے

اُس کی طرف رُخ کر دیا۔ مِگ کا ہوا باز میرے ساتھی کا تعاقب چھوڑ کر بلندی پر چلا گیا اور میں واپس آ کر اڈے پر اُتر آیا۔ میرے دونوں ساتھی فضا میں رہے"

☆

جلتے طیّارے سے بارودی سرنگوں پر

۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کے روز پاک فضائیہ کے چھ سیبر طیارے ظفروال کی طرف اُڑے جا رہے تھے۔ اس پرواز کا لیڈر سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری ستارۂ جرأت تھا۔ دوسرے طیّارے میں فلائٹ لفٹننٹ عرفان فارمیشن میں اس کی حیثیت نمبر ۲ کی تھی۔ تیسرے طیّارے میں سکواڈرن لیڈر رشید چوہدری (نمبر ۳) تھا اور چوتھے میں فارمیشن کے نمبر ۴ کی حیثیت سے سکواڈرن لیڈر منظر عباس تھا۔ اس فارمیشن کے پیچھے دو اور سیبر طیّارے تھے۔ ایک میں گروپ کیپٹن سجاد حیدر ستارۂ جرأت تھا اور دوسرے میں ونگ کمانڈر علی امام بخاری۔ یہ دونوں ESCORT تھے یعنی سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری کی فارمیشن کے محافظ۔

گروپ کیپٹن سجاد حیدر جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء کے شہرت یافتہ شاہباز ہیں۔ انہی کی قیادت میں ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کے روز آٹھ شاہبازوں نے پٹھان کوٹ کے ہوائی اڈے کو کھنڈر بنایا اور بھارتی ایئر فورس کے تمام ترمگ 21 طیّارے زمین پر بھسم کر دیئے تھے۔ ۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کی پرواز کا نمبر ۴، سکواڈرن لیڈر منظر عباس بھی پٹھان کوٹ کو تباہ کرنے والوں میں شامل تھا، اور سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری بھی جنگِ ستمبر کا ستارۂ جرأت ہے۔ اس کے دو معرکے، ایک جنگِ ستمبر اور ایک جنگِ دسمبر کا، شمارہ جون میں تفصیل سے سنائے جا چکے ہیں۔

ظفروال سیکٹر کے مورچوں میں پاک فوج کو فضائیہ کی مدد کی ضرورت تھی۔ دشمن کے بہت سے ٹینک ظفروال کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ دشمن کا بہت بڑا بکتر بند حملہ آرہا تھا جسے دشمن کے دو توپخانے حفاظتی اور امدادی گولہ باری دے رہے تھے۔ گولہ باری اتنی شدید تھی کہ مورچوں سے سر باہر نکالنا خودکشی کے برابر تھا۔ اپنا توپ خانہ جوابی گولہ باری کر رہا تھا مگر آگ کا جو طوفان دشمن کی طرف سے آرہا تھا اسے روکنا محال نظر آرہا تھا۔ ایسی صورتِ حال کو پاک فضائیہ ہی سنبھال سکتی تھی۔

اطلاع ملتے ہی چھ شاہباز سیبر طیاروں میں اڈے سے اُڑے اور دسمبر کی یخ فضا کو چیرتے ظفروال شہر کے اُوپر سے گزر گئے۔ دن کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ ان کی بلندی ڈیڑھ سو فٹ تھی۔ انہیں اپنے پَروں تلے سرسبز گندم کی فصل کا سمندر نظر آیا اور انہیں یُوں محسوس ہونے لگا جیسے ان کے طیّارے سبز سمندر پر تیرتے جا رہے ہوں۔ اس سبزہ زار میں درخت اور چھوٹے چھوٹے معصوم سے گاؤں بھلے لگ رہے تھے مگر پاکستان کے ہرے بھرے حُسن پر آگ برس رہی تھی۔ اس خطّے کے بھولپن کو دشمن روندنے آیا تھا۔

شاہباز اپنے مورچوں کے اُوپر سے بھی گزر گئے۔ سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری نے پاک فوج سے وائرلیس سے ملاپ کیا اور اس کے ساتھ ہی اپنی فارمیشن کے شاہبازوں سے کہا — "اب ہر طرف نظر رکھو" — تمام شاہبازوں کی نظریں چاروں طرف گھوم گھوم کر آسمان کو کھوجنے لگیں تاکہ دشمن کے طیّارے آجائیں تو بے خبری میں حملہ نہ کر دیں۔ نیچے سے پاک فوج نے انہیں ٹارگیٹ بتایا۔ ٹارگیٹ تھا دشمن کے ٹینک اور توپیں۔

شاہباز جونہی اپنی فوج کے مورچوں کے اُوپر سے آگے گئے دشمن کی طیّارہ شکن مشین گنوں اور توپوں نے بے پناہ فائر کھول دیا۔ فضا میں گولے

پھٹنے لگے جن کے مرغولوں سے آسمان بھرنے لگا اور مشین گنوں نے فضا میں آگ کا جال تن دیا۔ اب شاہبازوں کو حملے کے لیے بلندی پر جانا تھا۔ اُوپر اُٹھنے کا مقام آگیا۔ سیسل چوہدری اپنے شاہبازوں کو اوپر اُٹھنے کے لیے کہنے ہی لگا تھا کہ اس کے طیّارے نے شدید جھٹکا کھایا۔ سیسل چوہدری جان گیا کہ طیّارے کو گولہ لگ گیا ہے۔ اُس نے دائیں بائیں دیکھا۔ بائیں پَر کے اندر والی تیل کی ٹینکی پھٹ گئی تھی اور تیل تیزی سے نکل کر اُڑ رہا تھا۔ یہ غالباً کسی بڑی مشین گن کی گولی تھی جو تیل کی ٹینکی کے اندر گھُس کر پھٹی تھی۔ اس کے طیّارے میں دائیں پَر والی ٹینکی اور پَروں کے ساتھ لگی ہوئی فالتو ٹینکیاں سلامت تھیں۔ یہ چوٹ شدید تھی۔

سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری نے وائرلیس پر اپنی فارمیشن سے کہا — "مَیں ہِٹ ہوگیا ہوں۔ بلندی پر جا رہا ہوں"۔ اس کی ٹینکی کا تیل تیزی سے بہہ رہا تھا جسے کسی بھی لمحے آگ لگ سکتی تھی۔ وہ اتنی بلندی پر پہنچ جانا چاہتا تھا جہاں سے طیّارے سے کُودے تو اُس کا پیراشوٹ کھل جائے۔ اُس نے اتنی شدید چوٹ کے باوجود ہوش ٹھکانے رکھے اور طیّارے کو اُوپر کھینچتے نیچے دیکھا۔ اُسے بہت سے ٹینک نظر آئے۔ تین چار چھوٹے چھوٹے گاؤں جل رہے تھے۔ اُس نے اپنی فارمیشن سے کہا — "نیچے ٹارگیٹ دیکھو۔ ٹینک نظر آ رہے ہیں" — اس کے ساتھ ہی اُس نے فارمیشن کے نمبر ۲ شاہباز سکواڈرن لیڈر رشید چوہدری سے کہا — "نمبر ۲، فارمیشن کی کمان لے لو" — لیکن اس نے دیکھا کہ اس کا طیّارہ گہرا زخم کھانے کے باوجود گڑبڑ نہیں کر رہا تھا۔ اُس نے کمان نمبر ۲ کو دینے کا فیصلہ بدل دیا اور کمان اپنے ہاتھ میں رکھی۔

اُسے اپنے نمبر ۲، فلائٹ لفٹننٹ عرفان کی آواز سنائی دی:

LEADER! YOU ARE ON FIRE. EJECT

"لیڈر! تمہارے طیّارے کو آگ لگی ہوئی ہے۔ طیّارے سے فوراً نکلو"۔ سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری نے بائیں ونگ کو دیکھا اُسے ونگ (پَر)

کے نیچے سے شعلے نکلتے نظر آتے۔ اس کے ساتھ ہی انجن کی چال میں نمایاں فرق آگیا۔ صاف پتہ چلتا تھا کہ انجن رُک جائے گا۔ نیچے دشمن کے ٹینک تھے سیسل چوہدری نے بم گرا دیئے پھر تیل کی فالتو ٹینکیاں بھی گرا دیں۔ اُس وقت اُسے اپنی فارمیشن کے نمبر ۳ شاہباز، سکواڈرن لیڈر رشید چوہدری کی آواز سنائی دی ــــ

LEADER YOU HAVE SHEET OF FIRE UNDER YOU. EJECT. QUICK.

"لیڈر! تمہارے طیارے کے نیچے بہت زیادہ آگ لگی ہوئی ہے۔ فوراً نکلو"۔ دوسرے شاہبازوں کو یہ خدشہ تھا کہ سیسل چوہدری شاید آگ سے بے خبر ہے کیونکہ آگ طیارے کے نیچے ہے یا وہ کاک پٹ میں زخمی ہوگیا ہے اور باہر نکلنے کے قابل نہیں، لیکن سیسل چوہدری کا دماغ حاضر تھا اور وہ صورتِ حال سے نمٹنے کی سوچ رہا تھا۔ اُسے اب جو کچھ بھی سوچنا تھا طیارے کی رفتار سے تیز سوچنا تھا مگر آگ اس سے زیادہ تیزی سے طیارے کو چاٹ رہی تھی۔

سیسل چوہدری نے طیارے سے کُودنے کا فیصلہ کرلیا تھا مگر نیچے دشمن کے ٹینک اور مورچے تھے۔ اُس کی کوشش یہ تھی کہ طیارے کو اپنے مورچوں کے علاقے پر لے جائے اور وہاں کُودے۔

جب اُسے پھر خبردار کیا گیا کہ طیارے سے جلدی نکلو تو اُس نے جواب دیا:

YOU BOMB THE BASTARDS. LEAVE ME ALONE

"تم ان حرامیوں پر بم گراؤ۔ مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"

گروپ کیپٹن سجاد حیدر نے فارمیشن کو حکم دے دیا ــــ "حملہ شروع کردو"۔ انہیں حملہ تو شروع کرنا ہی تھا لیکن گروپ کیپٹن سجاد حیدر کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کو اُلجھا لیا جائے تاکہ دشمن کی طیارہ شکن گنوں اور تمام تر فوج کی توجہ سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری سے ہٹ جائے اور دشمن دیکھ ہی نہ سکے کہ سیسل چوہدری کہاں پیراشوٹ سے اُترا ہے۔ تمام شاہبازوں نے دُشمن

کے ٹینکوں اور ان کے عقب میں ڈھکی چھپی توپوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان پر بمباری اور راکٹ فائرنگ شروع کردی اور پھر پیادہ فوج کے مورچوں پر ایسی بے طرح مشین گن فائرنگ کرنے لگے کہ انہیں سر اٹھانے کے قابل نہ چھوڑا۔

ہمارے شاہبازوں کا یہ وصف قابلِ ذکر ہے، مجھے کئی ایک شاہبازوں نے بتایا کہ وہ حملہ تو پورے جوش وخروش اور فنی مہارت سے کرتے ہیں لیکن ان کی فارمیشن کا کوئی شاہباز ہٹ ہوجائے یا دشمن کے علاقے میں کود جائے تو دوسرے شاہباز دشمن کے لئے قیامت بن جاتے ہیں۔ زمین پر کوئی بھی چیز ہلتی نظر آئے اُسے اُڑا دیتے ہیں۔ اسی قہر اور غضب کا مظاہرہ سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری کے ساتھیوں نے کیا۔

سیسل چوہدری نے اس کوشش میں کہ اُسے دشمن کے علاقے میں نہ کُودنا پڑے، طیارے کا رُخ اپنے علاقے کی طرف کردیا مگر اُس کا انجن بالکل بند ہوگیا۔ تمام میٹروں اور گیجوں کی سوئیاں صفر پر آگئیں۔ اس کا نمبر ۲ فلائٹ لفٹننٹ عرفان اس کی حفاظت کے لئے طیارہ اُس کے قریب لے گیا اور اُس کے اردگرد اُڑنے لگا۔ سیسل چوہدری نے گھوم کر دیکھا تو اُسے اپنے طیارے کے پیچھے شعلوں کے سوا کچھ اور نظر ہی نہ آیا۔ اب طیارے کو پھٹنا تھا۔ شعلے طیارے کو نیچے سے کھا رہے تھے۔ انجن بند ہوجانے سے طیارہ گرا نہیں کرتا بلکہ انجن سے ملے ہوئے دھکے سے بہت دُور تک ہوا میں تیرتا یعنی GLIDE کرتا رہتا ہے اور آہستہ آہستہ نیچے آتا ہے۔ ہواباز دماغ کو حاضر رکھے تو وہ طیارے کی نیچے آنے کی رفتار کنٹرول کرسکتا ہے۔

اپنا علاقہ ابھی دُور تھا۔ فلائٹ لفٹننٹ عرفان جو سیسل چوہدری کے اردگرد اُڑ رہا تھا، وائرلیس پر چلا رہا تھا ــــ "لیڈر، نکلو.... لیڈر، جلدی کرو.... لیڈر، تم جل رہے ہو جلدی نکلو" ــــ سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری نے بڑے تحمل سے اسے جواب دیا ــــ NO.2, RELAX "نمبر ۲، اطمینان رکھو"۔

اُس نے بلندی دیکھی۔ تین ہزار فٹ سے بلندی تیزی سے کم ہو رہی تھی۔ اُس نے کینوپی (کاک پٹ کا اُوپر کا ڈھکنا) اُڑا دیا۔

طیارے سے نکلنے کے لئے پُوری کی پُوری سیٹ ہواباز سمیت طیارے میں سے اُڑ کر اُوپر چلی جاتی ہے پھر خودکار طریقے سے سیٹ ہواباز سے الگ ہو جاتی ہے اور پھر پیراشوٹ کھل جاتا ہے۔ یہ عمل ایک ٹریگر دبانے سے ہوتا ہے۔ سیسل چوہدری نے دیکھا کہ بلندی بارہ تیرہ سَو فٹ رہ گئی ہے جبکہ کُودنے کے لئے محفوظ بلندی دو ہزار فٹ ہوتی ہے۔ وہ سیٹ کا بازو اُوپر کو اُٹھا کر ٹریگر چلانے ہی لگا تھا کہ طیارے کے بائیں پَر میں دھماکہ ہُوا۔ سیسل چوہدری نے دیکھا کہ پَر کا خاصا بڑا حصّہ اُڑ گیا۔ اب طیارے کا توازن بھی ختم ہو گیا۔ طیارہ اُلٹا ہونے کے لئے رول ہونے لگا۔ سیٹ اُڑانے کے لئے یہ پوزیشن بہت خطرناک ہوتی ہے کیونکہ سیٹ اُوپر جانے کی بجائے ایک طرف یا نیچے کو چلی جاتی ہے۔ تاہم سیسل چوہدری نے ایک ہاتھ سے کنٹرول سٹک کو دبا کر طیارے کو سیدھا کر لیا اور دوسرے ہاتھ سے ٹریگر دبا دیا۔ سیٹ سیسل چوہدری کو ساتھ لئے گولی کی رفتار سے طیارے میں سے نکلی۔

اُس کے لئے EJECTION کا تجربہ پہلا تھا۔ زبانی زبانی اُسے معلوم تھا کہ یہ عمل کس طرح ہوتا ہے، عملاً اُسے کچھ علم نہ تھا کہ جسمانی طور پر ہواباز طیارے کے بغیر ہوا میں جا کر کیا محسوس کرتا ہے مگر ڈیڑھ ایک سیکنڈ کے وقت میں یہ عمل پُورا ہو گیا۔ سیٹ اُڑی، اُس سے الگ ہوئی اور وہ اُلٹا ہو گیا یعنی ہوا میں اُس کا سَر نیچے اور پاؤں اُوپر ہو گئے۔ وہ پتھر کی طرح زمین کی طرف آ رہا تھا کہ پیراشوٹ کھل گیا۔ ہوا بھر جانے سے پیراشوٹ نے اُسے اس قدر زور سے اُوپر کو جھٹکا دیا کہ اُس کی دو پسلیاں کریک ہو گئیں مگر اُسے اس چوٹ کا اُس وقت پتہ نہ چل سکا۔ وہ پیراشوٹ کی وسیع چھتری کے نیچے زمین کی طرف آنے لگا۔

اُس نے یہ دیکھ لیا کہ وہ دشمن کے اگلے مورچوں سے کچھ دُور ہی گرے گا۔ ہوا میں ہی اُس نے جیب سے نقشہ نکالا اور پھاڑ کر پھینک دیا تاکہ پکڑے جانے کی صورت میں دُشمن کے کام نہ آ سکے۔

باقی پانچوں شاہباز دشمن کے اگلے مورچوں پر اور جہاں سیسل چوہدری کو گرنا تھا وہاں اردگرد مشین گن فائرنگ کرتے رہے۔ وہ بہت کم بلندی سے جھپٹے مار رہے تھے تاکہ دشمن سیسل چوہدری کو پکڑنے کے لئے اُس کے قریب نہ جا سکے۔

سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری نے پیراشوٹ کھلتے ہی دیکھا کہ اُس کا طیارہ ابھی جلتا ہُوا ہوا میں تیرتا جا رہا تھا اور اس کی بلندی کم ہو رہی تھی۔ دوسرے ہی لمحے طیارہ بم کی طرح پھٹا اور قرمزی شعلہ بن گیا۔ سیسل چوہدری کو بہت دُکھ ہُوا۔ اس طیارے نے اُس کا بڑا لمبا ساتھ نبھایا تھا۔ جنگ سے پہلے فضا کی وسعتوں میں اس طیارے نے سیسل چوہدری کے ساتھ بڑی لمبی لمبی پروازیں کی تھیں۔ وہ طیارہ اُس کی نظروں کے سامنے پھٹ گیا تو اُسے اتنا صدمہ ہُوا جیسے اُس کا عزیز ترین دوست مر گیا ہو۔

سیسل چوہدری نے نیچے دیکھا۔ نیچے درخت تھے۔ اُسے اپنی فارمیشن کے طیارے نظر آئے جو بڑی بے تابی سے درختوں کی بلندی پر زناٹوں سے اُڑ اور دشمن پر گولیاں برسا رہے تھے۔ اُس کا نمبر ۲، فلائٹ لفٹننٹ عرفان اُس کے اُوپر چکر میں اُڑ رہا تھا اور جہاں اُسے زمین پر حرکت نظر آتی تھی وہ اُس پر فائرنگ کرتا تھا۔ سب کی یہ کوشش تھی کہ سیسل چوہدری کو دُشمن پکڑ نہ سکے۔

وہ اور نیچے آیا تو زمین کے خدوخال پھیلنے لگے۔ درخت بڑے ہونے لگے اور زمین اُوپر کو اٹھتی ہوئی نظر آنے لگی۔ درختوں کے اُوپر آ کر اُس نے محسوس کیا کہ ہوا کا رُخ دُشمن کی طرف ہے اور ہوا اُسے دشمن کے مورچوں

کی طرف لے جا رہی ہے۔ اُس نے پیراشوٹ کی دو تین رسیاں کھینچیں جن سے اُس کا رُخ بدل گیا اور وہ درختوں کے درمیان پہنچ گیا۔ اللہ نے کرم کیا کہ پیراشوٹ ایک درخت میں اٹک گیا اور سیسل چوہدری کے پاؤں نہایت اطمینان سے زمین پر لگ گئے جیسے درخت نے اُسے تھام کر زمین پر کھڑا کر دیا ہو۔ اگر وہ کھلے علاقے میں گرتا تو پیراشوٹ ہوا کے زور سے اُسے گھسیٹ کر دشمن کے قریب لے جاتا۔ جونہی اُس کے پاؤں زمین سے لگے اُس نے اپنے آپ کو پیراشوٹ سے آزاد کر لیا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا تو اُسے اپنے طیارے نظر آئے جو اُس کے پیچھے دشمن کی طرف مشین گنیں فائر کر رہے تھے تاکہ دشمن اُس تک نہ پہنچ سکے۔ پانچ شاہبازوں نے اپنے ایک ساتھی کو دشمن سے بچانے کے لئے فضا میں قیامت بپا کر رکھی تھی اور دشمن کی طیارہ شکن گنیں اُن پر فائر کر رہی تھیں۔

اُسے علم نہیں تھا کہ پاک فوج کے مورچے کہاں اور کتنی دُور ہیں۔ ایک نشانی پر اس کی نظر تھی اور وہ نشانی اُس کے اپنے طیارے کا سیاہ دھواں تھا۔ اُس کا طیارہ اپنے علاقے کے رُخ پر گلائیڈ کرتا ہوا بیٹھا اور ذرا اور آگے جا کر اپنے علاقے میں گرا تھا۔ وہاں سے سیاہ دھواں اُٹھ رہا تھا۔ سیسل چوہدری اس دھوئیں تک پہنچنا چاہتا تھا۔ اُسے معلوم نہ ہو سکا کہ دونوں طرف کی فوجیں یا توپیں یا ٹینک ایک دوسرے پر فائرنگ کر رہے ہیں یا نہیں کیونکہ اس کے اُوپر اپنے طیاروں کی گھن گرج اور ان کی مشین گنوں کی قیامت خیز فائرنگ تھی اور دشمن کی طیارہ شکن گنوں کا بے ہنگم غل غپاڑہ تھا۔

سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری نے ریوالور نکال لیا اور دھوئیں کی طرف چل پڑا۔ ابھی دو قدم ہی اُٹھائے ہوں گے کہ قریب سے ایک مشین گن فائر ہوئی۔ گولیوں کی بوچھاڑ اُس کے بائیں طرف اور بالکل قریب زمین پر لگی۔ اُس وقت تک سیسل شاہباز تھا۔ فضا میں دُشمن پر جھپٹنے اور نوچنے والا

شاہباز جس نے جنگِ ستمبر میں غیر معمولی شجاعت کے صلے میں ستارۂ جرأت حاصل کیا تھا۔ اُس نے دشمن کے کئی ٹینک اور توپیں تباہ کی تھیں مگر ۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کے روز شکرگڑھ سیکٹر کے ایک درخت کے نیچے جب مشین گن کا برسٹ اُس کے قریب لگا تو اُس نے پہلی بار محسوس کیا کہ وہ شاہباز نہیں رہا۔ ایک بے بس انسان ہے جو ایک ریوالور سے مشین گن کا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ اُسے موت کا کوئی خوف نہ تھا۔ شہادت کے لئے وہ ہر لمحہ تیار بلکہ خواہشمند تھا مگر اپنے اس انجام نے اُسے مایوس کر دیا۔ وہ پوری جنگ لڑنا چاہتا تھا۔

اس جنگ کے لئے اُس نے چھ سال انتظار کیا تھا جب اُسے خیال آیا کہ چوتھے ہی دن اُس کے لئے جنگ ختم ہو گئی ہے تو اُسے بہت دُکھ ہوا۔

ایک لمحے میں یہ سارے ہی خیال اور وسوسے اُس کے ذہن میں ہجوم کر کے آ گئے۔ اُس نے گولیوں کی بوچھاڑ کی اُڑائی ہوئی گرد کو دیکھا اور وہاں سے نظریں ہٹا کر اُس طرف دیکھا جس طرف سے مشین گن فائر ہوئی تھی۔ پندرہ گز دُور اُسے سات جوان کھڑے نظر آئے۔ ان کی رائفلوں اور سٹین گنوں کی نالیاں اُس کی طرف تھیں۔ ایک نے کہا — "ہینڈز اَپ" —— سات ہتھیاروں کے مقابلے میں ایک ریوالور کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ اُس نے ریوالور نیچے پھینک دیا اور ہاتھ اُوپر کر دیئے۔ وہ ان فوجیوں کو پہچان نہ سکا کیونکہ ان کی وردیاں بے قاعدہ تھیں۔ وہ دشمن کی فائٹنگ پٹرول ہو سکتی تھی یا اپنی یا ان کا کوئی ایسا مشن تھا جس کے لئے اصل اور باقاعدہ وردی تبدیل کر دی جاتی ہے۔

وہ ساتوں اس کے قریب آ گئے۔ وہ چُپ تھے۔ سیسل چوہدری بھی چُپ چاپ ہاتھ اُوپر کئے کھڑا رہا۔ فضا میں اپنے طیارے ابھی تک موجود اور سرگرم تھے اور سیسل چوہدری سوچ رہا تھا کہ اُس کے ساتھی ان فوجیوں پر فائرنگ کیوں نہیں کرتے۔

"مَیں پاکستانی ہوں" سَیسل چوہدری نے کہا۔
"کدھر سے آتے ہو؟" ایک حوالدار نے پوچھا۔
"یہ نہیں بتاؤں گا" سَیسل چوہدری نے جواب دیا۔

"تمہیں بتانا پڑے گا۔ کہاں سے آتے ہو؟" — حوالدار نے دبدبے سے پوچھا۔
"میں نہیں بتاؤں گا" سَیسل چوہدری نے جواب دیا "میرا شناختی کارڈ دیکھ لو۔"
حوالدار آگے آیا تو سَیسل چوہدری نے اُسے بتایا کہ شناختی کارڈ کونسی جیب میں ہے۔ اُس نے اس کی جیب سے شناختی کارڈ نکالا اور تصویر دیکھی پھر سَیسل چوہدری کے چہرے کو دیکھا مگر پہچان نہ سکا کیونکہ اُس کے سر پر پرواز کا ہیلمٹ تھا جو اُس کے سَر اور آدھے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ حوالدار نے اُس کے سَر سے ہیلمٹ اُتارا اور تصویر کو دیکھا۔ اُس نے فوراً سَیسل چوہدری کو سلیوٹ کیا اور بولا — "سر! ہم بھی پاکستانی ہیں" — اور اُس نے پوچھا — "یہ ہوائی جہاز کِس کے ہیں؟" — سَیسل چوہدری نے اُسے بتایا کہ اپنے ہیں۔ بعد میں معلوم ہُوا تھا کہ اپنے شاہبازوں کو اطمینان ہو گیا تھا کہ سَیسل چوہدری دشمن کے مورچوں کے علاقے میں نہیں گِرا۔ ان کی مشین گنیں خالی ہو چکی تھیں۔ حوالدار نے ریوالور اُٹھا کر سَیسل چوہدری کو دے دیا۔ پانچوں طیارے ان کے اُوپر گول دائرے میں اُڑتے رہے اور تھوڑی دیر بعد چلے گئے۔

ریوالور پھینکنے سے لے کر اُٹھانے تک جو دو تین منٹ لگے وہ سَیسل چوہدری کے لئے بڑے ڈراؤنے تھے۔ وہ جلتے ہوئے طیارے میں ذرہ بھر نہیں ڈرا تھا حالانکہ اُسے معلوم تھا کہ طیارہ کسی بھی لمحے پھٹ جائے گا اور اُس کے جسم کے پرخچے اُڑ جائیں گے مگر ان سات جوانوں کے سامنے کھڑے ہو کر اسے پہلی بار محسوس ہُوا کہ ڈر کیا ہوتا ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ دیکھے۔ ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ڈر کا باعث سات جوان نہیں تھے بلکہ ان میں سے صرف

ایک کا ڈر تھا۔ وہ ایک کم عمر سپاہی تھا۔ اُس کے ہاتھ میں "جی ۳" رائفل تھی۔ جوان کی اُنگلی ٹریگر پر تھی اور اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اُس کا معصوم سا چہرہ بتا رہا تھا کہ ابھی ابھی ٹریننگ سنٹر سے آیا ہے اور اس نے پہلی بار جنگ دیکھی ہے اور وہ سمجھ رہا تھا کہ اُس نے ایک بھارتی ہوا باز کو پکڑ لیا ہے۔ اُس کے ہاتھوں کے لرزے سے جس سے اس کی رائفل بھی کانپ رہی تھی، صاف پتہ چلتا تھا کہ اُس پر ہیجان طاری ہے۔ ہیجانی کیفیت میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ انسان بے قابو ہو جاتا ہے۔ سَیسل چوہدری نے جب ہاتھ اُوپر اُٹھا رکھے تھے تو اُس کی نظریں صرف اس کمسن سپاہی پر جمی ہوئی تھیں۔ یہ ڈر بے بنیاد نہیں تھا کہ ہیجانی کیفیت میں اس کی اُنگلی دب جائے گی اور گولی سَیسل چوہدری کے سینے سے پار ہو جائے گی — کمسن مجاہد کے (جس کا چہرہ تنا ہُوا تھا) ہاتھوں کا رعشہ بڑھتا جا رہا تھا۔

جب اس پارٹی کے حوالدار نے سکواڈرن لیڈر سَیسل چوہدری کو پہچان لیا اور سلیوٹ کیا تو سَیسل چوہدری نے کمسن سپاہی کی طرف اشارہ کر کے پہلی بات یہ کہی — "اسے کہو رائفل نیچے کر لے۔" حوالدار نے سپاہی کی رائفل نیچے کرا دی۔ تب سَیسل چوہدری کی جان میں جان آئی۔ حوالدار نے اسے بتایا کہ یہاں سے دُشمن کی پوزیشنیں صرف دو سو گز دُور ہیں اور اپنی پوزیشنیں نصف میل سے ذرا زیادہ دُور۔ یہ محض اتفاق تھا اور سَیسل چوہدری کی خوش نصیبی کہ یہ پاک فوج کی کسی بٹالین کی فائٹنگ پیٹرول تھی جو اس طرف آ رہی تھی ورنہ سَیسل چوہدری زمین پر آ کر بھی زندہ نہ رہ سکتا۔ اس کی وجہ صرف یہ نہیں تھی کہ وہ دُشمن کے مورچوں کے قریب تھا بلکہ اصل وجہ بعد میں معلوم ہوئی۔

اگر دشمن سے بچ بھی جاتا تو بھی وہ شہید ہو جاتا اور شہید بھی اس حال میں ہوتا کہ اس کی ٹانگیں جسم سے صاف الگ ہو جاتیں۔ یہ بھیانک انکشاف اس پر اُس وقت ہُوا جب حوالدار نے اسے کہا کہ آیئے چلیں۔ سَیسل چوہدری آگے آگے

چل پڑا۔ وہ تین چار قدم ہی چلا ہوگا کہ حوالدار نے دوڑ کر اسے روک لیا اور کہا ——"آگے نہ جانا صاحب! آگے مائنیں (بارودی سُرنگیں) بچھی ہوئی ہیں"—— تین چار ہی قدم آگے مائن فیلڈ تھی یعنی خاصے وسیع علاقے میں بارودی سُرنگیں بچھی ہوئی تھیں۔ اگر سیسل چوہدری اکیلا ہوتا تو اس کے جسم کے ٹکڑے بھی کوئی اُٹھانے نہ جاتا۔

حوالدار نے اُسے کہا ——"آپ میرے پیچھے پیچھے آئیں۔ جہاں میں پاؤں رکھوں آپ وہاں رکھیں۔ کوئی قدم دائیں بائیں نہ پڑے"—— وہ حوالدار کے نقشِ قدم پر چلتا گیا۔ ابھی یہ پارٹی مائن فیلڈ سے نکلی ہی تھی کہ دشمن نے دیکھ لیا۔ پہلے تو وہ درختوں کی اوٹ میں تھے۔ دشمن نے مشین گنوں کی بوچھاڑیں فائر کرنی شروع کر دیں۔ پہلی بوچھاڑ چیختی ہوئی سَر کے اُوپر سے، جوانوں کے درمیان سے اور دائیں بائیں سے گزر گئی اور یہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ کسی کو گولی کیوں نہیں لگی۔ تمام جوان پلک جھپکتے زمین پر لیٹ گئے۔ مشین گنوں کی بوچھاڑیں بارش کی طرح آ رہی تھیں۔ اُنہوں نے آگے کو رینگنا شروع کر دیا۔

ایک جوان نے اپنے سَر سے فولادی خود اتارا اور سیسل چوہدری کو دے کر کہا کہ یہ آپ سَر پر رکھ لیں، سَر محفوظ رہے گا۔ سیسل چوہدری نے خود لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ تم ننگے سر رہو گے۔ تمہیں بھی تو گولی لگ سکتی ہے۔ جوان نے خود سیسل چوہدری کے سَر پر رکھ کر کہا ——"ہمیں اپنی پرواہ نہیں صاحب! ہم اپنے ایک پائلٹ کو شہید ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ آپ ہماری ذمہ داری میں ہیں۔ ہم ساتوں آپ کے لئے مرنے کے لئے تیار ہیں۔"

حوالدار نے دیکھا کہ دشمن کی فائرنگ بدستور آ رہی ہے تو اس نے سیسل چوہدری سے کہا کہ میں آپ کے ساتھ ایک جوان کو بھیج دیتا ہوں۔ آپ پیچھے کو نکلیں اور ہم دشمن کا بندوبست کرتے ہیں۔ اُس نے ایک جوان سے کہا کہ صاحب کو ساتھ لے جاؤ اور اُس نے باقی جوانوں کو موزوں پوزیشنوں میں کر

کے دشمن کی پوزیشنوں پر فائرنگ شروع کر دی۔ اس طرح جوانوں نے دشمن کی توجہ سیسل چوہدری سے ہٹا لی اور اپنے ساتھ اُلجھا لیا۔ سیسل چوہدری اپنے محافظ جوان کے ساتھ رینگنے لگا۔ کھڑے ہو کر چلنا خودکشی کے برابر تھا۔ شاہباز آسمان کی وسعتوں میں اُڑتے اُڑتے کیڑے مکوڑے کی طرح زمین پر رینگ رہا تھا۔

وہ رینگتے چلے گئے۔ ماحول دشمن کی مشین گنوں اور اپنے جوانوں کی فائرنگ سے لرز رہا تھا۔ ذرا دُور توپوں اور ٹینکوں کی گنوں کے دھماکے تھے۔ جنگ عروج پر تھی لیکن دشمن کا دم خم ٹوٹا ہوا لگتا تھا۔ سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری کے ساتھیوں نے دشمن کے ٹینکوں اور توپخانے کا ستیاناس کر دیا تھا اور یہ بکتربند حملہ دُوسری دُور تہس نہس ہو گیا تھا۔

آگے ایک خشک نالہ آگیا۔ وہ نالے میں اُتر گئے۔ اب وہ کھڑے ہو سکتے تھے۔ جوان آگے آگے تھا اور سیسل چوہدری پیچھے۔ جوان نے کہا ——"صاحب! اب دوڑنا پڑے گا"—— اور وہ دوڑ پڑا۔ سیسل چوہدری بھی دوڑ پڑا۔ تب اُسے محسوس ہُوا کہ اُس کا جسم اکڑ سا گیا ہے اور وہ دوڑ نہیں سکے گا۔ تاہم وہ دوڑتا رہا مگر جسم میں تناؤ بلکہ تشنج بڑھتا گیا۔ اُسے سینے میں زیادہ تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ جوان نے گھوم کر اُسے دیکھا تو سیسل چوہدری کی چال سے محسوس کیا کہ اُسے کوئی تکلیف ہے اور وہ دوڑ نہیں سکتا۔ جوان رُک گیا اور سیسل چوہدری کو روک کر کہنے لگا ——"صاحب! میں آپ کو اُٹھا کر لے چلوں گا"—— سیسل چوہدری کو یہ صورت منظور نہیں تھی۔ وہ پاک فوج کے جوانوں کے خلوص اور پیار سے یہ فائدہ نہیں اُٹھانا چاہتا تھا۔ اس نے ہنس کر اُسے کہا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ چل سکتا ہوں، دوڑ سکتا ہوں۔

"صاحب! آپ زخمی ہیں۔" جوان نے اس کے منہ کی طرف اشارہ کر کے کہا ——"آپ کے دائیں گال سے خون بہہ رہا ہے۔"

دونوں فوجوں کے آگ اُگلتے مورچوں کے درمیان کھڑے سَیسل چوہدری نے اپنے دائیں گال پر ہاتھ پھیرا تو اُس کا ہاتھ خون سے بھر گیا۔ اُس وقت اسے نظر آیا کہ دائیں بازو سے فلائنگ سُوٹ پھٹا ہُوا ہے۔ وہاں سے بھی خون بہہ رہا تھا۔ یہ زخم اُس وقت آئے تھے جب اُس کی سیٹ اُسے اپنے ساتھ لئے کاک پٹ میں سے اُڑ کر نکلی تھی۔ ایسی چوٹیں نہیں آیا کرتیں کیونکہ ہوا باز کو ٹریننگ میں بتایا جاتا ہے کہ سیٹ کا ٹریگر دبانے سے پہلے ٹانگیں پیچھے کرکے پاؤں سیٹ کے ساتھ لگا لو اور بازو بھی سیٹ کے ساتھ رکھو تاکہ جسم کا کوئی حصّہ کاک پٹ کے کسی حصّے سے رگڑ نہ کھا سکے۔ سَیسل چوہدری کو زخم آنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ سیٹ اُڑانے ہی لگا تھا کہ طیّارہ اُلٹا ہونے لگا۔ اُس نے ایک ہاتھ سے کنٹرول سٹک کو ایک طرف دبایا اور یُوں طیّارے کو سیدھا کر کے فوراً ہی ٹریگر کھینچ لیا۔ اس طرح وہ اپنے جسم کو پُوری طرح سمیٹ نہ سکا تھا۔ دائیں طرف سے اس کا چہرہ اور کہنی سے بازو زخمی ہو گیا۔ یہ تو اسے ہیلمٹ اور فلائنگ سوٹ نے بچا لیا تھا ورنہ اس کا بازو کاک پٹ میں ہی رہ جاتا۔

اُس وقت اُس نے سینے پر ہاتھ پھیرا تو جان گیا کہ دو تین پسلیاں دب گئی ہیں اور ہوسکتا کہ ٹوٹ بھی گئی ہوں۔ اُسے یاد آیا کہ جب پیرا شوٹ کھُلا تو اس وقت وہ فضا میں اُلٹا تھا۔ پیرا شوٹ میں یکلخت ہوا بھری تو شدید جھٹکے سے سَیسل چوہدری سیدھا ہُوا۔ اس جھٹکے نے اُس کی غلط پوزیشن کی وجہ سے پسلیاں توڑ ڈالیں۔ انہی کی وجہ سے اس کا سارا جسم اکڑتا جا رہا تھا تاہم اُس نے پاک فوج کے جوان کی پیش کش قبول نہ کی اور اُس کے ساتھ چلتا گیا۔

وہ اپنے اگلے مورچوں میں پہنچ گئے۔ ان کا استقبال ایک میجر اور ایک کیپٹن نے کیا۔ ان دونوں اور ان کے جوانوں نے سَیسل چوہدری کو

طیّارے سے کُودتے دیکھا تھا۔ اب اسے اپنے درمیان دیکھا تو اُنہوں نے عقیدت مندی اور پیار کا ایسا مظاہرہ کیا جس کے متعلق سَیسل چوہدری کہتا ہے کہ تمام عمر نہیں بھُول سکوں گا۔ جوانوں نے اُس سے نہ صرف ہاتھ ملائے بلکہ کئی ایک نے اُس کے گھٹنے چھوئے اور والہانہ پیار سے کہا کہ ہمارا ہوا باز سلامت نکل آیا ہے۔

میجر نے ڈاکٹر کو بلا لیا تھا۔ اُس نے زخموں کی مرہم پٹی کر دی اور اس کے ساتھ ہی دُشمن کے توپخانے کی گولہ باری شروع ہوگئی۔ سَیسل چوہدری کو بتایا گیا کہ بریگیڈ ہیڈ کوارٹر کو اس کے متعلق اطلاع دی جا چکی ہے۔ گولہ باری رُکتے ہی اُسے پیچھے بھیج دیا جائے گا۔ ان کے ارد گرد بھیانک دھماکوں سے گولے پھٹ رہے تھے مگر افسر اور جوان بے فکر نظر آتے تھے۔ سَیسل چوہدری نے میجر اور کیپٹن سے کہا کہ آپ لوگ اس بنکر کے اندر کیوں نہیں چلے جاتے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ روزمرّہ کا معمول ہے۔ ہم گولوں کے آنے کی آواز سے سمجھ لیتے ہیں کہ یہ باڑھ کہاں گرے گی۔ ہمارے کان ان آوازوں پر لگے ہوئے ہیں آپ بے فکر رہیں۔ تھوڑی دیر بعد دُور سے گولے چلنے کی آوازیں سنائی دیں پھر گولوں کی وسلیں سنائی دیں۔ میجر نے چلّا کر کہا —— "اندر ہو جاؤ" —— ایک سیکنڈ میں سب مورچوں اور بنکروں میں ہو گئے اور یہ گولے بہت قریب پھٹے۔

گولہ باری سوا گھنٹہ جاری رہی۔ رُکتے ہی ایک جیپ آگئی۔ سَیسل چوہدری کو بتایا گیا کہ جنرل صاحب انتظار کر رہے ہیں۔ اُسے بریگیڈ ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا اور وہاں سے دوسری جیپ میں ڈویژن کے اگلے ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا جہاں جنرل عبدالعلی ملک ہلالِ جرأت جو جنگِ ستمبر میں بریگیڈیئر کے عہدے سے چونڈہ کے میدان میں لڑے تھے، سَیسل چوہدری سے ملے

اور بتایا کہ سرگودھا والوں کو اطلاع دے دی گئی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ تمہیں فوراً اڈے پر بھیج دیا جاتے۔

ڈویژن ہیڈکوارٹر کے سگنل آفیسر نے سیسل چوہدری کو بتایا کہ اس نے بھارتی فوج کا وائرلیس پیغام سُنا ہے۔ اگلے مورچوں والے اپنے ڈویژن ہیڈکوارٹر کو اطلاع دے رہے تھے کہ انہوں نے ایک پاکستانی طیارہ مار گرایا ہے اور اس کا ہواباز کُود گیا ہے لیکن وہ شدید زخمی ہے زندہ نکل کر نہیں جا سکے گا۔

توپ خانے کے چھوٹے طیارے L-19 پر سیسل چوہدری کو بٹھایا گیا۔ اس کا پائلٹ توپخانے کا ایک افسر تھا۔ جب طیارہ سرگودھا سے ذرا دُور تھا تو وائرلیس سے سیسل چوہدری نے زمینی کنٹرولر کو اطلاع دی کہ میں آ رہا ہوں۔ اُسے وائرلیس پر ہی نعرے سنائی دیتے اور اُسے بتایا گیا کہ ایک ہیلی کاپٹر بھیجا جا رہا ہے جو L-19 کو ESCORT کر کے لائے گا۔ یہ خوشی اور احترام کا اظہار تھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ہیلی کاپٹر فضا میں منظر آیا اور وہ L-19 طیارے کے ساتھ ساتھ اُڑنے لگا۔ اس ہیلی کاپٹر کا پائلٹ فلائٹ لفٹننٹ بشیر بخاری تھا اور اس کے ساتھ سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری کا سگا بھائی فلائٹ لفٹننٹ انیتھنی چوہدری تھا۔

ہیلی کاپٹر اور L-19 اڈے پر اُترے۔ شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ سیسل چوہدری کے ساتھیوں نے اُسے ہاتھوں پر اٹھا لیا۔ گلے لگ کے ملے اور خوب خوشیاں منائی گئیں۔ سیسل چوہدری ساڑھے گیارہ بجے اُڑا تھا۔ پُورے چھ گھنٹے کے بعد اڈے پر واپس آ گیا۔ وہ موت سے ہولناک راستے سے گزر کر آیا تھا۔

میڈیکل آفیسر سکواڈرن لیڈر عارف نے سیسل چوہدری کا معائنہ کیا تو اُس نے کہا کہ سینے کا ایکسرے کرنا پڑے گا۔ شاید پسلیاں مجروح ہیں صحیح تشخیص

تک سیسل چوہدری کو اُڑنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی تھی۔ سیسل چوہدری نے ڈاکٹر سے التجا کی کہ وہ اُسے پرواز کے لئے فِٹ کر دے کیونکہ وہ کوئی تکلیف محسوس نہیں کر رہا اور وہ جنگی پرواز کے قابل ہے۔ سکواڈرن لیڈر ڈاکٹر عارف نے سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری کے جذبے اور بے تابی سے متاثر ہو کر اسے پرواز کے لئے فِٹ کر دیا۔ اس کے بعد سیسل چوہدری نے جنگ کا تمام عرصہ اس حال میں جنگی پروازیں کیں کہ واپس آ کر اُس کے لئے کاک پٹ سے نکلنا ناممکن ہو جاتا تھا۔ سینہ زور برداشت نہیں کرتا تھا اور جسم میں اینٹھن آ جاتی تھی۔ گراؤنڈ کریو اُسے اُٹھا کر کاک پٹ سے نکالتے تھے پھر وہ اچھے بھلے آدمی کی طرح چلنے لگتا تھا۔ وہ اپنے گراؤنڈ کریو کو ہر روز تاکید سے کہتا کہ کسی کو پتہ نہ چلنے دیں کہ وہ کس حال میں کاک پٹ سے نکلتا ہے بلکہ نکالا جاتا ہے۔

جنگ ختم ہوتے ہی وہ ڈاکٹر کے پاس گیا۔ معلوم ہُوا کہ دو پسلیاں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ پائلٹ کی صحت کا معیار سو فی صد تندرستی ہوتا ہے۔ جیٹ طیارے کی پرواز، حملے کے لئے غوطے میں جانا، غوطے سے اُٹھنا، رول کرنا اور فضا میں طیارے کی دیگر حرکات جسم کے جوڑ ہلا دیتی ہیں۔ سیسل چوہدری نے ٹوٹی ہوئی پسلیوں سے دس دن جنگی پروازیں کیں جن میں زیادہ تر آرمی سپورٹ مشن تھے۔ اُس نے فوج کو مدد دی۔ ٹینکوں، توپ خانوں اور اگلے مورچوں پر حملے کئے۔ دو بار فضائی معرکے لڑے۔ ایک میں اُس نے ایک ایس لوبیون مار گرایا۔

سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری "پاکستان ٹائمز" کے سابق فوٹوگرافر مسٹر ایف۔ ای۔ چوہدری تمغۂ خدمت کے فرزند ہیں۔ تحصیل پنڈ دادن خان کے گاؤں ڈلوال میں پیدا ہوئے۔ لاہور میں تعلیم پائی اور اب مستقل طور پر لاہور میں رہتے ہیں۔

سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری اور اُس جیسے بہت سے دوسرے پرانے شاہبازوں نے کمسن شاہبازوں اور ان کے بعد آنے والے شاہبازوں کے لئے فرض کی لگن، جذبۂ حب الوطنی اور شجاعت کے ایک معیار کا تعین کر دیا ہے۔ یہی ان کا اصل کارنامہ ہے۔

☆

اوکھا کا میزائل اڈہ

—فیروزپور کا ایمونیشن ڈمپ

۱۹۷۱ء کی جنگ میں بھارت کے پاس میزائل کشتیاں بھی تھیں جو پاک بحریہ کے لئے بہت بڑا خطرہ تھا۔ پاک بحریہ نے جو نقصان اٹھایا وہ میزائلوں سے ہی اٹھایا۔ ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کی رات بھارتی میزائل کشتیوں نے کراچی کے جنوب مشرق میں پاک بحریہ کے ایک تباہ کن جہاز اور ایک بارودی سرنگیں صاف کرنے والے جہاز کو نشانہ بنا لیا تھا۔ یہ کشتیاں کراچی بندرگاہ کے لئے اور بحیرۂ عرب میں ہمارے بکھرے ہوئے بحری جہازوں کے لئے تباہ کن ثابت ہو رہی تھیں۔ بھارتی نیوی کا ایک اڈہ خلیج کچھ میں اوکھا کے مقام پر تھا اور یہ "اوسا" میزائل کشتیوں کا مرکزی اڈہ تھا۔ اسے تباہ کرنا ضروری تھا۔

تصور کیا جا سکتا ہے کہ ایسے اہم اڈے کے دفاعی انتظامات کیسے بھیانک ہوں گے۔ اسے بحری اور ہوائی حملوں سے محفوظ رکھنے کے لئے بھارتی نیوی نے طیارہ شکن گنوں سے آتش فشاں پہاڑ بنا رکھا تھا اور اس کے دفاع کے لئے سمندر میں گشت کرنے والے جنگی جہاز الگ تھے۔ چنانچہ اوکھا کے اڈے پر حملے کے لئے جانے والوں کو یہ سوچ کر جانا تھا کہ

وہاں تک جانا ہی ہوگا، واپسی ممکن نہیں ہوگی۔

یہ کام پاک فضائیہ کے بمبار شاہبازوں کے سپرد کیا گیا اور پاک فضائیہ نے بسم اللہ صرف ایک طیارے سے کی حالانکہ ایسے ٹارگیٹ پر طیاروں کا غول بھیجا جاتا ہے۔ پاک فضائیہ کم سے کم قوت سے زیادہ سے زیادہ نقصان کرنے پر یقین رکھتی ہے۔ گروپ کیپٹن رشید رحمان کو اوکھا پر بمباری کا حکم نامہ ملا تو انہوں نے اپنے ایک بمبار سکواڈرن کے کمانڈنگ آفیسر ونگ کمانڈر اختر کو حکم دیا کہ وہ اس مہم کے لئے انتظام کریں۔ ونگ کمانڈر اختر نے یہ مہم فلائٹ لفٹننٹ شبیر اے خان کے سپرد کر دی۔ اس کے ساتھ سکواڈرن لیڈر انصار احمد نیوی گیٹر تھا۔ جو طیارہ وہ لے جا رہے تھے، وہ B-57 تھا۔ بمبار کو اڑانے کے لئے ایک پائلٹ ہوتا ہے اور اس کی راہنمائی کے لئے ایک نیوی گیٹر ساتھ ہوتا ہے۔

فلائٹ لفٹننٹ شبیر اے خان اور سکواڈرن لیڈر انصار احمد حملے کا پلان تیار کرنے کے لئے اپریشن روم میں چلے گئے۔ انہیں ٹارگیٹ کے فاصلے، نوعیت اور دیگر معلومات کے مطابق پلان بنانا تھا۔ ذرا سی دیر میں انہوں نے نقشے پر ٹارگیٹ اور راستہ دیکھ لیا اور اڑنے کے طے شدہ وقت کا انتظار کرنے لگے۔ حملہ رات کو کرنا تھا۔ گو طیارے میں ایسے آلات ہوتے ہیں جو رات کی تاریکی میں ہوا باز کو بھٹکنے نہیں دیتے اور اسے ٹارگیٹ کے عین اوپر لے جاتے ہیں پھر بھی دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں جو فرق ہوتا ہے، اسے سائنسی آلات مٹا نہیں سکتے۔ ٹارگیٹ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے بغیر آلات کے بھروسے پر گرائے ہوئے بم ٹارگیٹ سے ہٹ کر بھی گر سکتے ہیں۔ یہ حاضر دماغی اور ذہانت کا کھیل ہوتا ہے۔

• پرواز کا وقت ہو گیا۔ فلائٹ لفٹننٹ شبیر اے خان اور سکواڈرن لیڈر انصار احمد نے اپنے ساتھیوں کو خدا حافظ کہا۔ ساتھیوں نے انہیں

دل سے نکلی ہوئی دعاؤں سے رخصت کیا۔ وہ باہر کھڑی جیپ پر بیٹھے اور بلیک آؤٹ کے اندھیرے میں اپنے طیارے تک گئے۔ ابتدائی دنوں کے چاند کی روشنی بہت پھیکی تھی۔ ان کے دل پر کوئی بوجھ نہیں تھا نہ ذہن میں کوئی وسوسہ تھا۔ وہ جب اپنے بمبار طیارے میں بیٹھے تو وہ بھول گئے کہ وہ کسی کے بیٹے اور کسی کے بھائی ہیں۔ ان کے ذہنوں میں فرض تھا اور بھارتی نیوی کا بحری اڈہ جو اوکھا کے نام سے ان کے نقشوں پر لکھا ہوا تھا، ان کے سینوں میں نقش ہو گیا تھا۔ طیارہ گرج کر چل پڑا اور ’رن وے‘ پر جا کھڑا ہوا۔ فلائٹ لفٹننٹ شبیر اے خان نے تھراٹل آگے کر دیئے اور طیارہ پرواز کے لئے حرکت میں آگیا۔

عین اس وقت کراچی بندرگاہ کی طیارہ شکن گنیں گرج اٹھیں۔ ان کے ٹریسر ایمونیشن کی گولیوں نے فضا میں لال لال لکیروں کا جال تن دیا۔ ہر ایک طیارہ شکن گن فائر کر رہی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ بھارتی بمبار طیارے بندرگاہ پر حملہ کر رہے ہیں۔ ہوائی اڈہ جس کے ’رن وے‘ پر یہ بمبار دوڑنے لگا تھا تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ایئر ٹریفک کنٹرول نے شاہباز کی سہولت کے لئے ’رن وے‘ کے کناروں کی تمام بتیاں آن کر دیں۔ (ہر ہوائی اڈے کے ’رن وے‘ کے کناروں پر زمین کے ساتھ ملی ہوئی بتیوں کی قطار ہوتی ہے جو رات کے وقت طیارے اڑانے اور اتارنے کے لئے جلا دی جاتی ہیں)۔

چونکہ کراچی بندرگاہ پر ہوائی حملہ ہو رہا تھا اس لئے ہوائی اڈے کی کوئی بتی آن نہیں ہونی چاہیئے تھی مگر کنٹرول والوں کو یہ احساس بھی تھا کہ بمبار کو اڑنا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تاریکی میں ’رن وے‘ سے بھٹک جائے۔

ہوابازوں کا وائرلیس کے ذریعے کنٹرول سے رابطہ ہوتا ہے۔ جونہی بتیاں آن ہوئیں سکواڈرن لیڈر انصار احمد نے کنٹرولر سے وائرلیس پر کہا

"بتیاں بجھا دو، ہم اندھیرے میں طیارہ اُڑا لیں گے"۔۔۔ کنٹرولر نے فوراً بتیاں بجھا دیں اور رن وے، بالکل تاریک ہو گیا۔ فلائٹ لفٹننٹ شبیر اسے خان نے طیارے کو انتہائی رفتار پر دوڑا دیا اور سکواڈرن لیڈر انصار احمد آنکھیں سکیڑ کر بند کاک پٹ سے باہر زمین کے خدوخال دیکھنے لگا۔

بمبار کے پہیے زمین سے اُٹھ گئے اور بمبار تاریکی کو چیرنے لگے۔ آگے اپنی طیارہ شکن گنوں نے فضا کو آگ سے بھر رکھا تھا۔ بھارتی طیارے فضا میں بھٹک رہے تھے۔ فلائٹ لفٹننٹ شبیر اسے خان اپنے B-57 طیارے کو اپنی آگ اُگلتی طیارہ شکن گنوں کے بے ہنگم فائر اور دشمن کے طیاروں سے بچاتا اوکھا کی سمت پرواز کرنے لگا۔ پھیکی پھیکی چاندنی میں دریائے سندھ کی ٹیڑھی میڑھی لکیر چمکتی دکھائی دے رہی تھی۔ بمبار طیارے کی بلندی بہت ہی کم تھی تاکہ دشمن کا ریڈار دیکھ نہ سکے۔ کہیں کہیں جھیلیں چمک رہی تھیں۔ پانی کی جگہ جگہ چمک کے سوا زمین پر اور کوئی روشنی نظر نہیں آتی تھی۔ کوئی ایک بھی بتی کہیں روشن نہیں تھی۔

ذرا سی دیر میں ایک ہی طیارے میں چوکس بیٹھے ہوئے دونوں شاہباز خلیج کچھ کی فضا میں داخل ہو گئے۔ وہاں سے سکواڈرن لیڈر انصار احمد نے فلائٹ لفٹننٹ شبیر اسے خان کو ایک بار پھر اوکھا کی سمت بتائی اور تعین کیا کہ وہ صحیح سمت پر جا رہے ہیں۔ وہ نیوی گیٹر تھا۔ صحیح راستے کا تعین اسی کو کرنا تھا۔ سکواڈرن لیڈر انصار احمد نے اُس وقت کو یاد کرتے ہوئے مجھے بتایا۔

"خلیج کچھ میں داخل ہوئے تو مجھے اپنے ریڈار میں بھارت کا بحری بیڑہ نظر آیا جو ہماری بائیں طرف تھا اور ساحل سے پندرہ بیس میل دُور۔ جی میں بے اختیار آئی کہ دشمن کے بیڑے پر حملہ کریں۔ اوکھا کی نسبت مجھے یہ ٹارگیٹ زیادہ اچھا لگ رہا تھا۔ بھارت کو اپنے اس بیڑے پر بڑا ہی ناز تھا لیکن ڈسپلن نے میرے جذبات کے اُبال پر قابو پا لیا اور ہم اوکھا کی سمت اُڑتے گئے"۔

فلائٹ لفٹننٹ شبیر اسے خان نے بھی ایسے ہی تاثرات کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم حکم کے پابند ہوتے ہیں ورنہ ہم بھارت کے بحری بیڑے سے جا جھڑپ لیتے۔

بائیں طرف دیکھا تو سمندر کی وسعت میں دونوں شاہبازوں کو اوکھا کے ساحل کا خاکہ سا نظر آنے لگا۔ ٹارگیٹ آ گیا تھا۔ دونوں کے دل پہلے تو غیر معمولی طور پر تیزی سے دھڑکنے لگے پھر ایسے لگا جیسے دھڑکنیں خاموش ہو گئی ہوں۔ یہ ہیجانی کیفیت تھی۔ طیارہ سطحِ سمندر سے ذرا ہی اوپر اُڑا جا رہا تھا۔ اوکھا بائیں طرف تھا۔ سکواڈرن لیڈر انصار احمد نے فلائٹ لفٹننٹ شبیر اسے خان کو بتایا کہ حملے کے لئے طیارہ اُوپر کھینچنے کا مقام آ گیا ہے اور ٹارگیٹ بائیں طرف ہے۔ فلائٹ لفٹننٹ شبیر اسے خان نے ٹارگیٹ کو دیکھ لیا جس کے خدوخال پہچاننا ممکن نہ تھا۔

وقت رات کے دس بج کر بیالیس منٹ تھا۔ فلائٹ لفٹننٹ شبیر اسے خان نے دونوں انجنوں کو سو فیصد پاور دینے کے لئے دونوں تھراٹل پوری طرح آگے کر دیئے۔ بی۔۵۷ طیارہ بموں کا بوجھ اُٹھائے تیر کی طرح اُوپر کو اُٹھا اور خلیج کچھ کی فضا کو چیرتا اُوپر چلا گیا۔ اسے بمباری کی بلندی تک جانا تھا۔۔۔ سکواڈرن لیڈر انصار احمد کی نظریں ٹارگیٹ پر جمی ہوئی تھیں۔ طیارہ ابھی مطلوبہ بلندی پر پہنچا بھی نہیں تھا کہ اوکھا کے دفاع میں لگی ہوئی طیارہ شکن گنوں نے فائر کھول دیا۔ فضا میں آگ کے لال لال تار نظر آنے لگے۔

فلائٹ لفٹننٹ شبیر اسے خان اب طیارے کو ٹارگیٹ کی طرف گھما رہا تھا اور سکواڈرن لیڈر انصار احمد اُسے کہہ رہا تھا۔۔۔ "گھماتے چلو۔۔۔۔ گھماتے چلو۔۔۔۔ بس سیدھا کرو۔۔۔۔ اب بمباری کے لئے غوطے میں آ جاؤ"۔۔۔ فلائٹ لفٹننٹ شبیر اسے خان نے اپنے نیوی گیٹر کی ہدایت کے مطابق طیارے کو غوطے میں ڈال دیا اور سکواڈرن لیڈر انصار احمد کو اپنے وائرلیس سسٹم پر فلائٹ

لفٹیننٹ شبیر اے خان کی آواز سنائی دی —— "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ..... اللہ اکبر" —— سکواڈرن لیڈر انصار احمد نے بھی بسم اللہ شریف پڑھی —— اب ان کا طیارہ اوکھا کی طیارہ شکن گنوں کے فائر کے جال میں جا رہا تھا۔ سکواڈرن لیڈر انصار احمد بلندی دکھانے والے میٹر کو دیکھ رہا تھا جس کی سوئی طیارے کے غوطے کی وجہ سے نیچے آ رہی تھی۔ جونہی سوئی مطلوبہ ہندسے پر پہنچی، سکواڈرن لیڈر انصار احمد نے کہا — "تیار ..... اور ..... فائر" — بٹن دبا دیا گیا مگر وہ بتی جو بم گرتے ہی جل اٹھتی ہے نہ جلی۔ سکواڈرن لیڈر انصار احمد بم گرانے والا بٹن آن کرنا بھول گیا تھا۔ اڈے سے اڑتے وقت اس نے یہ بٹن آف کر دیا تھا۔

سکواڈرن لیڈر انصار احمد نے مجھے بتایا —— "میں نے اپنی ساری زندگی میں ایسی پھرتی اور تیزی کا مظاہرہ کبھی نہیں کیا تھا جتنا اوکھا کی فضا میں کیا۔ میں نے ایک سیکنڈ سے بہت کم عرصے میں بمباری کا بٹن آن کر دیا۔ بتی جل اٹھی پھر بجھی اور جوں جوں بم گرتے رہے بتی جلتی بجھتی رہی۔ ہمارے بم طیارے سے الگ ہو کر نیچے جا رہے تھے۔ زمین تک بم چند سیکنڈ بعد پہنچتے ہیں۔ ہمارے بم جا رہے تھے اور طیارہ شکن فائر اس قدر زیادہ ہو گیا جس کا ہم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا جیسے آتش فشاں چٹانیں پھٹ پڑی ہوں۔ یہ ان طیارہ شکن گنوں کا فائر تھا جن کے ساتھ ریڈار کنٹرول ہوتا ہے۔ توپچیوں کو گنیں گھمانے اور شست لینے کی کوشش نہیں کرنی پڑتی۔ سارا کام ریڈار سسٹم خود کار طریقے سے کرتا ہے۔ یہ گنیں بے حد خطرناک ہوتی ہیں۔ بڑی گنوں کے گولے ہمارے بمبار طیارے کے قریب سے گزر کر اوپر جاتے اور پھٹتے تھے جن کے دھماکوں سے طیارہ ہچکولے کھا رہا تھا۔"

طیارہ بم گرا کر آگے جا رہا تھا اور طیارہ شکن گنوں کو ان کے ریڈار طیارے پر مرکوز کرتے جا رہے تھے۔ جدھر طیارہ جاتا تھا گولے اس کے

تعاقب میں جاتے اور اوپر جا کر پھٹتے تھے۔ وہاں گھنٹے یا منٹ نہیں بلکہ سیکنڈ گزر رہے تھے۔ طیارے کی رفتار بہت تیز تھی اور گنوں کے فائر کی رفتار اس سے کہیں زیادہ تیز۔ طیارہ اس فائر سے گزرتا چلا جا رہا تھا اور دونوں شاہباز پورے سکون سے بیٹھے تھے۔

اچانک نیچے سے طیارے کو ایسا شدید دھکا لگا کہ طیارہ اوپر کو اٹھا۔ شاہبازوں کو اس شدید جھٹکے نے دم بخود کر دیا۔ انہوں نے نیچے دیکھا۔ اوکھا دن کی روشنی کی طرح روشن ہو گیا تھا ہر طرف سپید روشنی پھیل گئی تھی سکواڈرن لیڈر انصار احمد نے گھڑی دیکھی۔ دس بج کر چوالیس منٹ ہو گئے تھے —— ان کے بم ٹھکانے پر پڑے تھے۔ بم پھٹنے سے اتنی چمک پیدا نہیں ہوتی کہ میلوں وسیع علاقہ روشن ہو جائے۔ یہ روشنی تیل پٹرول اور گولہ بارود کے بہت بڑے ذخیرے کی تباہی کی تھی۔ بم اس ذخیرے میں گرے تھے اور ایک دو بم بندرگاہ کے اس حصے پر گرے تھے جہاں میزائل بردار کشتیاں کھڑی تھیں۔ اتنی زیادہ روشنی اور روشنی کی سپیدی بتاتی تھی کہ میزائل بھی پھٹ رہے ہیں۔ یہ نیچے کے دھماکے تھے جو طیارے کو جھنجھوڑ رہے تھے۔ صرف دو منٹ کے قلیل عرصے میں انتہائی خطرناک اڈے کا صفایا ہو گیا۔

ہمارے صرف ایک طیارے نے جو نقصان کیا اس کا اعتراف آل انڈیا ریڈیو نے بھی کیا اور اس کی تصدیق اس طرح بھی ہوتی کہ چند دنوں بعد پاک فضائیہ کا ایک اور شاہباز دن کے وقت F-104 میں اوکھا پر حملہ کرنے گیا۔ اس نے واپس آ کر بتایا کہ فلائٹ لفٹیننٹ شبیر اے خان اور سکواڈرن لیڈر انصار احمد کے بموں نے وہاں جو آگ لگائی تھی وہ ابھی تک جل رہی ہے۔ پھٹتے ہوئے گولہ بارود کے ذخیرے اور تیل پٹرول کی آگ پر قابو نہیں پایا جا سکتا۔

اوکھا کا بحری اڈہ بیکار ہو گیا اور اپنا بمبار طیارہ اپنے اڈے پر آن اترا۔

یہ صرف دو شاہبازوں کا کارنامہ تھا۔

فیروز پور کا ایمونیشن ڈمپ

اپنے شاہبازوں کے کارناموں کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔ کئی بار ایسے ہوا کہ کسی شاہباز کا طیارہ، طیارہ شکن فائر سے مجروح ہو گیا لیکن شاہباز اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر مشن مکمل کر کے واپس آیا۔ دونوں جنگوں میں ایسی کئی ایک مثالیں سامنے آئیں۔ طیارہ شدید طور پر مجروح ہو جائے تو پائلٹ کے لئے دیگر ہدایات میں سے تین یہ ہوتی ہیں — طیارے کا وزن یعنی بم اور راکٹ وغیرہ فوراً گرا دیا جائے اور کہیں بھی گرا دیا جائے، صرف یہ دیکھا جائے کہ نیچے اپنی یا دشمن کی شہری آبادی نہ ہو۔ وزن گرا کر اور فارمیشن سے الگ ہو کر واپس آ جاؤ۔ اگر خطرہ ہو کہ طیارہ پھٹ جائے گا یا انجن رُک جائے گا تو طیارے سے کُود آؤ اور اپنی جان بچاؤ خواہ طیارہ قربان کرنا پڑے۔

ان تمام ہدایات کے باوجود ہمارے کئی ایک شاہبازوں نے طیاروں کی خاطر اپنی جانیں خطرے میں ڈال دیں۔ ایسی پہلی مثال ستمبر ۱۹۶۵ء میں چھمب کی فضا میں فلائٹ لفٹیننٹ یوسف علی خان ستارۂ جرأت نے قائم کی تھی جب اُس کے سیبر طیارے کے اہم ترین حصے فضا میں بُری طرح ٹوٹ پھوٹ گئے تھے۔ وائرلیس سسٹم بیکار ہو گیا تھا۔ لینڈنگ کے وقت نہ فلیپ کُھلتے تھے نہ پہیئے تاہم وہ طیارے کو چھمب سے اپنے اڈے پر لے آیا تھا اور اسی طیارے نے پُوری جنگِ ستمبر لڑی تھی۔

دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ایسی ایک مثال سکواڈرن لیڈر غنی اکبر ستارۂ جرأت نے پیش کی۔ یہ ۸ دسمبر ۱۹۷۱ء کا واقعہ ہے۔ فیروز پور میں گولا بارود کا بہت بڑا سٹور تھا۔ چار سیبر طیاروں کو اس سٹور کو بموں اور راکٹوں سے

تباہ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔ اس پرواز کے فارمیشن کمانڈر ونگ کمانڈر مجتبیٰ تھے اور سکواڈرن لیڈر غنی اکبر دوسرے سیبر میں نمبر دو کی حیثیت سے ساتھ تھے۔ چاروں طیارے جب سرحد عبور کرنے کے لئے میدانِ جنگ کے اُوپر سے گزرے تو نیچے دونوں طرفوں کی فوجیں خونریز معرکہ لڑ رہی تھیں۔ آگے فیروز پور کا ہوائی اڈہ تھا جب طیارے اس کے اُوپر پہنچے تو دشمن کی طیارہ شکن گنوں نے ان پر فائر کھول دیا۔ طیاروں کی بلندی زیادہ نہیں تھی۔

سکواڈرن لیڈر غنی اکبر کا طیارہ بُری طرح جھنجھوڑا گیا اور اسے ایک دھماکہ بھی سنائی دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ طیارے کو بڑی گن کا گولا لگا ہے۔ گولا پھٹا نہیں تھا ورنہ طیارے کو اُڑا دیتا لیکن طیارے کی اُڑان میں جو نمایاں گڑبڑ پیدا ہو گئی اس سے پتہ چلتا تھا کہ چوٹ معمولی نہیں۔ طیارہ اُلٹا ہو گیا اور ہچکولے کھانے لگا۔ غنی اکبر نے طیارے کو سنبھال لیا مگر یہ بڑا ہی مشکل کام تھا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر اُسے طیارے کے اُن حصوں پر کوئی چوٹ نظر نہ آئی جو اسے کاک پٹ میں سے نظر آ رہے تھے۔ اتنے میں وائرلیس پر اسے اپنے ایک ساتھی فلائٹ لفٹیننٹ اورکزئی کی آواز سنائی دی — "نمبر ۲، تمہارا ڈراپ ٹینک اُڑ گیا ہے۔"

"ڈراپ ٹینک"، طیارے کے پَروں کے نیچے اُس وقت لگائے جاتے ہیں جب طیارے کو دُور کی پرواز کے لئے جانا ہوتا ہے۔ انہیں تیل کی فالتو ٹینکیاں کہتے ہیں۔ پہلے ان میں سے تیل انجن کو جاتا ہے پھر پَروں کی اندر والی ٹینکیوں سے تیل استعمال ہوتا ہے۔ "ڈراپ ٹینک"، چونکہ باہر ہوتے ہیں اس لئے غیر محفوظ ہوتے ہیں۔ فضائی معرکہ لڑنا پڑے تو یہ ٹینکیاں گرا دی جاتی ہیں۔ سکواڈرن لیڈر غنی اکبر کے طیارے کے ایک پَر کے نیچے سے ٹینکی اُڑ گئی تو دوسری طرف کی ٹینکی نے فضا میں طیارے

کے توازن کو بگاڑ دیا۔ بہرحال غنی اکبر نے طیارے کو سنبھال لیا مگر نقصان زیادہ تھا، صرف ٹینکی نہیں اُڑی تھی۔ غنی اکبر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ٹینکی کے بالکل ساتھ بم لگے ہوئے تھے۔ اگر گولا دو چار اِنچ ہٹ کر لگتا تو بموں کو لگتا اور بم پھٹ کر غنی اکبر اور اس کے طیارے کے پرخچے اُڑا دیتے۔

طیارے کی اُڑان غیر تسلی بخش تھی اور اس کی حالت بگڑتی جا رہی تھی ـــ
سکواڈرن لیڈر غنی اکبر نے گھڑی دیکھی ـــ تارگیٹ صرف تیس سیکنڈ دُور رہ گیا تھا۔ غنی اکبر کے ذہن میں ایسی کوئی ہدایت نہ آئی جو پائلٹ کو طیارے کی اس کیفیت کے لئے دی جاتی ہیں۔ اُس پر یہی ایک خیال غالب تھا کہ تارگیٹ صرف تیس سیکنڈ دُور رہ گیا ہے بلکہ تارگیٹ آ گیا ہے، لہٰذا بم واپس نہیں جانے چاہئیں۔
سکواڈرن لیڈر غنی اکبر اُن آٹھ شاہبازوں میں سے ہے جنہوں نے چھ ستمبر ۱۹۶۵ء کی شام پٹھانکوٹ کے ہوائی اڈے پر حملہ کر کے تیرہ طیارے تباہ کر دیئے تھے۔ یہ اس لحاظ سے تاریخی اہمیت کا حملہ تھا کہ دشمن کے تباہ شدہ طیاروں میں اُس کی پوری مِگ فورس شامل تھی۔ جنگِ ستمبر کا تمام عرصہ کوئی مِگ طیارہ فضا میں نظر نہیں آیا تھا۔ غنی اکبر کو اسی کامیاب حملے کے صلے میں ستارۂ جرأت دیا گیا تھا۔

اب غنی اکبر کا طیارہ فیروزپور کی فضا میں جا کر ایسے وقت معذور ہو گیا جب تارگیٹ دو ہاتھ دُور رہ گیا تھا۔ غنی اکبر نے طیارے کو حملے کے لئے اُوپر اُٹھانے کے لئے کنٹرول سٹک پیچھے کھینچی تو طیارے پر ذرّہ بھر اثر نہ ہوا بلکہ ڈگمگانے لگا۔ اس کی اُڑان بڑی ہی مایوس کن تھی۔ غنی اکبر کے سامنے لگے ہوئے آلات اور میٹروں کا یہ عالم تھا کہ ہوا کی رفتار کی سُوئی تیس ناٹ دکھا رہی تھی جب کہ اسے تین سو پر ہونا چاہیئے تھا۔ غنی اکبر نے باہر دیکھا تو اُسے یہ نظر آیا کہ دائیں طرف کا پَر بُری طرح مجروح ہو چکا تھا اور ہوا کی رفتار ناپنے والا نلکی نما آلہ جو پَر کے سامنے ہوتا ہے، ٹوٹ گیا تھا۔

سکواڈرن لیڈر غنی اکبر کہتا ہے ـــ "لیکن میں بمباری کئے بغیر واپس نہیں جانا چاہتا تھا خواہ طیارہ بیکار ہو کر تارگیٹ کے اُوپر ہی کیوں نہ گر پڑتا۔ فارمیشن لیڈر ونگ کمانڈر مجتبیٰ کو میں اطلاع دے چکا تھا۔ میں اُس کے عقب میں تھا۔ اُنہوں نے ذرا اپنا طیارہ میرے پیچھے کر لیا تا کہ مجھ پر نظر رکھیں۔ اب میرا طیارہ سب سے آگے تھا۔ اس سے میری پوزیشن ایسی ہو گئی تھی جیسے میں حملے کی قیادت کر رہا ہوں۔ میرا حوصلہ اور زیادہ بڑھ گیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ میں اپنی اس پوزیشن کی اہمیت سے دستبردار نہیں ہوں گا۔"
فارمیشن تارگیٹ کے اُوپر جا پہنچی۔ فارمیشن کمانڈر کو غنی اکبر کے متعلق پریشانی تھی۔ طیارے تو برباد ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن ونگ کمانڈر مجتبیٰ پاک فضائیہ کو غنی اکبر جیسے شاہباز سے محروم نہیں کرنا چاہتے تھے مگر غنی اکبر طیارے کی حالت کے باوجود حاضر دماغی اور سکون سے تارگیٹ پر نظریں جمائے ہوئے تھا اور نیچے سے ایمونیشن ڈمپ کے دفاع میں لگی ہوئی طیارہ شکن گنیں ایسا قیامت خیز فائر کر رہی تھیں کہ کسی طیارے کا بچ کے نکل آنا محال نظر آ رہا تھا۔

سکواڈرن لیڈر غنی اکبر نے نہایت اطمینان سے تارگیٹ پر جا کر بم گرانے والا بٹن دبا دیا۔ اُسے یہ توقع کم ہی تھی کہ بم گریں گے۔ خدشہ تھا کہ یہ نظام بھی نہ بگڑ گیا ہو لیکن طیارے سے پانچ پانچ سو پونڈ کے بم الگ ہوئے تو طیارے نے اُوپر کو جھٹکا کھایا۔ غنی اکبر نے سکون کی آہ بھری۔ اس کے بم تارگیٹ پر جا رہے تھے۔ بم سیدھے ایمونیشن ڈمپ پر گرے۔ دوسرے تین شاہبازوں نے بھی باری باری بم گرا دیئے۔ اور طیارہ شکن گنیں ان پر گولوں اور گولیوں کی بوچھاڑیں فائر کرتی رہیں۔

اب نیچے سے دھماکے ہونے لگے۔ دھماکوں کی لہریں نیچے سے طیاروں سے ٹکرائیں۔ یہ مانوس دھماکے تھے جن سے شاہبازوں کو اطمینان ہو

گیا کہ یہ صرف بموں کے پھٹنے کے دھماکے نہیں بلکہ ان کی شدت بتا رہی ہے کہ دشمن کا گولہ بارود کا ذخیرہ پھٹ رہا ہے اور بم ضائع نہیں ہوئے۔ شاہبازوں نے بلندی پر جاکر دیکھا۔ تمام علاقہ آگ کی لپیٹ میں آگیا تھا۔ دوسرے دن جو شاہباز اس راستے سے گزر کر بھارت کے اندر حملوں کے لئے گئے تھے اُنھوں نے بتایا کہ دوسرے دن بھی وہاں آگ لگی ہوئی تھی۔

واپسی کے وقت غنی اکبر کا طیارہ بُری طرح لرز رہا تھا۔ رفتار کم ہوگئی تھی اور انجن دُگنا تیل پی رہا تھا۔ اس کے باقی تین ساتھی اس کے مطابق رفتار کم کر کے اس کے ساتھ رہے تاکہ دشمن کا کوئی طیارہ اس پر جھپٹ نہ پڑے۔ وہ سرحد کے اندر آگئے۔ توقع نہیں تھی کہ طیارہ محفوظ یا نارمل طریقے سے اُتر سکے گا لیکن غنی اکبر نے طیارے کی اُڑان کے نقائص کے مطابق عمل کرتے ہوئے طیارے کو اُتار لیا۔ لینڈنگ نارمل تھی۔ جب تیل دیکھا گیا تو ٹینکیاں بالکل خالی ہوچکی تھیں — یہی طیارہ مرمت ہوکر فائر بندی تک جنگی پروازیں کرتا رہا۔

☆

اِسے میرے لیے چھوڑ دو

جنگِ دسمبر کے دوران ایک روز پاک فضائیہ کے تین شاہباز سیبر طیاروں میں پسرور سیکٹر کی فضا میں نیناکوٹ کے قریب اُڑ رہے تھے۔ ان کا لیڈر ونگ کمانڈر علی امام بخاری تھا۔ دوسرے دو شاہباز سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری ستارۂ جرأت اور فلائٹ لیفٹننٹ مومن عارف تھے۔ وہ پاک فوج کو فضائی مدد دے رہے تھے۔

بھارت نے ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان کو دو حصوں میں کاٹنے کے لئے اس میدان میں اپنی بکتر بند قوت آزمائی اور منہ کی کھائی تھی۔ اپنے کچلے ہوئے عزائم کی تکمیل کے لئے دسمبر ۱۹۷۱ء میں بھی اُس نے بکتر بند قوت سے اسی محاذ پر حملہ کیا۔ اب کے اُس کے پاس روس کے ٹینک بھی تھے جو رات کے وقت بھی لڑ سکتے ہیں اور الیکٹرانک خوبیوں کی وجہ سے میدانِ جنگ کی دہشت تسلیم کئے جاتے ہیں۔ انہیں فضائی تحفظ اور تعاون دینے کے لئے بھارتیوں کے پاس روس کے ایس یو سیون طیارے تھے جو آواز کی رفتار سے بہت تیز اور دورِ جدید کے جدید ترین طیارے ہیں۔ یہ طیارے بھی الیکٹرانک سسٹم سے لیس ہیں۔

جب پہلی بار پاک فضائیہ نے ایس یُو سیَون جیسے طیاروں کے مقابلے کے لئے سَیبر جیسے قدیم اور سُست طیارے بھیجے تھے تو بھارتی اور روسی یقیناً ہنس پڑے ہوں گے۔ غیر ملکی جنگی وقائع نگاروں نے تو کہہ بھی دیا تھا کہ جو ہوا باز ایس یُو سیَون کے مقابلے میں سیبر لائے گا وہ خودکشی کی کامیاب کوشش کرے گا لیکن بے شمار ملکوں کے وقائع نگاروں نے روس کے ان جدید ترین طیاروں کو سیبر طیاروں کی مشین گنوں سے گرتے دیکھا اور پاک فضائیہ کے شاہبازوں نے ثابت کر دکھایا کہ طیارہ نہیں، طیارے کی کاک پٹ میں بیٹھا ہُوا انسان لڑا کرتا ہے۔

پسرور سیکٹر پر ایسا ہی معرکہ لڑا گیا۔ زمین پر دونوں طرف کی فوجیں خونریز معرکے میں الجھی ہوئی تھیں۔ بھارتی اپنی آہنی قوّت کے زور پر سیالکوٹ تک پہنچنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے اور پاک فوج جم کر مقابلہ کر رہی تھی۔ ونگ کمانڈر علی امام بخاری جب اپنی فوج کی مدد کے لئے محاذ پر پہنچا تو اُسے زمین پر دشمن کی بہت سی گاڑیاں نظر آئیں۔ اپنے سَروں پر پاک فضائیہ کے تین طیاروں کو دیکھتے ہی بھارتیوں نے طیارہ شکن فائر سے فضا کا کوئی ایک انچ حصّہ بھی محفوظ نہ رہنے دیا۔ لاتعداد طیارہ شکن توپوں اور مشین گنوں نے ان پر قیامت خیز فائر شروع کر دیا۔ ایسے بھیانک فائر میں ٹارگیٹ پر غوطے میں جانے کے لئے غیر معمولی جرأت اور لوہے کی طرح مضبوط اعصاب کی ضرورت ہوتی ہے۔

ونگ کمانڈر بخاری آتشِ نمرود میں کُود گیا۔ اُس نے نہایت اطمینان سے شِست لی اور راکٹ فائر کر دیئے۔ طیارہ شکن گنوں نے اس کے طیارے کے پرخچے اُڑانے کے لئے بہت سیسہ برسایا اور آگ اُگلی۔ ونگ کمانڈر بخاری کے راکٹ اس آگ کو چیرتے دشمن کی گاڑیوں میں جا پھٹے۔ دھماکے ہوئے، آگ کے شعلے اُٹھے اور گاڑیاں راکھ ہونے لگیں۔

ونگ کمانڈر بخاری نے طیارے کو اُوپر کھینچا اور دوسرے حملے کے لئے جانے ہی لگا تھا کہ اُسے اپنے کانوں سے لگے ہُوئے وائرلیس سسٹم پر اپنے نمبر ۲ ہوا باز یعنی ونگ مین فلائٹ لفٹننٹ مومن عارف کی آواز سنائی دی:

"لیڈر! دائیں اور ذرا سامنے سے تین ایس یُو سیَون آرہے ہیں"۔

بھارتیوں نے سیبر طیاروں کو دیکھ کر ایس یُو سیَون طیارے بلا لئے تھے۔ ونگ کمانڈر بخاری نے اپنے دونوں ہوا بازوں کو حکم دیا —

"تیل کی فالتو ٹینکیاں پھینک دو"۔ تینوں طیاروں کے پروں کے نیچے لگی ہوئی تیل کی فالتو ٹینکیاں پروں سے الگ ہو کر زمین پر جا پڑیں۔

ونگ کمانڈر بخاری کے حکم پر تینوں طیاروں سے ٹینکیاں الگ ہوئی ہی تھیں کہ پاک فضائیہ کے تینوں طیارے دشمن کے مقابلے کے لئے دائیں طرف گھوم گئے۔ دشمن کے ایس یُو سیَون اسی سمت سے آرہے تھے۔

ونگ کمانڈر بخاری نے اپنے طیارے کو تیزی سے دشمن کے طیاروں کی طرف گھمایا اور پیشتر اس کے کہ بھارتی ہوا باز اس کے پینترے کو سمجھتے ونگ کمانڈر بخاری ایک ایس یُو سیَون کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ فضائی معرکے میں ہوا باز ایک دوسرے کے عقب میں جانے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ دشمن پر کاری ضرب لگانے کے لئے یہی پوزیشن موزوں ہوتی ہے۔

ونگ کمانڈر بخاری نے ایک بھی لمحہ ضائع کئے بغیر ایس یُو سیَون کو شِست میں لے لیا۔ وہ فائرنگ بٹن دبانے ہی لگا تھا کہ اُس کے کانوں سے لگے ہُوئے وائرلیس سسٹم میں اُسے سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری کی ملتجی آواز سنائی دی:

"لیڈر! پلیز ... اِسے میرے لئے چھوڑ دو۔"

سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری جو جنگِ ستمبر کی فضائی جنگوں کا ہیرو اور ستارۂ جرأت ہے اسی ایس یو سیون پر آیا اور اِسے شست میں لے لیا تھا۔ وہ اس شکار سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا تھا اسی لئے اُس نے اپنے لیڈر سے التجا کی تھی کہ وہ یہ شکار اس کے لئے چھوڑ دے۔ ونگ کمانڈر بخاری نے سیسل کو مایوس نہ کیا اور اپنے طیارے کو دوسرے ایس یو سیون کے عقب میں لے جانے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

الفاظ میں اس معرکے کو بیان کرتے یوں لگتا ہے جیسے ایس یو سیون چوہا تھا اور دو سیبر بلیاں تھیں جو اس ایک ہی چوہے کے پیچھے لگی ہوئی تھیں۔ درحقیقت صورتِ حال یہ تھی کہ ایس یو سیون کے مقابلے میں سیبر کی حیثیت چوہے کی سی ہوتی ہے۔ صرف رفتار کا تفاوت ملاحظہ فرمایئے:

ایس یو سیون کی انتہائی رفتار ایک ہزار ساٹھ میل فی گھنٹہ ہوتی ہے جبکہ سیبر کی انتہائی رفتار ساڑھے چھ سو میل فی گھنٹہ ہوتی ہے۔ یہ تو ان شاہبازوں کا کمال تھا جنہوں نے نہایت چابکدستی اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایس یو سیون کو آگے لگا لیا تھا۔ بھارتی ہواباز ہمارے شاہبازوں کو عقب سے جھٹکنے اور بچنے کے لئے اپنے طیارے کو دائیں، بائیں، اُوپر اور نیچے پٹخ رہا تھا۔ اپنے طیارے کی رفتار سے بھی فائدہ اُٹھانے کی کوشش کر رہا تھا مگر پاکستانی شاہباز فنکارانہ چالوں اور پینتیروں سے اُسے شست سے نکلنے نہیں دے رہے تھے۔

ونگ کمانڈر بخاری نے شکار سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری کے حوالے کیا اور خود دوسرے ایس یو سیون کے عقب میں جانے کے لئے پینترے بدلنے لگا۔ اس دوران اُسے وائرلیس پر اپنے ونگ مین

فلائٹ لفٹننٹ مومن عارف کی آواز سنائی دی — ”لیڈر! میرے انجن میں نقص پیدا ہو گیا ہے“ — ونگ کمانڈر بخاری نے اُسے جواب دیا — ”معرکے سے نکلو۔ فوراً اڈے پر پہنچو“۔

فلائٹ لفٹننٹ مومن معرکے سے نکل گیا۔ فضا میں دو سیبر اور تین ایس یو سیون رہ گئے۔

اب فضا میں طیاروں کے زناٹے اور قہر بھری گھن گرج تھی۔ ایک ایس یو سیون سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری کو عقب سے جھٹکنے اور اس کی شست سے نکلنے کے لئے پینترے بدل رہا تھا۔ ونگ کمانڈر بخاری دوسرے ایس یو سیون کو آگے لگانے کی کوشش کر رہا تھا اور تیسرا ایس یو سیون دونوں سیبروں میں سے کسی ایک کے عقب میں جانے کے لئے ہلکان ہو رہا تھا۔ ونگ کمانڈر بخاری اور سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری کے عقب کو دیکھنے والا کوئی نہ تھا۔ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے اور ایک دوسرے کی کوئی مدد نہیں کر سکتے تھے۔ یہ ونگ مین کی ڈیوٹی ہوتی ہے کہ وہ اپنے لیڈر کے پیچھے رہے اور اُسے عقبی خطروں سے خبردار کرتا رہے تاکہ لیڈر اطمینان سے لڑ سکے مگر ونگ مین انجن کی خرابی کی وجہ سے معرکے سے نکل کر اڈے پر چلا گیا تھا۔

ونگ کمانڈر بخاری ایک ایس یو سیون کے عقب میں جانے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے کاک پٹ میں گھوم کر پیچھے دیکھا۔ عقب محفوظ تھا۔ بھارتی ہواباز نے بہت پینترے بدلے لیکن ونگ کمانڈر بخاری اُس کی دُم سے چپکا رہا اور روسی طیارے کو گن سائٹ کے دائرے کے مرکز میں لاتا رہا۔ جونہی ایس یو سیون شست میں آیا، ونگ کمانڈر بخاری نے بٹن دبا دیا۔ اُس کی چھ مشین گنوں نے بکتر شکن، آتش گیر

اور ٹریسر گولیاں اُگلیں۔ گنوں کے دہانوں سے شرارے نکلے اور ایسے ہی شرارے روسی طیارے پر بھی چمکے۔ گولیوں کی بوچھاڑ ٹھکانے پر لگی۔ ایس یُوسیَون نے سیاہ دُھواں اُگلا۔ فوراً ہی اس دھوئیں میں شعلہ دکھائی دیا اور دوسرے لمحے روس کا جدید ترین طیارہ نارنجی شعلہ بن گیا۔ اس کے ٹکڑوں کے ساتھ اسے اُڑانے والے بھارتی ہوا باز کے جسم کے پرخچے بھی فضا میں بکھر کر زمین کی طرف جانے لگے۔

ونگ کمانڈر بخاری ابھی اپنے شکار کا حشر دیکھ ہی رہا تھا کہ اُسے سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری کی شگفتہ آواز سنائی دی:

"لیڈر! نیچے دیکھو کیا جارہا ہے۔"

ونگ کمانڈر بخاری نے دیکھا۔ شعلوں میں لپٹا ہُوا ایک ایس یُو سیَون زمین کی طرف جارہا تھا۔ یہ سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری کا شکار تھا جو اُس نے ونگ کمانڈر بخاری سے لیا تھا۔ اس روسی طیارے کے بھارتی ہوا باز نے بھی بچنے کے لئے فضا میں بہت جتن کئے تھے مگر سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری نے قدیم اور سُست رفتار طیارے کو اس قدر تیز اور برتر طیارے کے عقب سے ہٹنے نہ دیا۔ یہ فنی تربیت کا کمال اور جنگِ ستمبر کے تجربے کا کرشمہ تھا۔

دو شاہبازوں نے تین میں سے دو بھارتی ہوا بازوں کو طیاروں سمیت بھسم کر ڈالا۔

اب ایک ایس یُوسیَون رہ گیا تھا۔ دونوں شاہبازوں نے اسے فضا میں نظروں سے کھوجا مگر وہ کہیں نظر نہ آیا۔ ونگ کمانڈر بخاری اور سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری نے دیکھا کہ مشین گنوں میں ابھی ایمونیشن کافی ہے اور کچھ راکٹ بھی بچ گئے ہیں۔ وہ لڑتے لڑتے دُور نکل گئے تھے۔ انہوں نے پھر نینا کوٹ کا رُخ کر لیا۔ انہیں پاک فضائیہ کے چند طیارے نظر آئے جو

دُشمن کے مورچوں پر حملے کر رہے تھے۔ ونگ کمانڈر بخاری ان طیاروں کو کور کرنے جارہے تھے تاکہ دُشمن کے طیارے ان پر کہیں سے اچانک نہ آجائیں۔

جونہی وہ وہاں پہنچے، ونگ کمانڈر بخاری کو تیسرا ایس یُوسیَون نظر آگیا۔ وہ اُس کے دائیں طرف سات آٹھ سو فٹ دُور اُڑ رہا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے ہمارے شاہبازوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ تیزی سے دائیں کو گھوما اور اپنے ملک کی سمت بھاگ اُٹھا۔ سیبر سے ایس یُوسیَون کے ہوا باز کو چیلنج کرنا پُرخطر بھی تھا اور دشوار بھی، پھر بھی ونگ کمانڈر بخاری نے اپنے سیبر کو پوری طرح دائیں کو گھما دیا اور ایس یُوسیَون کے تعاقب میں چلا گیا۔ سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری بھی تعاقب میں شامل ہو گیا۔ بلندی کم تھی۔

بھارتی ہوا باز نے ایس یُوسیَون جیسے بہترین اور ہیبت ناک طیارے میں سے دیکھا کہ دو سیبر جیسے دقیانوسی طیارے اس کے تعاقب میں آرہے ہیں تو اُس نے گھوم کر ان کا مقابلہ کرنے کی بجائے رفتار اور تیز کر دی۔ اُسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ اتنی کم بلندی پر اس کے طیارے کی رفتار بڑھ نہیں سکے گی۔ ونگ کمانڈر بخاری نے اسے شستِ میں لے کر مشین گنیں فائر کیں مگر فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے نشانہ خطا گیا۔ تاہم ونگ کمانڈر علی امام بخاری نے اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور اس پر چھوٹے چھوٹے برسٹ فائر کرتا گیا حتیٰ کہ ایس یُوسیَون کے بائیں پَر سے دُھواں نکلنے لگا۔

اس وقت ونگ کمانڈر بخاری نے دیکھا کہ وہ اور سکواڈرن لیڈر سیسل چوہدری ہیں کہاں — وہ دونوں بھارت کے دُور اندر چلے گئے تھے۔ اب ایمونیشن بھی ختم ہو رہا تھا اور تیل بھی، اور انہیں اپنے

اڈے تک واپس آنا تھا. سب سے بڑا خطرہ یہ تھا کہ ایسی حالت میں اور اپنے اڈے سے اتنی دُور اگر دشمن کے طیّاروں نے کسی اور سمت سے آکر معرکے میں اُلجھا لیا تو مقابلہ محال ہو جائے گا، مگر شکار پر جھپٹنے کی لذت ایسی تھی کہ شاہبازوں نے تعاقب جاری رکھا. وہ اس ایس یُوسَیون کو فضا میں پھٹتے یا گرتے یا ہوا باز کو پیراشوٹ سے نکلتے دیکھنا چاہتے تھے۔ اس کے ایک پَر سے دُھواں تو نکل ہی رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ گولیاں ضائع نہیں گیئں.

آخر ایس یُوسَیون ان کی مشین گنوں کے رینج سے نکل گیا جب ونگ کمانڈر بخاری سکواڈرن لیڈر سیَسِل چوہدری کو واپسی کی ہدایت دے چکا تو دونوں نے دیکھا کہ وہ آدم پور کے ہوائی اڈے تک پہنچ گئے تھے. وہ واپس آگئے اور یوں دو سیبر طیّاروں نے تین ایس یُوسَیون مار گرائے.

اس معرکے میں سکواڈرن لیڈر سیسِل چوہدری نے ونگ کمانڈر بخاری سے التجا کر کے اس کا شکار لے لیا تھا اور اسے فضا میں شعلہ بنا دیا تھا. اس کی اس التجا کے پیچھے جذبۂ حُب الوطنی کے علاوہ انتقام کی آگ بھی جو ستمبر ۱۹۶۵ء میں ہلواڑہ کی فضا میں اس کے سینے میں بھڑکی تھی. اس کی نظروں کے سامنے اس کے دو عزیز ساتھی شاہباز سکواڈرن لیڈر سرفراز احمد رفیقی شہید ہلالِ جرأت، ستارۂ جرأت اور فلائٹ لفٹننٹ یونس حسن شہید ستارۂ جرأت شہید ہو گئے تھے. تینوں نے چودہ ہنٹر طیّاروں کا مقابلہ کر کے ان میں سے چھ کو مار گرایا تھا اور سیَسِل چوہدری آٹھ طیّاروں میں اکیلا رہ گیا تھا جبکہ اس کا ایمونیشن بھی کم اور تیل بھی کم رہ گیا تھا.

پھر امرتسر کے ریڈار پر حملہ کرتے پاک فضائیہ کا ایک اور شاہباز سکواڈرن لیڈر منیر احمد سکواڈرن لیڈر سیَسِل چوہدری کے سامنے

امرتسر کی فضا میں دشمن کی طیّارہ شکن گنوں کی نذر ہو گیا اور اب چھ سال بعد جب اُس نے اپنے لیڈر سے التجا کی تھی۔ "لیڈر! پلیز اسے میرے لئے چھوڑ دو" —— تو اس التجا کے پس منظر میں اس کے عزیز ساتھیوں کی شہادت کارفرما تھی.

☆

آخری منظر

ـــــ اپنے طیارّے خود تباہ کیے

مشرقی پاکستان میں پاک فضائیہ کا جو سیبر سکواڈرن تھا اسے جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء میں "دُم تراش" TAIL CHOPPERS کا خطاب دیا گیا تھا۔ ان شاہبازوں کا کارنامہ ایسا بے مثال تھا کہ وہ اس سے بڑے خطاب کے حقدار تھے۔ ۷ ستمبر ۱۹۶۵ء کی صبح انڈین ائیر فورس کے لڑاکا بمبار طیاروں نے ڈھاکہ اور چاٹگام پر حملہ کیا اور کوئی نقصان کیے بغیر واپس چلے گئے۔ وہ کلائی کنڈہ (مغربی بنگال) کے اڈے پر اترے ہی تھے کہ ہمارے شاہباز پہنچ گئے اور ان تمام طیاروں کو تباہ کر آئے جو ڈھاکہ اور چاٹگام پر حملہ کر گئے تھے۔

ہمارے صرف ایک سکواڈرن نے پہلے ہی دن انڈین ائیر فورس کے چودہ کینبرا بمبار طیارے اور ایک باربردار طیارہ بالکل خاکستر اور چار کینبرا اور تین ہنٹر بیکار کر کے انڈین ائیر فورس کا زعم توڑ دیا۔ اس کے بعد انڈین ائیر فورس نے مشرقی پاکستان کا رُخ نہ کیا۔ البتہ ہمارے شاہبازوں نے دشمن کے ہوائی اڈوں پر حملوں کا تسلسل جاری رکھ کر بھارت کی اس فضائی قوت کو سر نہ اُٹھانے دیا جو اُس نے مشرقی پاکستان کے لیے جمع کر رکھی تھی۔

مگر اسی سکواڈرن کو جس نے انڈین ائیر فورس کو چھ سال پہلے سر نہیں اٹھانے

دیا تھا، دسمبر ۱۹۷۱ء میں اپنے طیارے اپنے ہاتھوں تباہ کرنے پڑے اور شاہبازوں کو ایک ہیلی کاپٹر میں وہاں سے جان بچا کر نکلنا پڑا۔ مقابلہ تو انہوں نے اب کے بھی کیا تھا اور خوب کیا تھا۔ اس مقابلے کا آنکھوں دیکھا حال بہت سے غیر ملکی نامہ نگاروں نے لکھا تھا۔ وہ ڈھاکہ انٹر کانٹی نینٹل ہوٹل کی چھت پر کھڑے فضا میں اس مقابلے کو دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دیس دیس کے اخباروں کو جو خبریں دی تھیں ان میں سے کچھ پیش کی جا چکی ہیں۔

پاک فضائیہ کی شجاعت کی داستان جو دوسرے ملکوں کے عینی شاہدوں نے سنائی ہے خاصی طویل ہے۔ اس ولولہ انگیز داستان کا آخری منظر بڑا ہی افسوس ناک ہے لیکن اس کی ذمہ داری پاک فضائیہ پر عائد نہیں کی جا سکتی۔ مشرقی پاکستان کے دونوں طرف بھارت نے لڑاکا بمبار طیاروں کے دس سکواڈرن رکھے ہوئے تھے۔ ان کے مقابلے میں ہمارا وہاں صرف ایک سکواڈرن تھا جس کے پاس کُل سولہ طیارے تھے اور وہ بھی قدیم اور سست رفتار سیبر، جب کہ دشمن کے پاس مِگ ۲۱، اور ایس یُو سیون جیسے جدید طیارے تھے جن کی تعداد ڈیڑھ سو سے زیادہ تھی۔ ذرا تصور فرمائیے کہ شاہبازوں سے یہ توقع وابستہ کی گئی تھی کہ وہ سولہ سیبر طیاروں سے ڈیڑھ سو طیاروں کا مقابلہ کریں۔

دسمبر ۱۹۷۱ء میں ڈھاکہ کے سکواڈرن کے کمانڈر ونگ کمانڈر افضل چوہدری تھے۔ انہیں انتہائی مشکل حالات میں ایک طاقتور دشمن سے مقابلہ کرنے اور اسے اپنی استطاعت سے بڑھ کر نقصان پہنچانے کے صلے میں ستارۂ جرأت دیا گیا۔ ونگ کمانڈر افضل چوہدری کہتے ہیں ـــ "ڈھاکہ میں سیبر طیاروں کا صرف ایک سکواڈرن تھا۔ جنگی پروازوں کے لیے اڈے پر ضروری سہولتوں اور انتظامات کی بھی کمی تھی، اور ان حالات میں ہمارا مقابلہ دشمن کے آٹھ سے دس ایسے سکواڈرنوں سے تھا جن کے پاس جدید ترین طیارے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آخر میں ہمیں مقابلے سے دستبردار ہونا پڑا لیکن ایسے بے حد مشکل حالات میں جس طرح میرا سکواڈرن لڑا، اس کی مثال فضائی

جنگوں کی تاریخ میں کم ہی ملتی ہے۔ ایسے فضائی معرکوں میں جن میں فریقین میں برابری تھی ہی نہیں، ہمارے جوشیلے ہوابازوں نے پورے جوش اور استقلال سے دشمن کا چیلنج قبول کیا اور حملہ آور طیاروں کو فضا میں تباہ کیا۔ ان کی تعریف دوست نے بھی کی، دشمن نے بھی۔"

ونگ کمانڈر چوہدری نے کڑی آزمائش کے اُن دنوں کو یاد کرتے ہوئے کہا ـــ "کھُلی جنگ تو ۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کی رات شروع ہوئی تھی جب انڈین ایئر فورس نے ڈھاکہ اور کرمی ٹولہ کے ہوائی اڈوں پر بمباری شروع کر دی تھی لیکن پاکستان ایئر فورس مارچ ۱۹۷۱ء سے ہی باغیوں اور اُن بھارتی فوجیوں کی سرکوبی کے لیے سرگرم تھی جو مشرقی پاکستان میں گھُس آئے تھے۔ اس عرصے میں پاکستان ایئر فورس پاک فوج کی مدد کرتی رہی جس میں اس نے بہت سی جنگی پروازیں کیں۔ . . .

"۳ دسمبر ۱۹۷۱ء کے بعد جہاں تک پاکستان ایئر فورس کا تعلق ہے جنگ تین دنوں میں ختم ہو گئی تھی۔ ان تین دنوں میں ہمارے ہوابازوں اور طیارہ شکن توپچیوں نے جرأت اور بے خوفی کے غیر معمولی مظاہرے کیے اور ناقابلِ یقین کارنامے کر دکھائے۔ ہوابازوں نے ان دنوں میں جو کامیابیاں حاصل کی ہیں اور جس طرح انہوں نے جنگی پروازیں کی ہیں ان کے پیچھے زمین پر کام کرنے والے عملے کی انتھک کوششوں اور فرض شناسی کا بڑا دخل ہے۔ اس کے بعد ہواباز ڈھاکہ کے ہوائی اڈے سے ایسی مشکلات اور مجبوریوں میں کبھی جنگی پروازیں نہ کر سکتے تھے . . . .

"۳/۴ دسمبر کی درمیانی رات انڈین ایئر فورس نے ہمارے ہوائی اڈے اور دفاعی انتظامات پر شدید بمباری کی۔ بہر حال پاکستان ایئر فورس کی تنصیبات محفوظ رہیں لیکن بھارتی ہوابازوں کے بم شہری آبادی پر گرے یا ڈھاکہ کے اردگرد کیچڑ میں۔ اگلی صبح سے انڈین ایئر فورس نے دن کے وقت بھی حملے شروع کر دیئے . . . .

"ڈھاکہ اور کرمی ٹولہ کے ہوائی اڈوں اور نارائن گنج کے کارخانوں پر دشمن نے ایک سو اٹھائیس جنگی پروازیں بھیجیں، یعنی ایک سو اٹھائیس طیاروں نے بمباری، راکٹ

اور مشین گن فائرنگ کے حملے کیے۔ ہر حملے میں کم سے کم آٹھ اور زیادہ سے زیادہ سولہ طیارے آتے تھے۔ ان کی حفاظت کے لیے مگ ۲۱ طیارے ساتھ ہوتے تھے تاکہ ہمارے طیارے بمباری کرنے والے طیاروں کو روک نہ سکیں....

"۴ دسمبر کی شام تک پاکستان ائیر فورس کے ہواباز تیرہ ایس یوسیون اور ہنٹر فضائی معرکوں میں گرا چکے تھے۔ ان کے علاوہ چار طیارے طیارہ شکن توپچیوں نے گرائے تھے۔ ہر فضائی معرکے میں تناسب یہ تھا کہ ہمارے ایک ہواباز کا مقابلہ چار سے آٹھ طیاروں تک تھا۔ برتری، رفتار کی تیزی اور دیگر جدید تکنیکی خوبیوں کے باوجود ہنٹر اور ایس یوسیون، سیبر جیسے قدیم فضائی گھوڑے کے سامنے مکمل طور پر ناکام رہے۔ دیہ ہمارے ہوابازوں کی فنی مہارت اور جذبے کا کمال تھا۔ ۴ دسمبر کے پچھلے پہر بھارتیوں نے آواز کی رفتار سے تیز مگ ۲۱ طیارے بھیجے....

"صبح کے وقت انڈین ائیر فورس کے بارہ طیاروں کا ایک ریلا آیا جس میں ہنٹر اور ایس یوسیون تھے۔ وہ ہوائی اڈے پر بمباری کے لیے آئے۔ پاکستان ائیر فورس فورس کے دو ہواباز سکواڈرن لیڈر افضل اور فلائٹ لیفٹیننٹ سعید افضل خان پہلے ہی فضا میں موجود تھے۔ وہ گشتی پرواز کر رہے تھے۔ انہوں نے یہ بھی پرواہ نہ کی کہ وہ دو ہیں اور دشمن کی تعداد بارہ ہے۔ وہ بارہ کے مقابلے میں آ گئے۔ دن کے وقت جب زمین سے ہر کوئی دیکھ رہا تھا، ہمارے دو ہوابازوں نے بارہ برتر طیاروں سے فضائی معرکہ لڑا اور بارہ میں سے ایک ایس یوسیون اور دو ہنٹر مار گرائے۔ باقی دس بم گرائے بغیر بھاگ گئے....

"آدھے گھنٹے بعد انڈین ائیر فورس کے طیاروں کا ایک اور ریلا آیا۔ اُس وقت سکواڈرن لیڈر افضل اور فلائٹ لیفٹیننٹ سعید افضل خان اُتر آئے تھے اور اُن کی جگہ سکواڈرن لیڈر رولادر حسین اور فلائنگ آفیسر شمس الحق فضا میں موجود تھے۔ ان دونو نے بھی اپنے ساتھی ہوابازوں کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے چھ گنا زیادہ دشمن کو مقابلے کے لیے للکارا۔ فضائی معرکہ لڑا گیا اس میں فلائنگ آفیسر شمس نے ایک ہنٹر کو مار گرایا...

"تھوڑی دیر بعد فلائٹ لیفٹیننٹ سعید افضل خان پھر فضا میں موجود تھا۔ دشمن کے طیاروں کا ایک ریلا آیا۔ فضائی معرکہ لڑا گیا جس میں ہمارا اکیلا ہواباز کئی ایک بھارتی طیاروں سے لڑ رہا تھا۔ آخر فلائٹ لیفٹیننٹ سعید افضل خان ایک ہنٹر کی گولیوں کی زد میں آ گیا۔ وہ پیراشوٹ سے نکل آیا۔ وہ اُترا تو اپنے ہی علاقے میں تھا مگر مکتی باہنی کے ہتھے چڑھ گیا پھر اُس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اسے ستارۂ جرأت دیا گیا۔ اس اعزاز کے ساتھ جو سرکاری سند دی گئی اس میں تحریر ہے:۔

'۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کے روز فلائٹ لیفٹیننٹ سعید افضل خان نمبر ۲ کی حیثیت سے اُڑ رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور سیبر طیارہ تھا۔ اُس نے چار ہنٹر طیاروں سے مقابلہ کیا اور فوراً ایک کو مار گرایا۔ کچھ دیر بعد اُس نے ہنٹر طیاروں کے ایک اور غول پر حملہ کر دیا اور غیر معمولی دلیری سے اکیلے ان کا مقابلہ کیا۔ اس نے ان میں سے کسی ایک بھی طیارے کو ڈھاکہ ہوائی اڈے کے قریب نہ آنے دیا۔ دشمن کی تعداد زیادہ تھی اور طیارے اُس کے طیارے کے مقابلے میں برتر اور جدید تھے۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود وہ لڑتا رہا اور دشمن کے طیارے کو اڈے سے دور رکھنے کی کوشش کرتا رہا حتیٰ کہ ایک ہنٹر نے اس کے طیارے کو زد میں لے لیا۔ وہ طیارے سے نکل آیا مگر اُسے مکتی باہنی نے پکڑ لیا۔ اس وقت سے وہ لاپتہ ہے۔'

"ایک اور فضائی معرکے میں پاکستان ائیر فورس کا ایک اور جانباز شاہباز ونگ کمانڈر سید محمد احمد لاپتہ ہو گیا۔ اسے بھی ستارۂ جرأت دیا گیا۔ ونگ کمانڈر سید محمد احمد سٹاف ڈیوٹی پر تھا۔ جنگی پروازیں اس کی ڈیوٹی میں شامل نہیں تھیں۔ اُس نے سٹاف ڈیوٹی بھی پوری جانفشانی سے کی اور رضاکارانہ طور پر جنگی پروازیں بھی کرتا رہا اور فضائی معرکے بھی لڑے۔ ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کے روز ہمارے کچھ طیارے ایک جنگی مشن کے لیے

فضا میں تھے۔ انڈین ائیر فورس کے طیارے آ گئے۔ ہمارے ہوا باز اُن سے فضائی جنگ لڑنے لگے۔ اس دوران دشمن کے مزید طیارے آ گئے۔ ہمارے طیاروں کی تعداد بہت ہی تھوڑی تھی۔ ان کے لیڈر نے مدد مانگی۔ وِنگ کمانڈر سید محمد احمد فوراً ان کی مدد کے لیے طیارے میں بیٹھا اور فضا میں پہنچ گیا۔ اس کے اس قدر جلدی پہنچنے سے ان ہوا بازوں کا حوصلہ بلند ہو گیا جو کئی گنا طاقتور دشمن کے گھیرے میں آ گئے تھے.....

"وہ سب خیریت سے اڈے پر آ گئے مگر وِنگ کمانڈر سید محمد احمد دشمن سے اُلجھا رہا۔ حتیٰ کہ دشمن کی زد میں آ گیا۔ وہ پیراشوٹ سے نکل گیا لیکن ایسے علاقے میں جا اُترا جو مکتی باہنی کے قبضے میں تھا۔ اُس وقت سے وہ لاپتہ ہیں....

"سارا دن فضا میں طیارے لڑتے رہے۔ ہمارا ایک ایک ہوا باز آٹھ آٹھ بھارتی ہوا بازوں سے لڑتا رہا۔ فلائنگ آفیسر شمس الحق جو سکواڈرن میں عمر اور سروس کے لحاظ سے سب سے چھوٹا بلکہ کمسن تھا، سب سے زیادہ تیز اور دلیر نکلا۔ اُس نے دشمن کے تین طیارے گرائے جن میں دو ہنٹر اور ایک ایس یُو سیون تھا۔ اُس کے ساتھ صرف ایک اور ہوا باز فلائنگ آفیسر شمشاد احمد تھا۔ ان دو کا مقابلہ دو ایس یُو سیون اور چار ہنٹر طیاروں سے ہوا تھا۔ تین کو شمس نے گرایا اور ایک ہنٹر کو شمشاد نے نشانہ بنایا۔ دونوں کو ستارۂ جرأت دیا گیا۔ فلائنگ آفیسر شمشاد نے اس سے پہلے ایک اور ہنٹر کو مار گرایا تھا جو پاک فوج کے مورچوں پر حملے کے لیے آیا تھا۔ ۴ دسمبر ۱۹۷۱ء کے فضائی معرکوں میں سکواڈرن لیڈر جاوید افضل خان نے بھی دو ہنٹر طیارے مار گرائے۔ انہیں بھی ستارۂ جرأت دیا گیا....

"آخری فضائی معرکہ سکواڈرن لیڈر دلاور حسین نے جو جنگِ ستمبر ۱۹۶۵ء کے ستارۂ جرأت ہیں، لڑا۔ ان کے ساتھ فلائنگ آفیسر سجاد تھا۔ دونوں نے چار ہنٹر طیاروں سے مقابلہ کیا۔ ایک کو سکواڈرن لیڈر دلاور حسین نے مار گرایا اور باقی تین اپنا مشن ترک کر کے بھاگ گئے....

"۵ دسمبر ۱۹۷۱ء کے روز پاکستان آرمی کے ہیلی کاپٹر مختلف سیکٹروں میں سرگرم تھے۔ ان کی حفاظت کے لیے ہم نے کچھ طیارے بھیجے۔ اب بھارتی طیارے ڈھاکہ ہوائی اڈے پر رات کے وقت بمباری کے لیے آتے تھے۔ ۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کے روز ہم نے فیصلہ کیا کہ پاکستان آرمی کو مدد دی جائے۔ کومیلا سیکٹر میں پاکستان آرمی پر دباؤ زیادہ تھا۔ فوج پر بھارتی طیارے بھی حملے کرتے تھے۔ ہمیں اطلاع ملی کہ چار ہنٹر کومیلا کے قریب ہماری فوج پر حملہ کر رہے ہیں۔ ہم نے چار سیبر طیارے بھیج دیئے۔ اِنہی فضائی معرکے میں ایک ہنٹر طیارہ گرایا گیا....

"۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کی رات دشمن نے ڈھاکہ کے ہوائی اڈے پے در پے بمباری کر کے رن وے بالکل ہی برباد کر دیا۔ اس کے بعد انڈین ائیر فورس نے اڈے پر مسلسل بمباری جاری رکھی اور ہمیں مرمت کی مہلت نہ دی۔ دشمن کے پاس طیارے اتنے زیادہ تھے کہ ہم اتنے تھوڑے طیاروں سے اس کے ریلوں کا مقابلہ کرنے سے قاصر تھے۔ ہمارے طیارے اب اڑ بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ رن وے تباہ ہو چکا تھا اور سارا میدان کھڈوں سے بھر گیا تھا۔ ۹ دسمبر ۱۹۷۱ء تک ہوائی اڈے کی یہ حالت ہو گئی کہ مرمت کی سوچی بھی نہیں جا سکتی تھی....

"ہوائی اڈے کے میدان اور رن وے پر گہرے اور وسیع گڑھوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا اور اس سرزمین کی قسمت سربمہر ہو گئی تھی جو اُس وقت مشرقی پاکستان کہلاتی تھی۔ ہمارے پاس سولہ میں سے گیارہ طیارے رہ گئے تھے۔ ہم نے بوجھل دلوں سے گیارہ طیاروں کو جن سے ہم نے بڑے ہی طاقتور اور تیز طیاروں کا مقابلہ کیا اور مشرقی پاکستان کو دشمن سے بچانے کی کوشش کی تھی، اپنے ہاتھوں آگ لگا دی۔ ہم سب ایک ہیلی کاپٹر میں بیٹھے اور برما سے ہوتے ہوئے مغربی پاکستان میں آ گئے۔"

جنرل نیازی نے ایک مُلاقات میں مجھے بتایا تھا کہ ڈھاکہ کا ہوائی اڈہ گڑھوں سے بھر گیا تھا۔ طیارے نہ پرواز کر سکتے تھے نہ کوئی طیارہ وہاں اُتر سکتا تھا۔ اب یہی ایک کارروائی رہ گئی تھی کہ اپنے بیچے ہوئے طیارے تباہ کر دیئے جائیں تاکہ

یہ دشمن کے کام کے نہ رہیں۔ پاک فضائیہ کے شاہباز جنرل نیازی کے پاس گئے اور کہا کہ وہ کسی نہ کسی طرح طیّارے اڑا لیں گے۔ انہیں اجازت دی جائے۔ وہ لڑیں گے۔

جنرل نیازی نے اُن سے پُوچھا کہ وہ لڑ کر طیّارے اُتاریں گے کہاں؟

شاہبازوں نے جواب دیا کہ وہ واپس آنے کے لیے فضا میں نہیں جائیں گے، وہ لڑتے ہوئے مر جائیں گے۔

جنرل نیازی نے انہیں یہ کہہ کر اجازت نہ دی کہ میں پاکستان کے اتنے قیمتی اور جرأت مند پائلٹ ضائع نہیں کرنا چاہتا۔